۹۶
إن الله لطيف خبير
اللطيف
دار العلوم لطيفية
مكان حضرت قطب ویلور

اللطیف ویلور

زیر ظل حمایت و سرپرستی

فضیلت مآب اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب
قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور
قدس سرہ العزیز

مدیر اعلیٰ:
حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری بی اے دامت برکاتہم العالی
ناظم دار العلوم لطیفیہ و صدر انجمن دائرۃ المعارف مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

مدیر مسئول
افضل العلماء مولانا مولوی ابو المکارم سید مصطفیٰ حسین صاحب بخاری لطیفی کڈپوی لکچرار دار العلوم لطیفیہ و جنرل سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف ویلور

مدیر معاون
افضل العلماء مولانا مولوی محمد بشیر احمد اکرمی صاحب مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور

نمائندگان طلبا

مولوی سید بشیر احمد یلمنیری ۔ سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف
مولوی کے۔ ایس۔ محمد صبغۃ اللہ ۔ جنرل مانیٹر دار العلوم لطیفیہ
حافظ محمد کمال الدین ------- سکریٹری صحت و صفائی
کے۔ یم۔ شاکر اللہ ------- جنرل کپتان دار العلوم لطیفیہ
مصطفیٰ کمال پاشاہ --- جائنٹ کپتان دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

بتاریخ ۱۱ ر شعبان بروز شنبہ
مطابق ۲ ر اکتوبر

۱۳۹۱ھ
۱۹۷۱ء

مطبوعہ یلکٹرک قومی پریس بنگلور لشکر

فہرست
مضامین

تمت

دار العلوم لطیفیہ اور گنبد اقطاب کا دیدہ زیب منظر
پیشکش: سید مرتضےٰ حسین جہانگیر لطیفی ویلور

نعت شریف

۴۸۶
۹۲

از قدوۃ السالکین
زبدۃ العارفین شیخ المشائخ
اعلیحضرت رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربی رحمۃ اللہ علیہ

ثنا کہتا ہوں صدق دل سوں میں مولیٰ تعالیٰ کا
اگرچہ ہو نہیں سکتا ثنا اس ذاتِ اعلا کا
وہی ہے گلشنِ ہستی میں مالی اس کی قدرت کا
گُلِ تر وجہِ گُل رُخ کا صنوبر قدِ دلارا کا
صدف میں ایک قطرے سوں کیا ہے لولو و لالا
دو قطرے سوں کیا شاداب شمشادِ بالا کا
اسی کی حمد میں دائم زباں بھرتی ہے عالم کی
اگرچہ کوئی ثنا کہتا ہے ماہ مہر سیما کا
عبادت میں اسی کے ہیں سبھی ذرّات عالم کے
اگرچہ کوئی کیا پوجا بُتِ بے دست و بے پا کا
ہر یک ذرّہ اشارت ہے یہی توحید برحق ہے
اگر توں ہے اشارت فہم کر ادراک معنا کا
انپس کی ذات کوں لا کر کہ ہووے کشف الا اللہ
بغیر از لا ہے نا کہہ لے تجے اسرار الا کا
دسے گا وجہ اس کا ہر ذرے سوں گر کریگا حل
یقیں سوں تُم وجہ اللہ کے مشکل معمّا کا
صفت ہور اسم ہر شئی کا صفت ہور اسم حق کا ہے
کہ ہے اسم و مسمیٰ عکس اس اسم و مُسمّا کا
تجلّی ہے یو سب غیب ہویت ہور وحدت کی
اگر ہے جہل جاہل کا و گر ہے علم دانا کا

بغیر از عاجزی قربی تجے چارہ ثنا سوں نیں
کہ جیوں کہنا اتھا تیوں نیں کہے کوئی حمد مولا کا

عطیہ
از حضرت مولانا ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی المعروف میراں پاشا صاحب

بنگلور قومی پریس بنگلور

رباعی
میں قلزمِ زخار ہوں، منبع تو ہے
میں مہرِ جہاں تاب ہوں مطلع تو ہے
ہے فرق بہت لطیف ہم دونوں میں
مانندِ ضمیر میں ہوں، مرجع تو ہے
حضرت امجد حیدرآبادی

نگاہ اولین

اللطیف گذشتہ سالوں سے جو دینی و ادبی خدمات انجام دیتا آرہا ہے کسی سے پوشیدہ نہیں ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ اس کا پہلا شمارہ چھوٹے سائز میں صرف چند اوراق پر مشتمل تھا۔ یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ سالنامہ اللطیف اپنی قلیل مدت میں معراج ترقی پر پہنچ گیا جس کے مضامین نگار کی تعداد بھی سال بہ سال بڑھتی جارہی ہے۔ اسی لئے اس کی ضخامت کو بڑھانا بھی ناگزیر ہوگیا۔ اندرون ملک ہی نہیں بلکہ بیرونی ممالک تک اسکی رسائی ہے۔ دن بدن اس کی مقبولیت اور مانگ میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اس کے معیاری، دلچسپ و پُرلطف مضامین ایک طرف مذہبی ذوق کی تسکین کا باعث ہوتے ہیں تو دوسری طرف ادبی ذوق رکھنے والوں کے لئے دلچسپی سے خالی نہیں ہوتے سالنامہ "اللطیف" کا گیارھواں شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ ہی اندازہ کرسکتے ہیں کہ ہمارے طلباء و اساتذہ اپنی جد و جہد و جانفشانی میں کہاں تک کامیاب رہے ہیں۔

دورِ حاضرہ میں جو اہمیت تحریر اور تقریر کو حاصل ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، قلم ایک ایسا ہتھیار ہے جو انتہائی خموشی سے قوموں میں انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ ایک عمدہ اور صحت مند لٹریچر کا مطالعہ انسانی فکر و ذہن پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ دنیا کے عظیم انقلابات تحریر یا تقریر ہی کے مرہون منت ہیں۔ خود ہماری جنگ آزادی میں تحریر نے جو عظیم کارنامے انجام دئے ہیں آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہیں۔ تلوار یا اور کوئی خطرناک ہتھیار جان تو ضرور لے سکتا ہے لیکن زندگی بخش طاقت سے محروم ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف قلم دل کی ویران اور یخ بستہ وادیوں کو لہلہاتے ہوئے چمن زاروں سے بدل دیتا ہے۔

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ موجودہ دور میں جنگ کسی مسئلہ کا حل نہیں ہوسکتی۔ پہلی جنگ عظیم کی لرزہ خیز تباہ کاریوں اور دوسری جنگ عظیم کی وحشت انگیز ہولناکیوں کے علاوہ، 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ نے بھی ثابت کر دیا کہ یقیناً جنگ کسی مسئلہ کا حل نہیں۔ اس بات میں قطعاً شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ تحریر و تقریر سے عالمی رائے عامہ کو جتنا متاثر اور ہموار کیا جاسکتا ہے اتنا ہی غلط اثر جنگ سے واقع ہوتا ہے۔ اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے اور عوام کی صحیح رہنمائی کے لئے یہ دونوں چیزیں بیحد ضروری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ادارہ طلباء میں دینی تعلیم کے ساتھ ان دونوں چیزوں کو فروغ دینے کے لئے شب و روز مصروف عمل ہے۔ اس کے سامنے بانیانِ دارالعلوم کی مقدس اور پاکیزہ سیرت موجود ہے جنہوں نے جنوبی ہندوستان میں تحریر و تقریر کے ذریعہ باطل کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے رشد و ہدایت کے عظیم کارنامے انجام دئے۔ خصوصاً انیسویں صدی کی عظیم شخصیت اعلیحضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز نے اپنی تحریری و تقریری قوت سے تہلکہ مچا دیا تھا۔ آپ کی عظیم تصانیف اور اسلامی ہدایت نامے، ہفتہ واری خطبات آپ اپنی مثال ہیں اور آپ کے ایک عظیم مجاہد ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

ہماری دلی خواہش اور تمنا ہے کہ اس دور میں بڑھتی ہوئی مادہ پرستی اور خدا فراموشی کا مقابلہ کرنے اور انسانیت کی صحیح خدمت انجام دینے کے لئے زیادہ سے زیادہ اسلام کے ہونہار فرزندوں کو تحریری و تقریری قوتوں سے لیس کرکے دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

رُوئدادِ دارُالعلوم لطیفیہ

از ادارہ

دنیا کی مشہور زبانوں میں عربی زبان بھی امتیازی شان کی مالک ہے مشرق سے لیکر مغرب تک اس نیلگوں آسمان کے نیچے رہنے اور بسنے والے کروڑہا افراد اس زبان کو بھی طرح بولتے اور سمجھتے ہیں۔ علاقۂ عرب میں جہاں کے دس کروڑ سے زائد باشندوں کی زبان عربی ہے اس کے علاوہ برصغیر ہند و پاک، امریکہ وافریقہ، چین و روس، انڈونیشیا وملیشیا غرضیکہ ایشیا سے لیکر یورپ کے ہر ملک میں اس زبان کے سمجھنے اور بولنے والے موجود ہیں جبکہ یہ زبان آج سے چودہ سو سال پیشتر اپنی بے پایاں وسعت کے باوجود صرف جزیرۂ نمائے عرب تک محدود تھی۔ خدائے بزرگ و برتر نے اپنی مقدس کتاب کو اس میں نازل کر کے اس کو آفاقیت اور ہمیشگی سے سرفراز کر دیا۔ جب تک مشرق سے سورج اور مغرب سے چاند طلوع ہوتا رہیگا یہ زبان زندہ رہنے کے ساتھ زندگی بخشتی رہے گی۔

ہندوستان جو خطۂ عرب سے سینکڑوں میل دُور ہے یہاں کے لاتعداد عربی مدارس شب و روز خدمت دین میں مشغول ہیں اور خود یہاں اکثر و بیشتر یونیورسٹیوں میں عربی نصاب تعلیم موجود ہے۔ بفضلہ تعالیٰ ہمارا یہ دارالعلوم **لطیفیہ** جو صدیوں سے خدمت دین انجام دیتا آرہا ہے جنوب میں عربی زبان کو فروغ دینے میں ایک بے مثال کردار کا مالک ہے۔

نیا سال

بارہ شوال المکرم ۱۳۹۰ھ سے دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کا نیا تعلیمی سال شروع ہوا۔

اس سال بھی جدید طلبا کی کثیر درخواستوں کی وجہ داخلہ میں توسیع کر دی گئی۔ اس طرح مربیانِ دارالعلوم نے اپنے بلند عزائم اور حوصلہ مندی سے ملت کے زیادہ سے زیادہ نونہالوں کو اس سرچشمۂ علوم سے اپنی پیاس بجھانے کا زرین موقعہ عطا فرمایا۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء

افتتاحی اجلاس

مورخہ ۱۱ر جنوری ۱۹۷۱ء
مطابق ۱۳ر ذیقعدہ ۱۳۹۰ھ

بروز دوشنبہ بعد نماز عشا دارالعلوم کے خوشنما وسیع ہال میں **انجمن دائرۃ المعارف** کا افتتاحی اجلاس بزیر صدارت عالیجناب فضیلت مآب اعلیٰحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز انعقاد پذیر ہوا جس میں طلبائے عزیز سے خطاب کرنے کے لئے پروفیسر جناب یم۔ احمد باشاہ صاحب یم اے پرنسپال سی۔ عبدالحکیم کالج میل وشارم بحیثیت مہمان خصوصی مدعو تھے۔

آپ کے علاوہ مقامی اور بیرونی حضرات نے بھی اس ادبی محفل میں شرکت کی۔ حافظ محمد کمال الدین لطیفی ویلوری کی قرأت و حافظ محمد ابراہیم ادھونی کی نعت خوانی کے بعد پرنسپال صاحب نے طلبا سے خطاب کرتے ہوئے تاریخ قبل از اسلام یعنی ایام جاہلیت کا جائزہ لیا اور اُس دور کی تہذیب و تمدن

دارالعلوم لطیفیہ کے وسیع ہال کا دلکش منظر

پیشکش سید مرتضیٰ حسین جہانگیر لطیفی ویلور

پر روشنی ڈالی۔ تاریخی حوالوں سے آپ نے یہ ثابت کیا کہ اُس زمانے میں بھی علاقۂ عرب میں لکھنے پڑھنے والے ضرور موجود تھے۔ لیکن مذہب اسلام نے اپنی تعلیمات سے اس کو بام عروج پر پہنچایا۔ یہی وجہ تھی کہ چند دنوں میں عرب کا بچّہ بچّہ علم کی لذت وچاشنی سے آشنا ہو گیا۔ موصوف نے علم دین کی اہمیت کو احادیث کی روشنی میں بیان کیا اور کہا کہ آپ بہت خوش نصیب' اور قابلِ مبارکباد ہیں کہ اس قدیم علمی و دینی مرکز دارالعلوم لطیفیہ میں رہ کر استفادہ کر رہے ہیں۔ چونکہ اس سرچشمہ سے فیضیاب ہونے والے ہمیشہ اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک رہے ہیں' لہٰذا میں بھی آپ لوگوں سے ایسی ہی امید رکھتا ہوں۔

آپ کے بعد عالیجناب حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی B.A پرنسپل دارالعلوم لطیفیہ عربی کالج مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ نے موصوف کے خطاب مستطاب پر طلبائے عزیز کی توجہ مبذول فرماتے ہوئے زمانۂ حاضرہ کی سائنٹفک ایجادات پر روشنی ڈالی۔ آپ نے بتایا کہ دن بدن دنیا کوتاہ ہوتی جا رہی ہے۔ ایک وہ بھی زمانہ تھا کہ ہمیں قریبی گاؤں کی خبر نہ ہوتی تھی لیکن آج سائنس اتنی ترقی کر گئی ہے کہ ہم یہاں بیٹھ کر ہزاروں میل دُور کی خبریں نہ صرف سُن سکتے ہیں بلکہ وہاں سے بات کرنیوالے کی شکل بھی دیکھ سکتے ہیں۔ یہ ان کی کرامت نہیں بلکہ جد و جہد' اور جانفشانی کا نتیجہ ہے۔ انسان محنت' کوشش اور لگاؤ ہی سے اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے۔ تم لوگوں کا بھی اپنے علوم و فنون میں ترقی کرنا بعید از قیاس نہیں۔ تم بھی زمانے کے بخاری' اور مسلم رازی و غزالی بن سکتے ہو' اس کے لئے صرف محنت جانفشانی تقویٰ اور پرہیزگاری کی ضرورت ہے۔ آخر میں آپ نے

مہمان خصوصی اور دیگر تمام سامعین کا شکریہ ادا فرمایا۔

درسیات

دارالعلوم کا نصاب سلسلہ درس نظامیہ سے متعلق ہے۔ سال گذشتہ اس میں ہلکی سی ترمیم کی گئی تا کہ طلباٗ جدید ادب عربی اور اسلامی تاریخ سے واقفیت حاصل کریں۔

ہر زمرہ کے لئے تاریخ لازمی ہے' اور ادب عربی کی جدید کتابیں متوسطات میں داخل درس ہیں۔

شعبہ حفظ

اس شعبہ میں فارغ ہونے والے طلباء کو عبا و سند کے علاوہ قرآن شریف کے پڑھنے کی وہ اجازت دی جاتی جو متصلاً حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہے۔

انجمن دائرۃ المعارف کے جلسے

طلبائے دارالعلوم کو فن تقریر و خطابت کے میدان میں آگے بڑھنے اور اس میں کمال پیدا کرنے کے لئے مذکورہ انجمن کی جانب سے ہفتہ میں دو اجلاس منعقد ہوتے ہیں۔ ایک شب جمعہ جسکی صدارت دارالعلوم کے اساتذائے کرام فرماتے ہیں۔ دوسرا صبح جمعہ جسکی صدارت منتہی طلبا کے ذمہ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ عزّت مآب حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی ناظم دارالعلوم لطیفیہ و صدرِ انجمن بھی وقتاً فوقتاً جلسے کی صدارت فرماتے ہیں۔ انجمن کے اجلاس میں طلبا کو بعض اوقات کوئی ایک عنوان دیکر اس کی تائید و تردید میں تقریر کرنے کی اجازت دی جاتی ہے' جس سے طلبا میں اپنی تقریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے' اور

اس میں ملکہ حاصل کرنے کا بہترین موقعہ ملتا ہے۔

انجمن کے مخصوص اور اہم جلسے

۱۰ محرم الحرام سنہ ۱۳۹۱ھ کو سید الشہدا سیدنا امام حسینؓ کی حیات طیبہ پر اساتذۂ دار العلوم نے روشنی ڈالتے ہوئے بارگاہِ حسینی میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔

۱۰ ربیع الاول بروز پنجشنبہ جلسۂ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ۱۰ ربیع الثانی بروز شنبہ شب میں جلسۂ سیرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیر صدارت عالیجناب فضیلت انتساب اعلیٰحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز منعقد ہوا جس میں طلبائے عزیز، اساتذۂ کرام اور حضرت ناظم صاحب قبلہ نے اپنی بصیرت افروز تقاریر سے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم و غوثیت رض میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔

۱۵ اگسٹ یوم آزادی کے موقعہ پر اساتذۂ دار العلوم و حضرت ناظم صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی نے ہندوستان کی جد وجہد آزادی پر تقریریں کیں۔

دار الافتاء

دار العلوم کے منتخب اساتذۂ کرام (اعلیٰحضرت قبلہ مدظلہ العالی کی سرپرستی و نگرانی میں ملک کے مختلف حصوں سے آنے والے سوالات کے جوابات قرآن مجید، حدیث شریف، اور فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں تحقیق و تدقیق سے مرتب فرماتے ہیں۔

دار الاخبار

ملک میں شائع ہونے والے مختلف معیاری جرائد و رسائل کے علاوہ یہاں کے مشہور ادبی، مذہبی اور تاریخی ڈائجسٹ طلبا کے لئے فراہم کئے جاتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ طلبا ملک کے اندرونی و بیرونی حالات سے غافل نہ رہیں۔ زمانے کے دن بدن بدلتے ہوئے حالات پر ان کی نظر ہو۔ اور اس کے ساتھ اپنی تاریخی و مذہبی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے اپنے ذوقِ ادب کو فروغ دیں۔

دار التصنیف والاشاعت

یہ ادارہ شب و روز تحقیق و ریسرچ میں مشغول ہے۔ بزرگانِ مکان کی بہت سی کتابیں اس ادارے سے شائع ہو چکی ہیں۔ اس نے سب سے پہلے انوار اقطاب ویلور قدس اسرارہم کو شائع کیا۔ یہ کتاب تاریخ جنوب کا ایک اہم حصہ ہے جس کے بغیر جنوب کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد رسالۂ بیعت غائب و حاضر۔ میزان العقائد۔ مجموعۂ رسائل قربی، انشاء عقائد ذوقی، اس ادارے سے شائع ہو چکی ہیں۔

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخ المشائخ مولانا مولوی محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری المشہور بہ قطب ویلور قدس سرہ العزیز کی تالیف منیف جواہر السلوک جو (دنیائے تصوف کی عظیم شاہکار ہے) اس کا ایک حصہ ترجمہ کے ساتھ تقریباً مکمل ہو چکا ہے انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب منظرِ عام پر آجائے گا۔

اڈیٹوریل بورڈ

طلبا کی تحریری صلاحیتوں کو فروغ دینے کے لئے یہ آج سے کئی سال پیشتر قائم ہوا تھا۔ الحمدللہ اسکی کوششیں بار آور ثابت ہو رہی ہیں۔ طلبا میں مضمون نگاری کا شعور پیدا ہونے لگا ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ مضامین نگاروں کی رہنمائی کرے، اور ان کو مضمون نگاری کے اسلوب اور قواعد و ضوابط سے روشناس کراتے ہوئے الطیف کے لئے معیاری مضامین کا انتخاب کرے۔

اسباب صحت

یہ مسلمہ بات ہے کہ دنیا کی کوئی لذت بھی صحت کے بغیر ہیچ ہے۔ اسی لئے کہا گیا ع تندرستی ہزار نعمت ہے۔

طلبا سے سستی، کسلان اور کاہلی کو دور کرنے اور ان کے دماغ کو تر و تازہ و چالاک بنانے کے لئے دار العلوم کے میدان میں بیڈ منٹن، والی بال، ٹنی کباٹ، کبڈی جیسے بہتر کھیلوں کا انتظام ہے۔ طلباء عصر و مغرب کے درمیان مختلف کھیلوں میں حصہ لیتے ہوئے اپنی دن بھر کی تھکان، مٹاتے ہیں۔ بعد نماز مغرب تازہ دم ہو کر درسی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

نوید مسرت

ہمارے طلبا ۱۹۶۶ء سے مسلسل مدراس یونیورسٹی کے امتحانات افضل العلماء منشی فاضل ادیب فاضل میں شریک ہو رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اسکے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے کہ ہر سال شاندار نتیجہ نکل رہا ہے۔ افضل العلماء اور ادیب فاضل کے امتحانات میں شریک ہونے والے کثیر طلباء درجہ اول میں کامیاب ہوئے خصوصاً امسال بھی افضل العلماء اور ادیب فاضل فائنل میں تمام نے درجۂ اول سے کامیابی حاصل کی۔

امتحانات و انعامات

ہر سال دار العلوم میں تین امتحان ہوتے ہیں سہ ماہی ششماہی، سالانہ۔ امسال بھی سہ ماہی اور ششماہی امتحان اساتذہ کرام نے لیا اور سالانہ امتحان کے پرچے بیرونی علمائے کرام نے تیار فرمایا اور امتحان حال کی نگرانی بھی حسب سابق بیرونی حضرات کے ذمہ رہی۔ جوابات کی کاپیاں جانچنے کے لئے باہر بھیجی گئیں۔ شعبۂ حفظ کیلئے بھی باہر سے ممتحن کو بلایا گیا۔ درسیات تجوید مقالہ نویسی اور گیمس و اسپورٹس میں اول و دوم آنیوالے طلبا کو گراں قدر انعامات سے نوازا گیا۔

دستار بندی عبا پوشی اور تقسیم اسناد

تقدس مآب اعلیٰحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز نے مولوی عالم اور حفظ میں فارغ شدہ طلبا کو عبا و سند اور مولوی فاضل میں فارغ ہونیوالے طلبا کو عبا، دستار اور سند فاضل عطا فرمایا۔

ھدیۂ تشکر

ادارہ ان تمام اطباء اور ڈاکٹروں کا تہ دل سے مشکور ہے جنہوں نے موسمی اثرات سے متاثر ہونے والے طلبا کی جانب فوری توجہ دیتے ہوئے ان کی صحت بحال کرنے کی سعی فرمائی اور ہمیشہ خندہ روئی اور خوش اخلاقی سے پیش آتے رہے۔

نیز ان مدیران اخبار و مالکان مطابع کا بھی مشکور ہے کہ جنہوں نے دار العلوم کی کارروائیوں کو وقتاً فوقتاً شائع کیا۔ خصوصاً ہم جناب مولوی عبدالمتین صاحب مالک الیکٹرک قومی پریس بنگلور کے تہ دل سے مشکور ہیں کہ آپ نے ہماری مطلوبہ ضروریات کی اشاعت کو مقدم فرماتے ہوئے ہمیشہ ہماری ہمت افزائی کی۔ خدائے عزوجل آپ کو اور دار العلوم سے دلی تعلق و محبت رکھنے والوں کو دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

خطبۂ صدارت

گذشتہ سالانہ اجلاس میں فضیلت مآب اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین، سید شاہ باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز نے قرآن مجید کی عظمت شان پر جو خطبۂ صدارت دیا تھا اس کو ناظرین "اللطیف" کی دلچسپی و معلومات کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔

ادارہ

کلام پاک چونکہ اصل دین ہے اس کی بقا اور اشاعت ہی پر اس کا دار و مدار ہے اس لئے اس کے سیکھنے اور سکھانے کا افضل ہونا اظہر من الشمس ہے۔ البتہ اس کی انواع مختلف ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ارشاد حدیث مذکور کی تائید کرتا ہے جو سعید بن سلیم سے مرسلاً منقول ہے کہ جو شخص قرآن شریف کو حاصل کرے اور پھر کسی دوسرے شخص کو جو کوئی اور چیز عطا کی گئی ہو اپنے سے افضل سمجھے تو اس نے حق تعالیٰ شانہٗ کے اس انعام کی جو اپنے کلام پاک کی وجہ سے اس پر فرمایا ہے تحقیر کی۔ ایک دوسری حدیث سے ملا علی قاری نے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے کلام پاک کو حاصل کرلیا اس نے علوم نبوت کو اپنی پیشانی میں جمع کرلیا۔ سہل تستری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کے کلام پاک کی محبت قلب میں ہو۔

شرح احیاء میں ان لوگوں کی فہرست میں جو قیامت کے ہولناک دن میں عرش کے زیر سایہ رہینگے ان لوگوں کو شمار کیا ہے جو مسلمانوں کے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے ہیں۔ نیز ان لوگوں کو بھی شمار کیا ہے جو بچپن میں قرآن شریف سیکھتے ہیں اور بڑے ہوکر اس کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں۔

ابوسعید رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ حق سبحانہٗ وتقدس کا یہ فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف کی مشغولی کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعا مانگنے کی فرصت نہیں ملتی میں اس کو سب دعا مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کے کلام کو سب کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ خود حق تعالیٰ شانہٗ کو تمام مخلوق پر (شعب الایمان)

شرح السنہ۔ عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ تین چیزیں قیامت کے دن عرش کے نیچے ہوں گی۔ ایک کلام پاک جھگڑیگا بندوں سے۔ قرآن پاک کے لئے ظاہر ہے اور باطن، دوسری چیز امانت ہے تیسری رشتہ داری کہ جو پکارے گی کہ جس شخص نے مجھ کو ملایا اللہ اس کو اپنی رحمت سے ملائے اور جس نے مجھ کو توڑا اللہ اپنی رحمت سے اس کو جدا کردے۔

ان چیزوں کے عرش کے نیچے ہونے سے مقصود ان کا کمال قرب ہے۔ کلام اللہ شریف کے جھگڑے کا مطلب یہ

ہے کہ جن لوگوں نے اس کی رعایت کی اور اس کا حق ادا کیا، اور اس پر عمل کیا ان کی طرف سے حق سبحانہٗ کے دربار میں جھگڑیگا اور شفاعت کریگا اور ان کے درجے بلند کردیگا اور جن لوگوں نے اسکی حق تلفی کی ہے ان سے اس بارے میں مطالبہ کریگا کہ میری کیا رعایت کی اور میرا کیا حق ادا کیا؟

شرح احیاء میں امام صاحب سے نقل کیا ہے کہ سال میں دو مرتبہ ختم کرنا قرآن شریف کا حق ہے۔ قرآن شریف کے ظاہر اور باطن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک ظاہری معنی ہیں جنکو ہر شخص سمجھتا ہے اور ایک باطنی معنی ہیں جن کو ہر شخص نہیں سمجھتا جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نے اشارہ کیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک میں اپنی رائے سے کچھ کہے اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی اس شخص نے خطا کی۔

بعض مشائخ نے ظاہر سے مراد اس کے الفاظ فرمائے ہیں کہ جس کی تلاوت میں ہر شخص برابر ہے اور باطن سے مراد اس کے معانی اور مطالب ہیں جو حسب استعداد ہوتے ہیں۔

تلاوت و ترتیل کے معنی: تلاوت کے معنی ہیں کسی کے پیچھے پیچھے چلنا یا کسی کے فوراً بعد آنا۔ کتاب کی تلاوت کے معنی کتاب کا مطلب سمجھ سمجھ کر پڑھنا اور کتاب میں لکھے ہوئے حروف کو دیکھ دیکھ کر پڑھنا ہے۔ قرآن مجید کے لئے اس لفظ کا استعمال خاص طور سے ہے۔ اہل کتاب بھی جو توراۃ و انجیل و زبور معنی سمجھ سمجھ کر یا دیکھ دیکھ کر پڑھتے ہیں اس کو بھی تلاوت کہا جاتا ہے۔ قرأت عام ہے اور تلاوت خاص۔

قرآن مجید کی تلاوت یعنی اسکی آیتوں کے معنی اور مطلب سمجھ سمجھ کر پڑھنے اور کتاب دیکھ دیکھ کر پڑھنے کا تواتر زمانۂ نبویؐ سے آج تک بلافصل چلا آرہا ہے۔ اتنی طویل مدت میں کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ دنیائے اسلام میں لاکھوں بلکہ کروڑہا صاحب توفیق مسلمان قرآن مجید کی تلاوت میں معروف نہ رہے ہوں۔

ترتیل کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ ترتیل لغت میں صاف اور واضح طور سے پڑھنے کو کہتے ہیں اور شرح شریف میں کسی چیز کی رعایت کے ساتھ تلاوت کرنے کو کہتے ہیں۔ اول حرفوں کو صحیح نکالنا یعنے اپنے مخرج سے پڑھنا تاکہ طا کی جگہ تا۔ اور ضاد کی جگہ ظا دنہ نکلے۔ دوسرے وقوف کی جگہ بہتر اچھی طرح ٹھہرنا تاکہ وصل اور قطع کلام بے محل نہ ہو جائے۔ تیسرے حرکتوں میں اشباع کرنا یعنے زیر، زبر، پیش کو اچھی طرح ظاہر کرنا۔ چوتھے آواز کو کچھ بلند کرنا تاکہ کلام پاک کے الفاظ زبان سے نکل کر کانوں تک پہنچیں اور وہاں سے دل پر اثر کریں۔ پانچویں آواز کو اس طرح درست کرنا کہ اس میں درد پیدا ہو جائے اور دل پر جلدی اثر کرے۔ کیونکہ درد بھری آواز دل پر جلدی اثر کرتی ہے۔ اور اس سے روح کو قوت اور تاثر زیادہ ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے اطباء نے کہا ہے کہ جس دوا کا اثر دل پر پہنچانا ہو اس کو خوشبو میں ملا کر دیا جائے۔ کہ دل اس کو جلدی کھینچتا ہے اور جس دوا کا اثر جگر تک نہیں پہنچتا ہو اس کو شیرینی میں ملایا جائے کیونکہ جگر مٹھائی کا جاذب ہے۔

چھٹے، تشدید اور مد کو اچھی طرح ظاہر کیا جائے کہ اس کے اظہار سے کلام پاک میں عظمت ظاہر

ہوتی ہے اور تاثیر میں اعانت ہوتی ہے۔

ساتویں، آیاتِ رحمت اور ثواب و عذاب کا حق ادا کرے۔ یہ سات چیزیں ہیں جنکی رعایت ترتیل کہلاتی ہے۔ اور مقصود ان سب سے صرف ایک ہے۔ یعنے کلام پاک کا فہم و تدبر۔

حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کلام اللہ شریف کس طرح پڑھتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ سب حرکتوں کو پڑھا کرتے تھے یعنے زیر، زبر وغیرہ کو پورا نکالتے تھے اور ایک ایک حرف الگ الگ ظاہر ہوتا تھا۔ ترتیل سے پڑھنا مستحب ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت اور طفیل سے علم و عمل حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور فقر و صداقت کو ہمارا شیوہ بنائے، سرخروئی اور کامرانی عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

بجاہ نبیك المصطفےٰ وحبیبك المرتضیٰ واوصلنا الیٰ مقاصدنا و تب علینا انك انت التواب الرحیم۔

از
عالیجناب مولانا حضرت ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر
صاحب قبلہ قادری دامت برکاتہم العالی
بی ایس سی ۔ ناظم دارالعلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ

حمد و ثنا اللہ جل شانہٗ کے لئے ہے اور درود و سلام ہو حضرت محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ کہ آپ نے علم نورانی، علم حدیث و تفسیر کا علم رائج فرمایا۔

یہی وہ علم ہے جس سے انسان کو بصارت و بصیرت اور روح کو غذا و تقویت حاصل ہوتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ علم ہی روح کی غذا ہے۔ ایک مریض جب اپنے مرض کا علاج کراتا ہے تو اسے صحت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر وہ اپنی غفلت اور بے بسی سے مرض کو یوں ہی چھوڑ دے تو مرض بڑھتے ہوئے پختہ ہونے لگتا ہے اور اس میں اس کی موت واقع ہوتی ہے۔ یہی حال روح کا ہوتا ہے۔ علم ہی سے روح کو تازگی اور زندگی حاصل ہوتی ہے۔

حقیقی علم نور ہے جو خدا کی طرف سے القاء کیا جاتا ہے۔ زبان سے کلمات اور الفاظ کا ادا کر دینا تو صرف رسمی اور ظاہری علم ہے، یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علم دو قسم پہ ہے۔ ایک علم تو محض لسانی غیر نافع اور بے مقصود ہے جس سے آپؐ نے بارگاہِ الٰہی میں پناہ مانگی ہے۔ دوسرا علم قلبی نافع زود مند اور فائدہ بخش ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس امت کے لئے سب سے زیادہ باعث فتنہ وہ شخص ہوگا جو زبان کا عالم ہو، لیکن قلب و عمل کا جاہل ہو اسی کو آپ نے منافق لیئم کہا ہے۔

حضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المشہور بہ حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ جن کا وصال ایکسو سال آگے مدینۂ منورہ میں ہوا اور یہ شمع دارالعلوم لطیفیہ جو تین سو سال آگے روشن ہوی اور اس شمع کی روشن شعاعیں اور منور کرنیں دور دراز مقامات تک پھیلانے میں آپ مصروف عمل رہے اور شرک و بدعت کا سختی سے قلع قمع کیا سینکڑوں نہیں بلکہ ہزارہا گمراہ انسانوں کو ضلالت کے بھنور سے نکالا۔ اتنا ہی نہیں کئی ایک زبردست و عظیم تصانیف آپ کے نوک قلم سے وجود میں آئیں۔ جن سے ایک عالم فیضیاب ہو رہا ہے۔ لاکھوں انسان آپ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوے اور اپنی آخرت سنوارے۔ دنیا آپ کی ان خدمات کو کبھی فراموش

نہیں کرسکتی اور آپ کے یہ کارنامے ہمیشہ زندۂ جاوید رہینگے
آپ حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔
علم علماء کی میراث ہے۔ اس میراث میں عوام الناس کی خلل اندازی یا دخل اندازی ہرگز برداشت نہیں کی جاسکتی۔ اگر کوئی شخص خلل اندازی کرے تو یہ اس گناہ سے بڑھکر ہے کہ کوئی شخص چوری کرے یا جھوٹ بولے یا بُرا فعل کرے۔ اس سے بڑھکر علماء کی اس میراث علم حدیث وتفسیر میں دخل در معقولات ہو تو کفر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کی ذمہ داری نہایت نازک اور اہم ہوتی ہے اور ان کا مرتبہ بلند و بالا اور ان کی شان نرالی ہوتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ علم ظاہری و باطنی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ دین اسلام کی دو حیثیتیں ہیں جن سے فرد و جماعت کی تشکیل ہوتی ہے۔ اور مصلحت عامہ کی نگہداشت اور اسکی دیکھ بھال اس کا مقصود ہے اور اسلام کی باطنی حیثیت انسان کی اوامر و نواہی کی بجا آوری سے جو اس کے دل میں کیفیات معنوی پیدا ہوتی ہے وہ اس کا مقصود اور نصب العین ہے، وہ بزرگ جن کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے شریعت کی حفاظت کی استعداد ملی وہ ظاہری حیثیت کے محافظ بنے۔ یہ فقہا محدثین، غازیوں اور قاریوں کی جماعت ہے جو مختلف طریقوں سے لوگوں کو علوم دین کی تحصیل کی جانب ترغیب دلاتے رہے اور دین کے محافظین کو اللہ تعالیٰ نے دین کے باطن کی حفاظت کی استعداد عطا فرمائی۔ اور یہ بزرگ عامۃ الناس کو طاعت و نیکوکاری کے جن کاموں سے نفس پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور دلوں کو ان سے لذت ملتی ہے ان کاموں کی جانب دعوت دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے یہ منتخب شدہ بندے ہیں جن پر خدا کا خاص فضل ہوتا ہے اور یہ اسی کی دین اور عطا ہے۔

گذشتہ زمانے میں ہرکس و ناکس کو علم دین کی تحصیل کی اجازت نہ تھی۔ اساتذۂ روزگار اپنی فہم و بصیرت سے صالح اور اہل طلبا کا انتخاب کرتے، دل کھول کر پڑھاتے اور کہیں سے کہیں آگے بڑھا دیتے تھے۔ اس کے برخلاف کوئی نااہل شخص آجاتا تو اس کو بہت ہی عمدگی کے ساتھ واپس بھیج دیتے تھے۔

موجودہ دور میں دینی تعلیم کے ادارے کثرت سے پائے جاتے ہیں اور اپنی خدمات صالحہ انجام دیتے آرہے ہیں۔ لیکن ان اداروں میں داخلہ سب کے لئے یکساں ہے اور تعلیم برابر دی جارہی ہے۔

عربی میں ایک مقولہ ہے کہ موسم گرما میں اُوکالی بارش سب جگہ یکساں ہوتی ہے۔ پہاڑ وادی وریگستانوں پر، جنگلات اور لہلہاتے ہوے سبزہ زاروں پہ پڑتی ہے، لیکن اس بارش کا ایک قطرہ جب سانپ کے منہ میں گرتا ہے تو زہر اور سمندر میں سیپی کے منہ میں گرتا ہے، تو موتی بنتا ہے۔ یہی حال علم دین کا ہے۔ کسی شریف زادے کو علم دین سکھایا جاتا ہے تو اس کی شرافت میں اضافہ ہوتا ہے، اس سے فیض جاری و ساری ہوجاتا ہے اور ایک عالَم کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کسی نااہل کو یہ علم سکھایا جاتا ہے تو اس علم سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ علم میں مداخلت دین میں خلل اندازی اور خلقت میں فتنہ انگیزی و فتنہ پردازی ہوتی ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی آگاہ فرما دیا کہ نااہل کو علم دین سکھانا گویا خنزیر کے گلے میں سونے کا ہار پہنانا ہے۔ ظاہر ہے کہ سونے کا ہار پہنانے سے خنزیر کے درجہ میں کوئی فرق نہیں آسکتا، بلکہ سونے کے ہار کی بے حرمتی اور بے قدری ہوتی ہے۔ یہی حال ایک نااہل کو علم دین سکھانے کا ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ حدیث پڑھو اور حدیث پڑھاؤ۔ علمائے دین جو انبیاء کی وراثت اور علماء کی میراث کے اہل ہیں ان کا فریضہ ہے کہ حدیث پڑھائیں۔ یہ جذبۂ ایثار و قربانی اشاعت علم دین کی خاطر شریف زادوں کو زیور علم سے مزیّن کرے۔ اور ان کے گھروں سے جہالت کی تاریکی مٹاتے ہوئے گھر گھر علم کی روشنی سے منور کردیں، علاوہ ازیں ان میں وہ تمام تر صلاحیتیں اجاگر کرتے ہوئے پیکر اخلاص اور حق گوئی و صداقت میں بے باک اور علم و عمل کے علمبردار بنے رہنے کا جذبۂ صادق پیدا کریں۔ یہی شان علماء کی ہے اور یہی کام علمائے دین کا ہے۔

علمائے دین ایسے ہی اخلاق حمیدہ اور اوصاف جمیلہ سے متصف ہوتے ہیں۔ علم و عمل، تقوٰے و پرہیزگاری، عاجزی و انکساری حسن اخلاق اور پاکیزہ صفات ہی علماء کی عظمت کے اہم اور اصلی جوہر ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

سلسلہ صفحہ ۲۳ اپنے مقصد میں کامیابی اور فلاح کے لئے حتی الوسع قوت اور سامان قوت سے مستعد رہنا ضروری ہے اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ (الآیہ) لفظ قوت عام ہے اس میں ہر قسم کی قوت شامل ہے چاہے، وہ بدنی ہو یا مالی، علمی ہو یا دینی، اخلاقی ہو یا روحانی، اس دار العلوم میں آپ کو علمی و دینی اخلاقی و روحانی قوت حاصل کرنے کے اصول و مبادی سے تعلیم و تربیت کے ذریعہ روشناس کرایا گیا ہے۔ زندگی کی جد وجہد میں ان اصول و مبادی کو فراموش نہ کریں مشق و مزاولت سے اپنی قوتوں میں اضافہ کریں اور ان قوتوں کو خدا کی راہ میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اور بندگان خدا کو نفع پہنچانے میں استعمال کریں۔ قوم مسلم کی عموماً اور بزرگان دار العلوم و اساتذۂ دار العلوم کی خصوصاً آپ سے توقعات وابستہ ہیں، ان کی دعائیں آپ کے شامل حال ہیں کہ آپ اپنی ذمہ داریوں اور مسئولیت سے باخبر رہیں، اور اللہ تعالےٰ کی توفیق آپ کی رفیق رہے۔

از
حافظ بشیر الحق قریشی ادھونی
متعلم زمرۂ رابعہ
دار العلوم لطیفیہ ویلور

عشق و محبت اور باہمی ربط و الفت کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ ہے جو تا قیامت قائم رہیگا۔ خالقِ لیل و نہار نے یہ چیزیں نہ صرف انسانی فطرت میں بلکہ چرند، پرند، درند اور دیگر حیوانات میں بھی ودیعت فرمایا ہے۔ چنانچہ دیکھئے پروانے کو شمع اور بلبل کو گل سے بے انتہا والہانہ الفت ہوتی ہے لیکن عشق و محبت کی وادیاں اس قدر مضبوط اور وسیع ہونے کے ساتھ اپنے اندر مختلف اغراض و مقاصد چھپائے ہوتی ہیں۔ چنانچہ پروانے کا شمع پہ جان فدا اور قربان کرنا اور بلبل کی گل نوازی خالی از مقصد نہیں۔ حتیٰ کہ والدین کی بے پناہ شفقت کا دامن جو ہزارہا محبت و الفت بھرے موتیوں کو سمائے ہوتا ہے اس میں بھی یہ غرض پوشیدہ رہتی ہے کہ اولاد عہد ضعیفی میں معاون و مددگار ثابت ہو۔ لیکن جب ہم شمع نبوت کے پروانوں پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات نصف النہار کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان نفوس قدسیہ کی نفیس و پاکیزہ محبت و عقیدت دنیاوی اغراض سے ملوث نہ تھی بلکہ اس لئے تھی کہ بانی اسلام نے ارشاد فرمایا تھا۔

لا یومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ و والدہ والناس اجمعین یعنی تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں ان کے نزدیک ان کے والدین اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اصحاب نبی اپنے رسول ﷺ کے چشم و ابرو کے ایک خفیف اشارہ پر بھی اپنی جان، مال دھن، دوات الغرض ہر چیز آپ پر نچھاور کرنا عین سعادت اور ذریعۂ نجات تصور کرتے تھے صحابہ کی اس جاں نثاری اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی حد درجہ الفت اور جذبۂ عشق کو دیکھ کر کفار کے تن بدن میں رشک و حسد کے جذبات جنم لئے اور عاشقان رسول کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ مگر صد تحسین و آفریں ہے فدائیان نبی پر جنہوں نے بڑے بڑے مصائب و تکالیف کے موقعوں پر بھی اپنے نبی ﷺ کا ساتھ چھوڑنا گوارہ نہ کیا۔

چنانچہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ کفار مدینہ پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو آپ نے تمام صحابۂ کرام کو وامرھم شوریٰ بینھم کے تحت جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ کیا تم کفار کے مقابلہ میں میرا ہاتھ بٹاؤ گے تو صدیق اکبر رضی جواب دیتے ہیں ہم کفار سے مقابلے کے لئے ہر وقت مستعد ہیں۔ پھر زبان نبوت سے یہی سوال دہرایا جاتا ہے تو حضرت مقداد رضی جوش مسرت کے ساتھ کہہ اٹھتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم زبانوں پر وہ وہ الفاظ نہیں لائیں گے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ آپ اور آپ کا خدا جائیں اور مقابلہ

کریں۔ ہم تو یہیں بیٹھے تماشہ دیکھیں گے۔ لیکن یا رسول اللہ ہم آپ کے آگے پیچھے دائیں بائیں چاروں طرف سینہ سپر رہیں گے اور اگر حضور ﷺ سمندر میں بھی کودنے کا حکم دیں تو ہم بخوشی و مسرت آن واحد میں سمندر کی موجوں سے ہمکنار ہو جائیں گے۔

سچ پوچھیئے تو تاریخ عالم کا یہ ایک ایسا عدیم النظیر واقعہ ہے کہ قیامت تک بھی کسی پیشوا یا رہنما کے مقلدین اس طرح کی مثال پیش نہیں کر سکتے۔ دنیا جانتی ہے کہ پیروانِ محمد ﷺ کا یہ صرف زبانی قول نہ تھا بلکہ انہوں نے مختلف مقامات اور مواقع میں اس کا واضح اور بین ثبوت بھی دیا۔

اسی طرح حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا بھی واقعہ جبکہ انہیں سولی دی جا رہی تھی اس وقت ان سے کہا گیا اے خبیب (رضی اللہ عنہ) اگر تم اسلام دوستی سے باز آجاؤ تو شرفِ رہائی سے نوازے جاؤ گے۔

دستورِ زمانہ کے تحت آپ کی آخری امنگ دریافت کی گئی تو آپ نے دو رکعت نماز ادا کرنے کی مہلت طلب کی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کفار نے آپ کو سولی پر لٹکایا اور ہر طرف سے نیزے اور تیر برسائے جا رہے تھے۔ اسی اثنا میں ایک کافر آپ کے سینہ مبارک پہ خنجر رکھ کر کہتا ہے "یہ تمام مصائب و تکالیف جو تم جھیل رہے ہو اس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے پسند کر لو تو تمہیں اب بھی ایک نئی زندگی مل سکتی ہے۔

یہ ایک ایسا نازک موقعہ تھا جس میں کتنا ہی ذی عزم کیوں نہ ہو ضرور اس کے پائے استقامت لڑکھڑا جاتے ہیں اور وہ اس عالم پریشانی میں ہر جائز و ناجائز وسائل کا استعمال کر بیٹھتا ہے مگر قربان جائیں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے اس جواب پہ کہ باوجود اپنی جان خطرے میں ہے لیکن انتہائی صبر و استقلال کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ میرا پروردگار حاضر و ناظر ہے میں یہ تسلیم بھی نہیں کرتا کہ میری رہائی کی وجہ سے میرے پیارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک میں ایک کانٹے کا خراش بھی لگ جائے۔

آخر کار اس عاشقِ رسول نے اسی دار و رسن پہ ہنستے ہنستے معبودِ حقیقی سے جا ملا لیکن اپنے محبوب کو معمولی سی تکلیف و مصیبت جھیلتے ہوئے بھی دیکھنا گوارہ نہ کیا۔ اگر اس کو مقامِ عشق کی آخری منزل قرار دی جائے تو بالکل بجا ہے۔

تاریخ اسلام میں ہمیں ہر جگہ صحابہ کی جاں نثاری کے ہی جلوے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ہجرت کے موقعے پہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ارشاد فرماتے ہیں کہ تم میرے بستر پر سو جاؤ اور جب صبح ہو جائے تو یہ تمام امانتیں لوگوں میں تقسیم کر کے چلے آؤ۔

زبانِ نبوت سے حکم ایک ایسے پرخوف و خطر محل میں صادر ہو رہا ہے جبکہ دشمنانِ اسلام نے کاشانۂ نبوی کا محاصرہ کر رکھا تھا اور ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ اگر آپ چاہتے تو عذر پیش کر سکتے تھے لیکن اپنے آقا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی اپنی جان سے کہیں زیادہ بالاتر اور عزیز تھا جس کی بنا پہ ہی جان کھیلتے ہوئے بسر و چشم قبول فرمایا۔

اسی طرح ایک انصاری خاتون جس کا قلب عشق نبوی سے لبالب تھا غزوۂ احد میں اہل اسلام کی عدم فتح کی خبر پا کر مدینہ سے نکل پڑتی ہے۔ جنگ پہ اس کے

شوہر، بھائی، باپ تینوں نے جام شہادت نوش فرمایا تھا اثنائے راہ میں اس کو یکے بعد دیگرے ہر ایک کے حادثہ کی اطلاع ملی۔ مگر یہ خاتون صبر جمیل سے کام لیتے ہوئے ہر بار یہی استفسار کرتی رہی کہ میرے آقا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خیریت وعافیت کی اطلاع ملنے کے بعد بھی اسے اطمینان وسکون حاصل نہ ہوا تو مجمع عام میں بے دھڑک گھس آئی اور جب چہرۂ انور پر نظر پڑی تو بے ساختہ اس کی نوک زبان سے یہ کلمات نکل پڑے۔ "کل مصیبۃ بعدک جلل" آپ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت ہیچ ہے۔

اس نیک دل خاتون کے اس قول سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں نے حب نبیؐ کو اسلام و ایمان کا جزو لاینفک قرار دیا تھا۔

یہ پرستاران رسولؐ کے نزدیک دنیا میں کسی چیز کی قدر وقیمت اور رفعت ومنزلت تھی وہ صرف اپنے نبیؐ کی ذات مقدسہ تھی۔ آخر میں مجھے یہ کہنے دیجئے کہ صحابۂ کرام جو ہر مقام پر کامیاب وکامران رہے جن کی حیرت انگیز ترقی کی مثال آج بھی دنیا کی ہر قوم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ وہ اسی جذبۂ عشق ومحبت اور والہانہ الفت کا نتیجہ تھا۔ اگر ہم بھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت رکھیں اور داعی اسلام کے بتلائے ہوئے راستوں پر عمل پیرا ہوجائیں تو بخدا ہمیں بھی وہی سربلندی وترقی اور عروج حاصل ہوگا۔ شاید اسی وجہ سے شاعر مشرق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نوک قلم اسی حقیقت کی ترجمانی کررہی ہے:۔

کی محمدؐ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطابِ مستطاب

حضرت مولانا مولوی محمد حسین صاحب M.A پرنسپال

عثمانیہ کالج کرنول آندھرا پردیش نے گذشتہ سالانہ اجلاس میں اپنے بصیرت افروز خطاب سے اہل جلسہ کو بے حد محظوظ کیا تھا۔ جو آپ کی ذہنی صلاحیتوں کا آئینہ دار ہے ہدیۂ ناظرینِ "اللطیف" ہے۔

— ادارہ —

عزیزانِ گرامی! ایسے موقعوں پر عموماً طلبہ کو نصیحتیں کی جاتی ہیں، ان کے سامنے ایک لائحۂ عمل پیش کیا جاتا ہے، اور انہیں بتایا جاتا ہے کہ ان کے کیا فرائض ہیں۔ بزرگانِ دارالعلوم اور اساتذۂ دارالعلوم نے ان تمام امور کو بحسن وخوبی آپ کے ذہن نشین کیا ہوگا۔ ان امور کے درپے ہونے اور ان پر روشنی ڈالنے کی جسارت نہیں کرسکتا اس لئے کہ میں اپنے تئیں اس کا اہل نہیں سمجھتا۔ البتہ میں صرف یہ واضح کرنے کی کوشش کرونگا کہ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ عملی دنیا میں اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے لئے قدم زن ہونگے تو کس ماحول میں آپ کو کام کرنا پڑیگا۔ اہل عالم کے کیا نقطہ ہائے نظر ہیں اور ان کے کیا مقاصد ہیں۔

آج اہل دنیا ایک نئے اور دلفریب دَور سے گزر رہے ہیں جس میں کائنات اور باہمی انسانی معاملات پر ایک ایسے زاویہ سے نظر ڈالتے ہیں جو پچھلے قرنوں کے زاویوں سے مختلف ہے۔ اس دَور میں بہت سے پچھلے نقطہ ہائے نظر معطل اور فرسودہ سمجھے گئے ہیں۔ اگر ایک علوم عمارت کی تصویر زمین پر سے لی جائے اور اسی عمارت کی ایک اور تصویر اُڑتے ہوئے ہوائی جہاز سے لی جائے اور یہ دونوں تصویریں ہمیں دکھلائی جائیں تو ہم میں سے بہتیرے یہ محسوس نہ کرسکینگے کہ یہ دونوں تصویریں ایک ہی عمارت کی ہیں۔ نقطۂ نظر کی تبدیلی منظر کی نوعیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ موجودہ دَور کا انسان زندگی کے تقریباً تمام پہلوؤں میں نئے نظریات کا سامنا کرنے پر مجبور ہے۔ نہ صرف مادی دنیا میں بلکہ سماجی اور انسانی تعلقات میں اور دنیا کے نظر وفکر میں ایک عظیم انقلاب سے دوچار ہونا ناگزیر ہے۔

چالیس پچاس برسوں میں علوم وفنون میں حیرت انگیز اضافے ہوئے ہیں۔ سائنس اور ٹکنالوجی، ریاضیات، زراعت، طب اور سماجی علوم کی ترقیاں، مردوں اور عورتوں کی اوسط مدت حیات میں اضافہ، وسائل حمل ونقل کی سرعت رفتار، اسباب عیش وطرب کی فراوانی اور سہولت حصول، کم محنت طلب مشینیں، پیداوار کی کثرت اس دَور کی چند نمایاں صفتیں ہیں۔ نئی نئی مشینوں کے استعمال سے زیادہ انسانی محنت کے بغیر پیداوار میں افزائش سے، مزدوروں کی تعداد میں اور ان کی محنت کے گھنٹوں میں کمی ہوگی۔ ان کے لمحاتِ فرصت میں ایک طرف اضافہ ہوگا تو دوسری طرف بے روزگاری بڑھیگی۔ قوت کے حصول کے نئے ذرائع جیسے آٹم اور ممکن ہے سورج، ہواؤں اور سمندر کی موجوں پر قابو پانے سے انسانی زندگیوں کے مادی پہلوؤں میں ناقابل تصور

تبدیلیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ سائنس اور ٹکنالوجی میں تقدم اور ترقیات کے ساتھ ساتھ انسانی ذہن و دماغ اس کے اعتقادات اور خیالات میں ایک سخت کشاکش اور کشمکش کا ہنگامہ برپا ہے۔ فوجی قوت کثیر دولت، مادی دنیا پر انسان کا تسلط، چاند یا دیگر سیارات پر پہنچ جانا ان میں سے کوئی امر بھی اس کشمکش و تزاحم اعتقادات و خیالات کے نتائج کی نوعیت متعین نہیں کرسکتا۔ بہت سی اخلاقی اور روحانی قدریں، حقوق انسان کی ماہیت، آزادی کا مفہوم، انسانی سماج کی ساخت اور انسانی مساعی کی اہمیت روز بروز زیادہ پیچیدہ ہوتی جا رہی ہیں۔

ہم ایک عالمگیر انقلاب کے دور سے گزر رہے ہیں۔ ایسی تبدیلیاں ظہور میں آرہی ہیں جو انسانی زندگی، اس کی معیشت اور معاشرت پر اور سماج کی بنیادوں پر اثر انداز ہورہی ہیں۔ یہ تبدیلیاں نہایت سرعت کے ساتھ ہو رہی ہیں۔ پچھلے زمانے میں اہم تبدیلیاں طویل مدت کے بعد واقع ہوتی تھیں۔ لوگ توقع رکھتے تھے کہ ان کی زندگیوں کے احوال میں نسبتہً بہت کم تبدیلیاں ہونگی مگر آج کی دنیا میں بہت اہم اور حیرت انگیز تبدیلیاں ایک انسان کی زندگی کے ایک چھوٹے سے حصے میں واقع ہو رہی ہیں، جس کی وجہ سے انسانی احوال اور انسانی نظر و فکر میں بار بار ہر تبدیلی کے ساتھ نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ ان تمام تبدیلیوں کی ذمہ داری عموماً سائنس و ٹکنالوجی کے سر ہے۔

سائنس و ٹکنالوجی میں تقدم اور اضافے جذبۂ تحقیق طلب اور اک حقیقت اور اس راہ میں انہماک کلی اور جہد مسلسل کے طفیل ممکن ہوئے یہ درحقیقت اسلام کے منافی نہیں۔ انسانی تاریخ میں سب سے اول اسلام ہی نے مظاہر قدرت اور قوای فطرت کی طرف انسان کو توجہ دلائی کہ وہ ان پر نظر کرے فکر کرے اور سنۃ اللہ فی الخلق والعباد دریافت کرے سب سے اول قرآن ہی نے یہ حقیقت واضح کی کہ انسان کا مقصد ظہور، کائنات کی قوتوں اور تاثیروں کے ہاتھوں کٹھ پتلی اور کھلونا بننا نہیں ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس لئے ہے کہ انسان کے آگے مسخر ہو کر رہے۔ ان کی قوتیں اور تاثیریں اسطرح انسانی تصرف میں دے دی گئی ہیں کہ وہ جس طرح چاہے ان سے کام لے سکے۔ قرآن مجید نے نہایت کثرت سے صراحتاً اور اشارۃً کہیں مفصلاً اور کہیں مجملاً انسان کو تاکید کی ہے کہ وہ اپنے ماحول اور مظاہر فطرت اور آیات اللہ کا مشاہدہ کرے۔ اپنے مشہودات پر غور و فکر کرے اور نوامیس فطرت کو دریافت کرے اور اس طرح حاصل ہونے والی قوت تسخیر کو طیب اور احسن طریقہ پر بنی نوع اور دیگر مخلوقات کے فائدے کے لئے استعمال کرے اور صحیح معنوں میں خلیفۃ اللہ علی الارض بنے لیکن قوت تسخیر کا حصول علم حقائق پر اور سنت اللہ فی الخلق سے واقفیت پر منحصر اور موقوف ہے۔ قوای فطرت کا جسقدر زیادہ علم ہوگا اسی قدر وہ مسخر ہوں گے۔ غرض مظاہر فطرت اور قوای فطرت سے آگاہی کے بغیر تسخیر مظاہر فطرت بظاہر اسباب ممکن نہیں۔ بغیر اس علم کے انسان قوائے فطرت کے ہاتھوں محض ایک کھلونا اور کٹھ پتلی بن جاتا ہے۔ قوای فطرت سے ڈر کر یا ان سے توقعات قائم کرکے ان کی پوجا اور پرستش کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔ یہی بناء شرک اور شرک ظلم عظیم ہے۔ شرک خالق کائنات کی عظمت سے انحراف کے علاوہ مقام انسان کی تذلیل کا مقتضی بھی ہے۔ یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ وہ انسان جس کی قدر اور قسمت یہ تھی کہ کائنات کی ہر شئی اور تمام قوای فطرت اس کے مسخر ہوں، وہ

مضرتوں سے بچنے کے لئے یا ان سے حصول منفعت کے لئے بے بس و خوفزدہ اور محتاج و مجبور ہو کر ان کی پوجا کرنے لگ جائے۔

قرآن کریم نے استخلاف آدم کا واقعہ جس اسلوب سے بیان کیا ہے اس سے چند حقیقتیں واضح ہوتی ہیں۔ استحقاق خلافت کے لئے صرف تسبیح اور تقدیس باری تعالیٰ اور وہ بھی ملائکہ کی تسبیح و تقدیس کافی نہیں۔ فسادی اور خونریز ہونا اس استحقاق کے منافی نہیں۔ اس استحقاق کا اہم اور واضح سبب علم اسماء اور علم اسماء کی صلاحیت ہے۔ اسی صلاحیت کے ثبوت اور ظہور کے بعد فرشتوں نے بحکم باری تعالیٰ آدم خلیفۃ اللہ کو سجدہ کیا۔ علم اسماء کا ایک لازمی ظہور مختلف اور متشابہ اشیاء میں امتیاز کرنے کی صلاحیت اور خواص اور حقائق سے واقفیت ہے۔ اسی سے قوت تسخیر حاصل ہوتی ہے اور موجودہ دور کی اصطلاح میں سائنس اور ٹکنالوجی کا یہی مقصود ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے بزرگوں نے اپنے دور میں قرآنی احکام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کر کے اپنے زمانے کے علوم میں بیش قدر اضافے کئے اور حقیقی معنوں میں تجرباتی سائنس کی بنیاد رکھی جس کا اعتراف اور اقرار جدید سائنس کے مؤرخین نے بھی کیا۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ اگر علوم میں عربوں نے اضافے نہ کئے ہوتے تو جدید سائنس کا موجود ہونا دشوار تھا۔ لیکن متاخرین نے اپنے بزرگوں کے علمی کارناموں پر قناعت کرلی اور انہیں اپنی تحقیقات جاری رکھنے اور علوم میں اضافے کرنے کا خیال بھی نہ رہا اور پھر وہ دور بھی آیا جب ان بزرگ علماء اور حکماء کے علمی ذخیرے کو بھلا دیا۔ لیکن مغرب کی عیسائی قوموں نے اس ذخیرے سے کام لیا۔ عربوں کے علوم سیکھے اور پھر بعد میں اپنے طور پر مزید تحقیقات کیں اور پانچ صدیوں کے دوران میں اس قدر ترمیم اور اضافے کئے کہ آج ان علوم کی ہیئت ہی بدل گئی۔ ان علوم کے ذریعے تسخیر کائنات کی طرف تیزی سے قدم بڑھانے لگیں۔ قدرت کا منشاء ہر حال میں پورا ہو کر رہتا ہے۔ قدرت کے اس منشاء سے جب قوم مسلم بے پروا اور غافل ہوگئی تو بقول قرآن یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم تمہارے بدلے ایک دوسری قوم کو کھڑا کرتا ہے جو تمہاری طرح نہ ہوگی تسخیر کائنات کے اس طرۂ امتیاز کو جب ہم نے واقعتاً اور عملاً دھتکار دیا تو دوسروں کو یہ طرۂ امتیاز ملا۔ ہم نے خدا کی بخشی ہوئی نعمت کا انکار اور کفران کیا تو یہی نہیں کہ ہم نے خود اپنا نقصان کیا بلکہ دنیا کو ایک تازہ مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ اگر ہم تسخیر کائنات سے بے پروا نہ ہوتے تو امید تھی کہ ارشادات قرآنی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایتوں کی روشنی میں تسخیر کائنات کی صلاحیت اللہ کے لئے اللہ کی راہ میں اس کے بندوں کے فائدے اور بھلائی کے لئے صرف ہوتی۔ آج جن قوموں نے اس قوت اور صلاحیت سے کام لیا ہے اور لے رہے ہیں ان میں اکثر اللہ کے منکر اور اپنے استکبار میں مثیل شیطان ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے لا تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون الا انهم هم المفسدون ولکن لا یشعرون۔

سائنس اور ٹکنالوجی میں مغربی قوموں کی حیرتناک ترقیوں کے باوجود ان کے مفکر اور سوچنے سمجھنے والے افراد پریشان اور بے چین ہیں۔ ایک طرف عظیم مادی قوت، کثیر دولت اور سائنسی معلومات کا آئے دن بڑھتا ہوا ذخیرہ ہے تو دوسری طرف اخلاقی اور ذہنی مسائل حیات کے حل کرنے میں حکومتوں، بین الاقوامی اداروں، فلسفیوں اور علماء سماجیات کی بیّن ناکامی

ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم اور زندگی کی قدروں میں بڑا بُعد ہے۔ ایک دوسرے سے قطعی بے تعلق ہے۔ گویا صحیح فراست کے بغیر بھی عظیم قوت کا حصول، ممکن ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی میں روز بروز ترقی ہو رہی ہے لیکن زندگی کے اخلاقی اور روحانی پہلوؤں میں بڑی افراتفری اور انتشار ہے۔

قدیم اخلاقی اور روحانی قدریں اور زندگی کے مقاصد مٹ گئے یا مٹتے جا رہے ہیں۔ اور حیات انسانی کے مضبوط اور پائیدار اخلاقی و روحانی بنیادوں کا از سر نو قائم کرنا دشوار نظر آ رہا ہے، نئی دنیا کی فضا میں آج ایک آنے والے شدید اور ہیبت ناک خطرے کا احساس اور خوف طاری ہے۔ موجودہ تہذیب کی بقا دشوار نظر آ رہی ہے۔ موجودہ دور کے انسان نے اپنی خواہشیں اور اشتہائیں بڑھا لی ہیں لیکن صالح زندگی کی قدروں کو نظر انداز کر دیا ہے، حق و باطل، نیک و بد کا امتیاز بالکل اٹھا دیا گیا ہے، جو تہذیب و ثقافت کے حق میں زہر قاتل ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی سے جو قوتیں حاصل ہوئی ہیں وہ اکثر و بیشتر خدا کے بندوں کی بھلائی میں صرف ہونے کے بجائے بندگان خدا کی تباہی و بربادی کے لئے استعمال کی جا رہی ہیں۔ آج کسی کو چین اور اطمینان نصیب نہیں۔ بقاء امن کے بین الاقوامی اداروں کے باوجود ایک دوسرے سے خوف زدہ ہے اور ہر ایک اس غم میں مبتلا ہے کہ کہیں ان کی تہذیب اور ان کا تمدن، ان کی مادی ثروت و طاقت آناً فاناً ختم نہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے آدم کو مقام جنت سے حکم ہبوط دیا، تو فرمایا وقلنا اھبطوا منھا بعضکم لبعض عدو۔ انسان کی دنیوی زندگی میں ایک لازمی منزل ہے، اس سے گزرنا ناگزیر ہے۔ یہ فطری نتیجہ ہے، انسان کی اس سرشت کا جس کو فرشتوں نے یفسد فیھا ویسفک الدماء سے تعبیر کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی اس خوئے بد اور اس کے لازمی عواقب سے بچانے اور اپنے منشا کو پورا کرنے کے لئے فرمایا قلنا اھبطوا منھا جمیعا فاما یاتینکم منی ھدیً فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو اس کی پیروی کرنا۔ جس نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

آج اگر ہم دنیا کی ان برسر اقتدار قوموں میں اور ان قوموں کے سوچنے اور سمجھنے والے افراد میں خوف و ہراس دیکھتے ہیں تو کوئی تعجب نہ ہونا چاہئے۔ انہوں نے اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایتوں سے انحراف کیا ہے یا اس کا انکار کیا ہے۔ اسی انکار ہدایت کا لازمی نتیجہ خوف و حزن ہے۔ دنیا والوں کو اگر کسی وقت بھی چین اور اطمینان اور بے خوفی اور بے غمی حاصل ہوگی تو وہ صرف اسی وقت جب وہ اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایتوں پر عمل پیرا ہوں گے۔

آج بھی دنیا کی تقریباً یہی حالت ہے جو بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تھی۔ وہ جاہلیت اولیٰ تھی تو اب جاہلیت ثانیہ کا دور ہے۔ اس وقت بھی ظھر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس انسانی کرتوتوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد غالب آگیا تھا۔ آج دنیا کا کونسا گوشہ ہے جو فساد سے خالی ہے۔ اس وقت دنیا کی بے چینی اور اضطراب فساد اور بدحالی کا علاج اور ازالہ قرآن کے نسخۂ شفا سے ہوا تھا اور آج کی دنیا کے فساد کا ازالہ بھی اسی قرآن کے نسخۂ

شفا میں ہے۔

ہمارے پاس قرآن کریم محفوظ ہے۔ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں نہیں ہیں تو ہمارے پاس آپ کی ہدایات اور تعلیمات کا ذخیرہ سنن وحدیث موجود ہے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون ایک امۃ الی الخیر امر بالمعروف اور ناہی عن المنکر جماعت کا قیام واجب ہے۔ مؤکد طریقہ سے یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ یہی جماعت کامیاب ہونے والی اور فلاح پانے والی ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ ایسی ہی جماعت کے طفیل یہ امت خیرامت کے اعزاز سے معزز ہوسکتی ہے جو لوگوں کی بھلائی کے لئے بھیجی گئی ہے۔
کنتم خیرامۃ اخرجت للناس۔

اگر امت مسلمہ اور خاص کر وارثین علوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے فساد و اضطراب کے ازالہ کی طرف متوجہ ہوں، تو دنیا میں پھر سے امن قائم ہوسکتا ہے۔ دنیا کی موجودہ قوموں میں اللہ کی بھیجی ہوی ہدایتیں محفوظ نہیں ہیں۔ اور بغیر اللہ کی بھیجی ہوی ہدایتوں کی تعمیل کے، امن عالم کا قیام ناممکن ہے قرآن کریم میں تو تمام سابقہ انبیاء کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ فیھا کتب قیمۃ وہ مکمل دین کا حامل ہے الیوم اکملت لکم دینکم وہ خدا کا آخری پیام ہے کوئی اور پیام آنے والا نہیں۔ صرف قرآن کے نسخۂ شفا ہی سے دنیا میں خوف وحزن کا ازالہ ہوسکیگا۔

اگر ہم نے اس سلسلے میں اپنے فرض سے غفلت نہ برتی اور ادائی فرض میں ایمان قوی، نیت صادق، اخلاص عمل، جہد مسلسل اور روشن عقل و دانشمندی اور فراست سے کام لیا، اور رسول اکرم کا پیغام پہنچایا اور موجودہ مادی اخلاقی اور روحانی مفاسد کے دور کرنے میں مخلصانہ اقدام کیا تو بقولہ تعالیٰ الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اس کا فضل شامل حال ہوگا وہ ہمیں اپنی راہ دکھائے گا۔ کتاب وسنت کا فہم صحیح عطا کرے گا اور ہر قدم پہ ہماری مشکلیں آسان کرے گا۔

یہ یقینی ہے کہ دنیا کا یہ فساد اور اضطراب ہمیشہ نہیں رہیگا۔ آخر ایک دن ختم ہوکر رہیگا۔ اگر ہم نے یہ فرض ادا نہیں کیا، منشاء قدرت کا ذریعہ نہ بنے، اپنی راہ وروش نہ بدلی، اپنے شخصی اغراض میں منہمک رہے تو یہی ہوگا کہ ہم اس سعادت سے محروم رہیں گے اور اللہ تعالیٰ یہی کام کسی دوسری قوم سے لیگا جو ہم جیسی بے پروا اور غافل نہ ہوگی۔ وہ قوم بھی اسلام ہی کے ذریعہ، اور قرآنی احکام اور ارشادات ہی کی تعمیل سے امن عالم قائم کرے گی، قرآن کریم تو ہر دور اور ہر زمانے کی ضرورتوں اور تقاضاؤں میں کفایت کرنے والا ہے اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں البتہ ادعوا الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ کا تقاضا یہ ہے کہ طرز تفہیم اور انداز تعبیر میں اس نئے دور اور زمانے کے مزاج کا مناسب لحاظ رکھا جائے۔ اس لئے مزاج زمانہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ موجودہ سماجی اور نفسیاتی علوم سے جس قدر واقفیت ہوگی اسی قدر ہم انسانیت کی نجات کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامات اور قرآن کریم کے ارشادات کا ناگزیر ہونا اور تمام دیگر تعلیمات کے مقابلے میں ان کی برتری واضح کرسکیں گے وما علینا الا البلاغ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ ابلاغ واضح بین اور مکمل ہو

بقیہ بر صفحہ ۱۲

اسلام اور خلائی پرواز

از
سید محبوب پاشاہ محمد روشن شکیب منگولی
زمرۂ سادسہ
متعلم دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور
قدس سرہ

موجودہ دور میں بلا شبہ سائنس نے نت نئے ایجادات و محیر العقول کارناموں کے ذریعے دماغ انسان کو اپنی جانب موڑ لیا ہے اور ان کے ذہنوں میں اپنی برتری، عظمت، شوکت اور کرشمہ سازی کے علم گاڑ دیئے ہیں۔ تقریباً سائنس کی دلکش ایجادات و دلفریب اختراعات کے آگے سب کی جبین عقیدت خم ہوئی ہے اور ہر طبقہ و مذہب کے سینکڑوں افراد کے دلوں میں اس کے نت نئے اور محیر العقول کارنامے گھر کر چکے ہیں اور ہزارہا افراد اس سے متاثر ہوتے جا رہے ہیں۔

پہلے پہل تو سائنس نے پانی کے بھاپ کی زبردست قوت سے انسان کو روشناس کرایا پھر کچھ دنوں بعد اپنی اسی ایجاد کی برکت کا سہارا لیتے ہوئے ہم نے پانی سے بجلی جیسی ایک زبردست قوت پیدا کی اور اس کے ذریعہ تیرہ و تاریک شہروں اور قریوں کو بجلی کے قمقموں سے بقعہ نور بنا دیا۔ سائنس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انسان کو مچھلیوں کی طرح تیرنا اور پرندوں کی طرح فضا میں اُڑنا سکھایا۔ غرضیکہ انسان کو سائنس نے مجموعی طور پر ایسی برتری بخشی کہ وہ زمین کی ہر چیز رام کرتے ہوئے اب اجرام سماوی کو احاطۂ تسخیر میں لانے کے خواب دیکھ رہا ہے اور چاند ستاروں پر اپنی کمند فکر پھینک رہا ہے۔ سائنس نام ہے تفتیش، تجربہ، غور و فکر اور حقائق اشیاء کی گہرائی تک پہنچنے کا۔

اسلام ایک ہمہ گیر و آفاقی مذہب ہے کہ اس کے پیغامات و تعلیمات کسی خاص جماعت یا کسی خاص گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ وہ بنی نوع انسان کے لئے شمع ہدایت بن کر آیا ہے۔ اسلام نے جہاں اپنے متبعین کو مذہبی علوم کی تحصیل کی جانب رہبری کی ہے وہاں کائنات و اشیائے کائنات میں بھی غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

قل انظروا ماذا فی السموٰت والارض (یونس)

ایک اور مقام پر یوں گویا ہے: خلق السموٰت والارض بالحق ان فی ذالک لاٰیۃ للمومنین

اللہ نے زمین و آسمان کو حقانیت (مطابقت) کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اس باب میں اہل ایمان کے لئے ایک بڑی نشانی موجود ہے۔ (عنکبوت ۴۴)

نیز ایک اور آیت اسی مفہوم کی وضاحت ان الفاظ میں کر رہی ہے: ان فی خلق السموٰت والارض واختلاف اللیل والنھار لاٰیات لقوم یتفکرون

یعنی بے شک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے مختلف ہونے میں اس قوم کے لئے بے شمار نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

در اصل یہ اسلامی تعلیمات ہی کا ثمرہ تھا کہ جس نے اپنی کد و کاوش اور پیہم ریسرچ کے ذریعہ علمی سائنس کی داغ بیل ڈالی

اس کی تصدیق عیسائی مؤرخ سارٹن (SARTEN) اور بریفال (BRIFFULT) کی تحریروں سے ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ سائنسی علوم کے بانی اور طریق تحقیق کے موجد اسپین کے مسلمان تھے اور یہ مسلمان سائنس کے موجد اس لئے بنے تھے کہ ان کی مقدس کتاب قرآن حکیم نے انہیں حکم دے رکھا تھا کہ وہ مظاہر قدرت کا مشاہدہ و مطالعہ کریں کیونکہ ان کا مشاہدہ اور مطالعہ خدا کی معرفت کا پہلا ذریعہ ہے"۔ چنانچہ سعدی علیہ الرحمہ کا یہ شعر اسی حقیقت کا آئینہ دار ہے ؎

برگِ درختانِ سبز درنظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

برگِ درختاں ہو یا سنگِ کوہ غرضیکہ کائنات کی تخلیق یوں ہی بیکار نہیں ہوئی جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے وما خلقنا السماء والارض وما بینهما لاعبین،
ہم نے ارض وسماء اور ان دونوں کے درمیانی مظاہر (فضاؤں) اور (خلاؤں) کو کھیل کود میں نہیں پیدا کیا ہے۔ (انبیاء ۱۹)۔

اگر تمہیں عقل ہے تو اس کو پہچاننے کی کوشش کرو۔ چنانچہ خالقِ کائنات اسی فلسفہ کی تفہیم کے لئے صریح الفاظ میں رہنمائی کر رہا ہے سنریهم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسهم حتیٰ یتبین لهم انه الحق ہم ان کو نفسِ انسانی کے اندر اور خارج کی دنیا میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے یعنی ان کو، نفسیات، طبعیات اور حیاتیات کے بعض حقائق سے آشنا کریں گے حتیٰ کہ ان پر یہ بات ثابت ہو جائیگی کہ قرآن خدا کی سچی کتاب ہے۔
(قرآن اور علم جدید)

مذہب اسلام کا دارومدار قرآن و حدیث کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ اس نے ایسا کوئی موضوع نہیں چھوڑا کہ جس پر بحث نہ کی ہو۔ جیسا کہ قرآن خود ناطق ہے (ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین) تو بجا طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سائنس کی بحث بھی قرآنی مضامین میں داخل ہے۔

قرآن چونکہ تا ابد انسانی رہنمائی کے لئے مشعلِ راہ ہے اسی لئے وہ ہر وقت اور ہر دور میں سائنس کا ساتھ دے گا۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ اس میں چند جزوی اختلافات کی بنا پر یہ نظریہ قائم کرنا صحیح و درست نہیں کہ اسلام ترقی یافتہ سائنس کا ساتھ نہیں دے سکتا، آئیے اب اس سے کچھ اور آگے بڑھ کر خلائی پروازوں کے متعلق آیاتِ قرآنی میں غور و فکر کریں۔

خلائی پروازوں کا تذکرہ بھی قرآن حکیم میں صراحت کے ساتھ موجود ہے جس کو آج سے چودہ سو سال قبل ہی رب العزۃ نے اپنی عدیم المثال کتاب میں پیش کر چکا ہے یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطن۔ (رحمٰن ۳۳)

اے گروہ جن وانس! اگر تم کو آسمانوں اور زمین کے حدود سے نکل جانے کی استطاعت ہے تو نکل جاؤ۔ تم زور و قوت کے بغیر نکل نہیں سکتے۔ آیت مذکورہ کی تشریح مولانا شہاب الدین صاحب ندوی اپنی کتاب (چاند کی تسخیر قرآن کی نظر میں) میں اس طرح سے کئے ہیں کہ یہ آیت خلائی پروازوں کے بارے میں ایک واضح نص ہے، جو ایک حیرت انگیز ربانی پیشینگوئی کے طور پر قرآن کی ابدی صفحات میں موجود تھی، جس کی صداقت و حقانیت پر موجودہ خلائی پروازوں نے مہرِ توثیق ثبت کی ہے۔

واضح رہے کہ اس آیتِ کریمہ میں ایسا کوئی لفظ موجود نہیں ہے کہ جس سے یہ سمجھا جا سکے کہ یہ بات قیامت کے دن سے یا موت سے متعلق ہے بلکہ اس کا ایک ایک لفظ صراحتہً موجودہ خلائی پروازوں کی تائید کر رہا ہے۔ یہ الفاظ بڑے ہی جچے

تلے اور بڑے معنی آفریں ہیں اور اس کا سیاق وسباق بھی بڑا حکیمانہ اور معرکہ آرا ہے تفصیل ملاحظہ ہو۔ (تسخیر قمر قرآن کی نظر میں اول دوم)

اب میں آپ کے سامنے تسخیر بر و بحر اور شمس و قمر سے متعلق چند ایسی معنی خیز آیات پیش کروں گا کہ جس کے مطالعہ سے نہ صرف آپ کا ایمان و یقین تازہ ہو جائے گا بلکہ یہ آیات آپ کو ایک لمحۂ فکریہ بھی فراہم کرینگی چنانچہ ارشاد باری ہے :۔

وسخر لکم ما فی السمٰوات وما فی الارض جمیعًا منہ ان فی ذالک لاٰیت لقوم یتفکرون

اور اس نے تمہارے لئے زمین اور آسمان (اجرام سماوی) میں موجود تمام چیزیں اپنی طرف سے تمہارے قبضے میں دیدی ہیں یقینًا اس باب میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے بہت سے دلائل موجود ہیں، جس کا ثبوت اس آیۂ کریمہ سے ملتا ہے : اللہ الذی خلق السمٰوات والارض وانزل من السماء ماء فاخرج بہ من الثمرات رزقًا لکم وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہ وسخر لکم الانھار وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنھار : اللہ وہ ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور اوپر سے پانی برسایا پھر اس پانی کے ذریعہ تمہاری روزی کی خاطر (طرح طرح) کے میوے نکال دئے، اور کشتیوں کو تمہارے قابو میں کیا تاکہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلتی رہیں (کہ تم جہاں چاہو سفر کر سکو) اور تمہارے لئے آفتاب و ماہتاب کو مسخر کیا کہ ان سے اور ان کی قوتوں سے جس طرح چاہو تمتع حاصل کرو۔

سخر لکم الشمس والقمر دائبین کے دو مطلب سکتے ہیں (ایک) اس نے تمہارے فائدے کی خاطر ان دونوں اجرام کو مقررہ نظام پہ چلنے والا بنایا (دو) اس نے ان دونوں کو تمہارے کام میں لگایا اور انہیں تمہارے بس میں کر دیا۔ اس حال میں کہ تم ان میں سے ودیعت شدہ نعمتوں کو سے مستفید تو ہو سکتے ہو مگر تمہاری کسی "حرکت" سے ان کا نظام متاثر نہ ہوگا (تسخیر قمر قرآن کی نظر میں اول)

ایک دوسرے مقام پہ اسطرح ارشاد ہوتا ہے :۔

سخر لکم اللیل والنھار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ ان فی ذالک لاٰیات لقوم یعقلون اور اس نے تمہارے لئے رات دن اور آفتاب مہتاب مسخر کئے اور ستارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں۔ ذی فہم اشخاص کے لئے اس باب میں یقینًا اسباق و دلائل موجود ہیں۔ (النحل ۱۲)

تسخیر کے معنی ہیں فرماں بردار بنانا، تابع کرنا، گھیرنا کسی چیز کا اپنے قابو میں لانا اس لحاظ سے خود اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق کردہ کائنات اور اس کی ہر چیز کو انسانوں کے قابو میں کر دی ہے۔ چاند ستارے بھی اسی کائنات کا ایک حصہ ہیں۔ لہٰذا وہ بھی انسان کے قابو میں آجاتے ہیں۔

ان حقیقت افروز آیات کے بیان کر دینے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر انسان کوشش کرے تو چاند ستاروں پر پہنچ سکتا ہے اور اس کے چاند ستاروں پر پہنچنے سے اسلام اور قوانین اسلام میں کسی قسم کا رخنہ نہیں پڑتا۔ بلکہ اس سے اسلام کی صداقت و حقانیت کو اور زیادہ تقویت پہنچتی ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں تسخیر قمر اگر بغور مطالعہ کریں تو یہ بات ہمیں بالکل معمولی سی دکھائی دینے لگتی ہے اور زبان سے بلا ساختہ علامہ اقبالؒ کا یہ شعر نکل پڑتا ہے ؎

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہے
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

بلاشبہ تسخیر قمر ایک عجوبہ ہے لیکن یہ کارنامہ اتنا زبردست

نہیں کہ اس پر بغلیں بجائی جائیں یا اس کو مذہب کے لئے ایک چیلنج سمجھا جائے۔ بقول شہاب الدین ندوی "انسان کا چاند پر چلے جانا بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص گھر سے باہر نکل کر آنگن یا اپنے گھر کے چھت پر کھڑا ہوگیا ہو اور اس کے سامنے ابھی پوری دنیا کی سیر باقی ہے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ اس نے اپنی چار دیواری سے نکل کر اب کھلی فضا میں سانس لے رہا ہے"۔

بعض اوقات سائنسدان اپنے تجربے اور غور و فکر میں بے بس ہو جاتے ہیں، یہی وہ مقام ہے کہ جہاں خدا کی وحدانیت صاف دکھائی دینے لگتی ہے اور وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس عالم میں ہو نہ ہو ایک زبردست قوت کارفرما ہے۔ جو اتنے بڑے نظام کو چلاتی ہے"۔

سائنسدانوں کی بے بسی کے تحت مشہور سائنسدان سر اسحاق نیوٹن لکھتا ہے کہ سائنسدانوں کی مثال اس بچے کی سی ہے جو سمندر کے کنارے چند گھونگوں اور سیپیوں سے کھیل رہا ہو اور اس کے سامنے لامتناہی اسرار کا وسیع و ناقابل عبور سمندر کھڑا ہو۔ آخر میں میں مذکورہ بالا آیات کے متعلق یہی کہوں گا کہ :۔

ھذا بصائر للناس وھدی و رحمۃ لقوم یوقنون۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کے سالانہ جلسہ
کے موقع پر عالیجناب الحاج مولانا مولوی محمد عبد الباری صاحب حاوی،
پروفیسر جامعہ جمالیہ مدراس نے اپنے خطاب بلیغ سے طلباء و حاضرین کو
مستفید فرمایا تھا

——— ادارہ ———

بسم الله الرحمن الرحيم

أيها العلماء الاعزه!

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

انكم هجرتم بيوتكم وتركتم آبائكم و تباعدتم عن اقاربكم وانكم تعرفون ان فى شبه قارة الهند طرائق قددا ومناهج شتى رائجة فى حقول العلم وميادين الحكمة ۔ والناس يسعون اليها ولكنكم تركتموها قاطبة ودخلتم المدارس العربية لتكميل العلوم الدينية ۔ طبتم و احسنتم ونعم ما اردتم ولكن هناك سوال هام بان العلم الذى اتيتم ههنا لتحصيله هل هو وصيلة معاشكم ؟ او مقصد حياتكم ؟ ان لم يستقر رايكم على واحد من هما وما اخترتم ما هو الاهم عندكم احذركم بان فعلكم هذا ليس بسديد

ايها الاعزه: اسمعوا وعوا ان الدنيا جلها اختارت العلم وصيلة لمعاشها ولكن هذه من مزايا المسلمين انهم لم يجعلوه وصيلة للمعاش بل اختاروه مقصد الحياتهم وعدوه عدة لمعادهم اعلموا ان الجامعات اللتى منتشرة فى سائر الهند واكنافها يبلغ عددها اكثر من خمسن وعشرين جامعة ومأة الكليات اللتى فى كل كورة وقصبة والوف المدارس الثانوية اللتى اتسعت نطاقها حتى الى الارياف والقرى اختارت العلم الذى يدرس فيها وسيلة للمعاش وليس مقصد اللحيات لان العلم الذى رائج فى هذه المعاهد العلمية يراد به ان يتحصلوا به على وظائف الحكومة ويرتفعوا به الى اعلى المدارج الدنيوية العليا، ولكنى اذكركم بان علم الدين ليس بوسيلة معاشكم بل هو مقصد حياتكم فقط ۔

وان العلم لایتحصل علیه ههنا بکونه وسیلة للمعاش بل یفرض علیکم تحصیله مطلقا کما قال النبی صلی الله علیه وسلم "طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة" (الحدیث)

ان المسلمین اختاروا العلم المعلم فحسب ولم یجعلوه وسیلة للمعاش ابدا ولا ان یفوزوا به علی المناصب العلیا والمدارج القصوی فی الحکومة ولکنهم کانوا یختارون اسباب معیشتهم اشیا اخر وکانوا یطلبون العلم للعلم فقط ویجعلونه هو المقصد الوحیده۔

انکم تعرفون ان الامام الاعظم اباحنیفة رحمة الله علیه الذی اختار رحم غفیر من المسلمین سلفا وخلفا مسائلة الفقهیة لم یکن الابزازا کان یطلب قوته بتجارت الثیاب - والامام معروف الکرخی لم یکن الاحذاء اما انکم تکرهون الان و تعافون ان تسمعوا اسماء هذه المکاسب۔ اما الامام الکرخی الذی تهتز قلوبکم بسماع اسمه السامی کان یمشی فی الاسواق اذا وجد احدا یحتاج الی اصلاح ما فسد من حذائه اونعله کان یصلحه ویجعل اجرته قوتا له ولاهله وعیاله وانکم تعرفون شمس الائمة الذی تلقبونه بهذ اللقب المبارک وکان مکسبه بیع

اعلموا ان کثیرا من مشاهیر العلماء الاسلام الذین اجروا ینابیع العلوم الدینیه والسنة الشنیقبا انهم لم یجعلوا العلم ذریعة لمعشیتهم بل انهم تحصلوا العلم للعلم فقط لا لاجل زهرة الدنیا وزخارفها۔ انهم کانوا یعتقدون ان تحصیل العلم فریضة هامة من فرائض الدینیة وکانوا یحسبون ان تحصیله لاجل الدنیا ذنب عظیم۔

ایها العلماء الاعزة اقول لکم اخیرا بان لاتجعلوا علم الدین المتین متاع الدنیا تشترون به ثمنا قلیلا و تعرضونه فی اسواق العالم لربح یسیر بل علیکم ان تجعلوا العلم عدة لنشر الدین المبین واشاعتة کل حین۔

اعلموا ان السلف الصالح لم یجعلوا العلم متاعا من امتعة البیع والشراء بل ارتسخت هذه العقیدة فی قلوبهم وتراصت فی ازهانهم وجعلوها محورا لسائر اعمالهم بان العلم هو اساس الانسانیة وفریضة من فرائض حیاتها ویجب علی کل رجل بان یبلغ العلم الی کل رجل من اخوته وهذا یکون من سوء حظ علم الدین بان یجعله اهل العلم بضاعة مزجاة لکسب معاشهم الدنیوی۔ انکم ستجدون من معهدکم العلمی الدینی عمامة الفضیلة وشهادة المزیة وتعرضون علی العالمین حیث انکم من علماء الاسلام وستقع علی کواهلکم من الواجبات الدینیة فعضوا

(باقی)

بالنواجذ على هذه العقيدة الراسخة بان هدفكم الوحيد لا يكون الا نشر العلم واشاعة الدين واختاروا علم الدين من فرائضكم الاصلية وتحاشوا بان تجعلوه متاعاً لمعيشتكم الدنيويه ووسيلة لحياتكم الفانية -

ادعو الله ان يوفقنا واياكم لكل عمل الصالحة

خطبة وجيزة محتوية على نصائح ثمينة القاها امام الهند مولانا ابو الكلام آزاد رحمة الله عليه في قاعة دار العلوم ديوبند في سنة ۱۹۵۵ء

تعريب

محمد عبد الباري المعدني
استاذ الدراسات الاسلامية
الكلية العربيه الجماليه مدراس

۱۰ شعبان المعظم سنة ۱۳۹۰ھ
۱۲ اكتوبر سنة ۱۹۷۰ء

سلام بحضور سید انام محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم

ہزاروں درود اور ہزاروں سلام اس ہادیٔ اعظم رحمتِ عالم نورِ مجسم صلے اللہ علیہ وسلم پر کہ آپؐ نے بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ مستقیم پر گامزن فرمایا اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جیسے زرین درس سے دنیا کو مالا مال کر دیا۔ اس بارگاہ محبوب لم یزل میں ایک گلدستہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

نیازمند :۔ سید مرتضیٰ حسین لطیفی ویلور

یَا شَفِیْعَ الْوَرٰی سَلَامٌ عَلَیْکَ
اے امت کی شفاعت کرنے والے آپ پر سلام

یَا نَبِیَّ الْھُدٰی سَلَامٌ عَلَیْکَ
اے ہدایت دینے والے نبیؐ آپ پر سلام

خَاتِمُ الْاَنْبِیَآءِ سَلَامٌ عَلَیْکَ
اے آخری پیغمبر، آپ پر سلام

سَیِّدُ الْاَصْفِیَآءِ سَلَامٌ عَلَیْکَ
اے پاک لوگوں کے سردار آپ پر سلام

اَحْمَدُ لَیْسَ مِثْلُکَ اَحَدٌ
اے احمد آپ کے جیسا کوئی نہیں

مَرْحَبَا مَرْحَبَا سَلَامٌ عَلَیْکَ
خوب آئے خوب آئے آپ پر سلام

وَاجِبٌ حُبُّکَ عَلَی الْمَخْلُوْقِ
آپ کی محبت ساری مخلوق پر لازم ہے

یَا حَبِیْبَ الْعُلٰی سَلَامٌ عَلَیْکَ
اے بلند مرتبے والے حبیب آپ پر سلام

اَعْظَمُ الْخَلْقِ اَشْرَفُ الشُّرَفَاءِ
خلقت میں سب سے بڑے، شریفوں میں سب سے شریف

اَفْضَلُ الْاَنْبِیَاءِ سَلَامٌ عَلَیْکَ
سب نبیوں سے افضل ہیں آپ پر سلام

مَھْبِطُ الْوَحْیِ مُنْزَلُ الْقُرْاٰنِ
آپ پر وحی آتی ہے، آپ پر قرآن اترا

صَاحِبُ الْاِھْتِدَاءِ سَلَامٌ عَلَیْکَ
آپ ہی ہدایت دینے والے پر مختار ہیں آپ پر سلام

اِشْفَعِیْ یَا حَبِیْبِیْ یَوْمَ الْجَزَآءِ	اَنْتَ شَافِعُنَا سَلَامٌ عَلَیْکَ
اے حبیب قیامت کے دن میری سفارش کیجئے	آپ ہی ہمارے بخشوانے والے ہیں آپ پر سلام
کُشِفَتْ مِنْکَ ظُلْمَۃُ الظُّلَمَاءِ	اَنْتَ بَدْرُ الدُّجٰی سَلَامٌ عَلَیْکَ
آپ سے اندھیریوں کی اندھیری روشن ہوئی	آپ روشن چاند ہو آپ پر سلام
طَلَعَتْ مِنْکَ کَوْکَبُ الْعِرْفَانِ	اَنْتَ شَمْسُ الضُّحٰی سَلَامٌ عَلَیْکَ
آپ کی وجہ سے اللہ کی پہچان ہوئی	آپ تو روشن آفتاب ہو۔ آپ پر سلام
کَیْفَ شَقَّ الْقَمَرُ بِاِشَارَتِہٖ	مُعْجِزُ الْاِدِّعَا سَلَامٌ عَلَیْکَ
حضرت کے اشارے سے کس طرح چاند شق ہوا	یہ آپ کا بالارادہ معجزہ تھا آپ پر سلام
مَطْلَبِیْ یَا حَبِیْبِیْ لَیْسَ سِوَاکَ	اَنْتَ مَطْلُوْبُنَا سَلَامٌ عَلَیْکَ
اے حبیب مجھے آپ ہی کی طلب ہے	آپ ہی ہمارے چہیتے ہیں آپ پر سلام
مَقْصَدِیْ یَا حَبِیْبِیْ لَیْسَ سِوَاکَ	اَنْتَ مَقْصُوْدُنَا سَلَامٌ عَلَیْکَ
میرا مدعا آپ کے سوا کچھ نہیں	ہمارا مقصود آپ ہی ہیں آپ پر سلام
اِنَّکَ مَقْصَدِیْ وَمَلْجَائِیْ	اِنَّکَ مُدَّعَا سَلَامٌ عَلَیْکَ
میری غرض اور ٹھکانا آپ ہی ہیں	مجھے آپ ہی کی مانگ ہے آپ پر سلام
سَیِّدِیْ یَا حَبِیْبِیْ مَوْلَائِیْ	لَکَ رُوْحِیْ فِدَا سَلَامٌ عَلَیْکَ
میرے سرور میرے پیارے میرے مالک	آپ پر میری جان صدقے آپ پر سلام
سَیِّدِیْ یَا حَبِیْبِیْ مَوْلَائِیْ	لَکَ اَبِیْ فِدَا سَلَامٌ عَلَیْکَ
میرے سرور میرے پیارے میرے مالک	آپ پر میرے باپ صدقے آپ پر سلام
سَیِّدِیْ یَا حَبِیْبِیْ مَوْلَائِیْ	لَکَ اُمِّیْ فِدَا سَلَامٌ عَلَیْکَ
میرے سرور میرے پیارے میرے مالک	آپ پر میری ماں صدقے آپ پر سلام

سَیِّدِیْ یَاحَبِیْبِیْ مَوْلَائِیْ	لَکَ عَیْنِیْ فِدَا سَلَامٌ عَلَیْکَ
میرے سرور میرے پیارے میرے مالک	آپ پر میری آنکھ صدقے آپ پر سلام
سَیِّدِیْ یَاحَبِیْبِیْ مَوْلَائِیْ	لَکَ قَلْبِیْ فِدَا سَلَامٌ عَلَیْکَ
میرے سرور میرے پیارے میرے مالک	آپ پر میرا دل صدقے ، آپ پر سلام
سَیِّدِیْ یَاحَبِیْبِیْ مَوْلَائِیْ	لَکَ مَالِیْ فِدَا سَلَامٌ عَلَیْکَ
میرے سرور میرے پیارے میرے مالک	آپ پر میرا مال صدقے آپ پر سلام
جِئْنَا یَا مُصْطَفٰی سَلَامٌ عَلَیْکَ	کُلُّنَا لَکَ فِدَا سَلَامٌ عَلَیْکَ
اے پاک نبی ؐ ہم حاضر ہیں آپ پر سلام	ہم سب آپ پر صدقے آپ پر سلام
صَلَوٰتُ اللّٰہِ عَلَی الْمُصْطَفٰی	اَفْضَلَ الْاَنْبِیَاءِ سَلَامٌ عَلَیْکَ
اللہ کی رحمت آپ نبی پر ہو	اے نبیوں میں افضل آپ پر سلام

هٰذَا قَوْلُ غُلَامِكَ عِشْقِیْ

یہ معروضہ آپ کے عشقی غلام کا ہے

مِنْهُ یَا مُصْطَفٰی سَلَامٌ عَلَیْکَ

اسکی جانب سے اے پاک نبی آپ پر سلام

اللطیف ۱۳۹۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

از
افضل العلماء مولوی ابو المکارم
سید مصطفےٰ حسین بخاری
کدلوی
(فاضل لطیفیہ) جنرل
سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف
ومدرس
دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ

اعلیحضرت ابو الفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبد القادر قادری قدس سرہ

شمالی آرکاٹ بھی ایک ایسا مردم خیز علاقہ ہے کہ جس میں پیدا ہونے والی ذی علم وباکمال شخصیتوں نے اپنے مثالی کردار سے ایک عالم کو حیات نو بخشی۔ خصوصًا شہر ویلور سے اُٹھنے والی مقدس شخصیتوں نے اپنی علمی ادبی اور اصلاحی خدمات سے وہ کارہائے نمایاں انجام دئے جس پر جنوب جتنا بھی ناز کرے کم ہے۔ آج بھی ان قدسی الاصل شخصیتوں کے فیوضات وبرکات کا لا متناہی سلسلہ جاری ہے۔ یقینًا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہیگا جبتک کہ شمس وقمر اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ دنیا کے روز وشب کو روشن اور منور کرتے رہیں گے۔

حضرات اقطاب ویلور قدس اسرارہم نے جنوبی ہندوستان میں جو دینی اصلاح اور ادبی خدمات انجام دی ہے محتاج تعارف نہیں، آئیے اسی سلسلہ کی ایک مقدس شخصیت کی پاکیزہ سیرت کے ذکر سے روح کو تازگی اور دل کو سرور عطا کریں۔

زبدۃ السالکین اعلیحضرت مولانا مولوی الحاج الحافظ ابو الفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبد القادر قادری سجادہ نشین مکان قطب ویلور قدس سرہما کے بلند اور پاکیزہ اوصاف کا کون قائل نہیں، ہر پیر وجواں اور مرد وزن آپ کے ذکرِ خیر سے رطب اللساں ہے۔ آپ ۴ ربیع الاول شب یکشنبہ ۱۳۲۲ھ مکان جنت نشان میں پیدا ہوئے۔ آپ کا رنگ گندم گوں، قد میانہ، سینہ عریض، جبین کشادہ، رخسارے نورِ ایمانی سے روشن اور ریش مبارک عریض وگھنی تھی۔

آپ کی تعلیم وتربیت والدِ بزرگوار زبدۃ العارفین اعلیٰ حضرت مولانا مولوی محی الدین سید شاہ عبد اللطیف، قادری مکی قدس سرہ العزیز کی سرپرستی میں دار العلوم لطیفیہ کے قابل اساتذہ کے پاس ہوی جن کا شمار وقت کے جید علماء میں ہوتا تھا اور جن کی زباں دانی کا اعتراف خود اہلِ زبان کو تھا، مختلف علوم وفنون میں کمال حاصل کرنے کے علاوہ آپ نے اسی درمیان قرآن مجید حفظ فرمایا۔ آپ کی شخصیت کا علمی وقار مسلم تھا۔ آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے نکلنے والا ایک ایک لفظ سامعین کے لئے قلبی انشراح کا باعث ہوتا جس سے وہ بہت محظوظ ہوتے آپ کو مسائل شرعیہ پر بے حد عبور حاصل تھا، دار العلوم سے نکلنے والے فتاویٰ آپ کی سرپرستی میں تیار ہوتے تھے۔

چودہ سال کی عمر میں آپ والدِ بزرگوار کے ساتھ

۲۳ رشوال المکرم ۱۳۳۸ھ بروز چہارشنبہ حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے گئے۔ اس مبارک سفر میں آپ کے والدِ ماجد کے ہمراہ حضرت مولانا سید شاہ حیدر ولی اللہ قادری ناظم دار العلوم لطیفیہ حضرت مولانا سید شاہ حسین صاحب قبلہ آنجناب کے فرزند سید مخدوم پیراں صاحب، حضرت مولانا سید شاہ مصطفٰی صاحب قادری جاگیردار عرس ورنگل، اساتذۂ دار العلوم حافظ سید قاسم صاحب، جناب مولانا سید عبد الباسط صاحب اور دیگر احباب شریک تھے۔ مناسکِ حج سے فراغت کے بعد حضرت مکی قدس سرہ العزیز کی طبیعت ناساز ہوگئی۔

آپ نے ۱۹ ذی الحجہ کو مولانا سید عبد الباسط صاحب مدرس دار العلوم لطیفیہ سے خلافت نامہ لکھوایا اور اپنے فرزند دلبند حضرت مولانا الحاج الحافظ ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبد القادر قادری کو مذکورہ شخصیتوں کے علاوہ عربی و عجمی حضرات کے روبرو حرم محترم میں سلسلۂ عالیہ قادریہ میں داخل فرماتے ہوئے اپنے دستِ فیض اقدس سے خرقۂ خلافت پہنایا۔ اور مندرجۂ ذیل سندِ خلافت عطا فرمائی جس میں ۱۹۱ سلاسل مصافحہ، تلاوتِ قرآن مجید کے علاوہ مختلف اوراد و وظائف کی اجازت دی گئی ہے۔

خلافت نامہ

الحمد للہ والمنۃ لولیہ والصلوٰۃ والتحیۃ علی نبیہ وعلی الہ واصحابہ الکرام الداعین للناس الی دار السلام امابعد میگوید اضعف بندگان باری محی الدین سید عبد اللطیف قادری کہ چوں برخوردار سعادت آثار لختِ جگر نور بصر سعید دارین رشید کونین الحاج ابوالفتح سید عبد القادر رزقہ اللہ یحب ویرضاہ وجعل آخرتہ خیرًا من اولاہ۔ بعد تحصیل علوم ضروریہ و تکمیل اخلاق رضیہ بخلوص نیت وحسن طویت مستعد سلوک و دعوت بود، ایں فقیر پس از استخارہ آنچہ از مطلع انوار الٰہی و منبع اسرار نامتناہی ہادی شاہراہ طریقت ترجمانِ نکاتِ حقیقت قطب الزماں لسان العرفاں العالم الربانی قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین ابی وشیخی الحاج رکن الملۃ والدین سید شاہ محمد قادری الویلوری قدس اللہ اسرارہ واعاد علینا فیوضاتہ وبرکاتہ، اجازتِ سلسلۂ قادریہ وغیرہا وایضًا از دیگر بزرگان طریقت اجازتہائے سلسلۂ قادریہ، ونقشبندیہ وچشتیہ وسہروردیہ ورفاعیہ وشطاریہ وایضًا اجازت کتب مخزن سلاسل حسینیہ کہ مشتمل بر یک صد و نود و یک ۱۹۱ سلاسل ہست وانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ وجواہر خمسہ وجواہر السلوک وقول الجمیل و جمیع سورِ قرآنی وصحاح ستہ ودیگر احادیث واخذ مصافحۂ نبویہ وقرأۃ المسبعات العشرہ ودلائل الخیرات وحزب البحر وحزب الاعظم وحصن حصین ورکن رکین وقصیدۂ بردہ، قصیدۂ غوثیہ، قصیدۂ بانت سعاد، وقصیدۂ قمریہ

و نود و نہ نام باری تعالیٰ و صلوٰۃ الحاجات وغیرہا حاصل کردہ بود، بر برخوردار مذکور عطا نمود، و این جواہر گران مایہ در خیر البقاع اعنی مکہ معظمہ بجوار حرم محترم زادہ اللہ شرفاً و عظماً بدامن استدعا ایشان نہاد، و شرط اجازت استقامت بر شریعت و ثبات بر طریقت و حقیقت است و بندگان خدا را بجانب حق جل مجدہ بکشند و از لوم لائم نیندیشد، و لعداوت دشمنان و عیب چینی عیب چینان و حسد حاسدان التفات نکند و مشغول کار خویش باشد۔ والمسئول من اللہ سبحانہ ان یعصمہ عما لا یلیق و یحفظہ عما لا ینبغی وان یثبتہ علےٰ متابعۃ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

اللھم بارك فی خلافتہ واثر فی اجازتہ واعط مرادہ وحصل مقاصدہ بحرمت سیدنا محمد علیہ من الصلوٰۃ افضلھا ومن التحیات اکملھا۔ آمین ثمّ آمین۔

محی الدین سید عبد اللطیف قادری عفا اللہ عنہ

مرقوم نوز دہم ماہ ذی الحجہ روز پنجشنبہ ۱۳۳۸ھ سنہ ہجری فقط

تمام امور کو بحسن وخوبی انجام دینے کے بعد اسی دن شام بعد نماز مغرب حضرت مکی قدس سرہ العزیز نے انتقال فرمایا۔ دوسرے دن ۲۰ ذی الحجہ کو تجہیز و تکفین ہوئی ایک لاکھ سے زاید مقامی و بیرونی حجاج کرام اور فرمانروائے حجاز شاہ حسین نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ اس وقت ہر ایک کی عجیب کیفیت تھی۔ تمام بیقرار و اشکبار تھے۔ نماز جنازہ کے بعد آپکو جنت المعلیٰ میں دفن کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اعلیٰحضرت ارض مقدس سے واپس لوٹنے کے بعد یکم ربیع الاول ۱۳۳۹ھ میں دار العلوم لطیفیہ کے وسیع احاطے میں ایک عظیم الشان جلسہ سجادہ نشینی ترتیب دیا گیا جمیع سلاسل کے مشائخ و صوفیا، سادات و علماء و خویش اقارب محبین و معتقدین کے جھرمٹ میں رسم سجادگی ادا ہوئی اور آپ کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔

والد بزرگوار کے انتقال کی وجہ دار العلوم لطیفیہ اور مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ کی ذمہ داری کا بوجھ آپکے نازک کاندھوں پہ آپڑا۔ انتہائی پامردی و خوش اسلوبی سے ہر دونوں کی خدمات انجام دیتے رہے۔

آپ کے دور سجادگی میں مصیبتوں کے طوفان اُٹھے لیکن صبر و تحمل کے اس عظیم پیکر نے مسکراتے ہوئے ہر تلخ گھونٹ کو پی لیا اور آنے والوں کے لئے مثال قائم کردی۔

دار العلوم لطیفیہ نے آپکے دور میں بہت کچھ ترقی کی۔ جنوب و شمال کے نامور اساتذہ منصب تدریس پہ فائز تھے۔

جن میں سے بعض قابل اساتذہ کے اسماء مندرجۂ ذیل ہیں :-

مولانا سید شاہ حیدر ولی اللہ قادری ناظم دار العلوم

مولانا غلام نبی صاحب ساکن گیدڑپور، ضلع ہزارہ

مولانا اسمٰعیل خان صاحب ساکن خاکی ضلع ہزارہ

مولانا عبدالرشید خان صاحب مفتی و سرپرست جامعہ عربیہ ناگپور

مولانا غلام حیدر صاحب پشاوری

مولانا غلام جیلانی صاحب ضلع بستی

مولانا سید شاہ شہاب الدین صاحب ترچناپلوی

مولانا سید شاہ حسام الدین صاحب گڈپاہتی

مولانا احمد کویا صاحب شالیاتی، کیرالا

مولانا محمد صاحب رامناڈ ضلع کالکوٹ

مولانا رضوان الرحمٰن صاحب سہسوان ضلع بدایون

مولانا ابوالمعالی مولوی علوی صاحب[1] (آج بھی آپ مسند درس پر فائز ہیں)

آپ کا عقدِ سعید ۱۳۵۳ھ میں اپنے چچا سید شاہ غوث پیران قادریؒ کی بڑی صاحبزادی سے ہُوا۔ آپ کے ساتھ آپ کے برادر حضرت مولانا ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی کا عقد مسعود چچا کی دوسری صاحبزادی سے اور آپ کی بہن کا عقد میمنت چچا کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا رکن الدین سید محمد قادری عرف مرشد پاشا صاحب قادری سے ہوا۔ بیک وقت ایک ہی محفل میں تین شادیاں انجام پائیں۔ حضرت اسعد میسوری کے چند تہنیتی اشعار ملاحظہ ہوں :-

شکر صد شکر خدائے آدم و جن و پری
بزم عشرت فال زفضلش کند جلوہ گری

اقربا ہستند شاداں دوستاں سرمست عیش
ہست زیں بزم طرب ہر ہر چہ فرحت گستری

اقربا صل علےٰ گویند از اخلاص دل
کہ نماید سیرت نوشہ بخ پیغمبری

شادماں باشند یا رب در جہاں نوشہ عروس
ہم فدائے ذات ایشاں باد حسن سروری

من چہ گویم وصف نوشاہ و عروس نیکذات
بس ہمی گویم کہ آں زہرہ وش و ایں مشتری

عقد ایں دو گوہراں رشک قران سعد شد
یا بہ برجے مہر و مہ اکنوں نمودہ نیری

تہنیت گویاں امرا بینید کسے گوید ہمیں
شعر در میسور گوید کیست مثل انوری

من نہ نازم با چنیں اشعار خود لے نکتہ داں
گرچہ در ملک فصاحت میکنم اسکندری

سال شادی را چو پرسیدم اسعد ہاتف بگفت
ہمزباں شد عقد سید عبد قادر قادری

سنہ ۱۳۵۳ھ

آپ کی سرپرستی میں اپنے منجھلے بھائی حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی (موجودہ سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ) کا عقد سعید ۱۹۴۵ء میں اپنی پھوپی زاد بہن سے ورنگل میں ہوا۔ اس کے چند سال بعد برادر عزیز حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی

---

[1] مذکورہ اساتذۂ کرام کے بارے میں تفصیلاً کیلئے سنہ ۱۹۶۸ء کا "اللطیف" ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲۰

B.A ناظم دار العلوم لطیفیہ کا نکاح بہ فلاح ۱۹۵۱ء میں حضرت مولانا ابو صالح سید شاہ احمد نبیرہ قادری کی ہمشیرہ زادی سے مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز میں انجام پایا۔ جس میں ملک کی ذی علم اور مایۂ ناز شخصیتیں مدعو تھیں۔

آپ کے دستِ حق پرست پر سینکڑوں بندگانِ خدا نے بیعت کی۔ قابل ترین شخصیتوں کو آپ نے خلافت سے سرفراز کیا سب سے پہلے ان ہر دو نعمتوں سے مشرف ہونیوالے قاضئ شہر مولانا مولوی حکیم محمد غلام غوث شریف صاحب ویلوری ہیں۔ بشارتِ غیبی پر آپ نے ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۷۵ ہجری بروز جمعہ اپنے تینوں برادران حضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی، حضرت مولانا ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قبلہ قادری، حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہم العالی اور اپنے پھوپھی زاد بھائی سید شاہ احمد قادری عرف صاحب پاشاہ کو خانقاہِ عالیہ میں بیعت سے نوازا اور گنبدِ اقطاب قدس اسرارہم میں تمام کو اپنے دستِ مبارک سے خرقہ ہائے خلافت پہناتے ہوئے سندِ خلافت عطا فرمائی۔

اس روح پرور محفل میں مشائخ و صوفیاء سادات اور علماء، شعراء، و ادباء، خویش و اقارب تمام شریک تھے اس موقعہ پر مولانا ابو صالح شاہ غضنفر حسین صاحب شاکر نائطی، اور مولانا عبد السلام صاحب کمالی نے تہنیت نامے[1] پیش کئے جن سے ان کی عقیدت و محبت اور ادبی ذوق کا پتہ چلتا ہے۔

آپ خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ اس لئے آپ کے اوقات و اعمال میں برکت کا پایا جانا لازمی امر تھا۔ کسی دن بھی آپ کے معمولات میں فرق نہیں آیا۔ علی الصبح مکان سے خانقاہ تشریف لاتے۔ نمازِ فجر سے فراغت کے بعد بہت دیر تک تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہو جاتے اور اکثر درود شریف آپ کے وردِ زبان رہتا۔ حاجت مندوں کے ساتھ خندہ روئی سے ملتے۔ مریدین و معتقدین کو ان کی استعداد کے مطابق تعلیم و تلقین فرماتے۔ مہمانوں کے ساتھ حسن انتظامی محتاج بیان نہیں۔ یہ آپ کا موروثی وصف تھا۔ آپ نے فطرت سے سنجیدہ طبیعت پائی تھی۔ بچپن ہی سے آپ بیحد کم سخن حلیم و بردبار پائے گئے۔ یہی کیفیت زندگی کے آخری لمحہ تک رہی۔

آپ کی شفقت و مہربانی کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ اعلیحضرت مجھ پر زیادہ مہربان و شفیق ہیں۔ آپ بہت نرم دل تھے، لیکن آپ کے چہرۂ اقدس کے رعب و جلال سے کسی کو آنکھ ملانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

مسلم اور غیر مسلم تمام آپ کے مداح تھے اور دل سے احترام کرتے تھے حتیٰ کہ جنات کو بھی آپ کا احترام تھا۔ یہ واقعہ حد تواتر کو پہنچ چکا ہے کہ ایکمرتبہ آپ گرمی کے دنوں میں دار العلوم کے شمالی گوشہ میں جو خانقاہ کے عین مقابل ہے آرام فرما رہے تھے ادھر سے چند جنات کا گذر ہوا۔ آپ گرمی کی شدت کی وجہ بار بار کروٹ بدل رہے تھے اس کیفیت کو دیکھ کر ایک جن پنکھا جھیلنے میں مشغول ہو گیا اور دوسرا پاؤں سہلانے لگا۔ ادھر خادم بے خبر سو رہا تھا۔ آپ کو حیرت ہوی کہ ایک آدمی بیک وقت دو کام کیسے انجام دے سکتا ہے، خادم کو آواز دی، جواب ندارد۔ اتنے میں جنات وہاں سے رخصت ہو گئے۔

مذکورہ واقعہ سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ نہ صرف انسانوں میں بلکہ جنات میں بھی ہر دلعزیز تھے۔ یہ مرتبہ، اور مقام اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کو خدائے تعالیٰ عزیز رکھتا

[1] مذکورہ تہنیت نامے اسی رسالہ میں ملاحظہ فرمائیے ۱۲

ہو، جیسا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو جبرئیلؑ کو بلا کر فرماتا ہے، میں فلاں آدمی سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، جبرئیل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبرئیلؑ آسمان والوں کے سامنے پکارتے اور کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی کو محبوب رکھتا ہے تم بھی اس کو محبوب رکھو۔ اس پر تمام اہلِ آسماں اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد اس بندے کو زمین میں مقبول بنا دیا جاتا ہے۔

آپ کی اعلیٰ شخصیت مستجاب الدعوات تھی۔ لوگ دُور دراز مقامات سے آپ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوتے اور اپنے دامن کو گوہرِ مقصود سے بھر لیتے تھے۔ آپ کی زندگی تکلّف و تصنع سے عاری تھی اور آپ کا لباس انتہائی سادہ ہوا کرتا تھا۔

سینے کرامات سے بھرے السّال

لیلۃ القدر ہو کے تھے پنہاں

ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ کا واقعہ ہے کہ الحاج متھدار غلام محی الدین احمد خاں صاحب دھرمپوری پیر کامل کی تلاش میں ناگور شریف تشریف لے گئے اور بارگاہ شاہ گنج سوائی میں اپنا مدعا پیش کرنے کے بعد کئی دن وہیں قیام کیا۔ ایک شب موصوف نے خواب میں دیکھا کہ شاہ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنے ساتھ لیجا کر شیخ کا حلیۂ مبارک اور حضرت مکان دکھاتے ہوئے فرمایا دیکھو تمہارے یہ شیخ میرے ہمنام و ہمگام ہیں۔ ان کے ہاتھ پہ بیعت کرو۔ حاجی صاحب شاداں و خنداں خواب سے بیدار ہوئے۔ اس سے پہلے کبھی ویلور نہیں آئے تھے۔ حضرت کے ارشاد و رہنمائی کے مطابق ویلور آئے اور خواب کی تمام چیزوں کا مشاہدہ سَر کی آنکھوں سے کیا۔ صبح کا وقت مکان

حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز میں داخل ہوئے، دیکھا کہ اعلیٰحضرت قبلہ مدظلہ العالی صحنِ مسجد میں ٹہل رہے ہیں۔ حاجی صاحب کو اپنا مدعا مل چکا تھا۔ چنانچہ موصوف نے سارا ماجرا عرض کیا حضرت سے اجازت لی۔ گھر جا کر بیوی کو ساتھ لے آئے۔ آپ کے دستِ اقدس پہ بیعت کی، اور سعادتِ دارین سے مالا مال ہو گئے۔

ایک مرتبہ آپ اپنے عزیز برادر حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی B.A ناظم دار العلوم لطیفیہ کے ساتھ ٹانگے میں سوار ہو کر باغ کو جا رہے تھے کاٹپاڈی کے قریب ایک مقبرہ کو دیکھ کر برادر عزیز کے دل میں خیال آیا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ اعلیٰحضرت قبلہ پہ یہ بات منکشف ہو گئی آپ نے فوراً ارشاد فرمایا، حضرت پیر! آپ کا نام حضرت شاہ نور علیہ الرحمہ ہے۔ آپ ایک جلیل القدر بزرگ ہیں ہمارے جدِ اعلیٰ بیجاپور سے جب ویلور تشریف لائے تو مراقب ہوئے معلوم ہوا کہ اس علاقہ کا تصرف آپ کے ہاتھ میں ہے۔

اسی کو مومن کی فراست کہا جاتا ہے، جیسا کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اتقوا بفراسۃ المومن فانہٗ ینظر من نور اللہ یعنے مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے ؎

عظمتیں اور کرامتیں ہیں کئی

ہم نے دیکھی ہے روز شان نئی

حضرت ناظم صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی اپنے ایک مضمون میں رقمطراز ہیں کہ " ایک روز صبح کے دس بجے میں کسی ضرورت کے تحت آفس سے حضرت قبلہ کے حجرے میں گیا دیکھا کہ آپ جھولے سے خانقاہ کی چوکھٹ تک تیزی سے ٹہل رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ جیسے ہی میں اندر داخل ہوا تو مجھے دیکھ کر

آپ مسند پر جا بیٹھے اور آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا' حضرت پیرا آج سے تین دن قبل میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک بزرگ فرما رہے ہیں۔ بیوی ماں[1] کی دوا سے اثر اٹھا لیا گیا ہے اور ان کا وقت قریب ہے ان ہی کے لئے میرا دل رو رہا ہے۔ صبح کے ۱۰½ بج چکے تھے۔ میں نے عرض کیا بہت دیر ہو چکی ہے آپ گھر جا کر ناشتہ فرمالیں۔ آپ گھر تشریف لے گئے اور میں آفس آگیا۔ تھوڑی دیر نہیں گذری تھی کسی خاص ضرورت کے تحت مجھے گھر جانا پڑا وہاں پہنچکر کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت قبلہ کرسی پر اور بہن صاحبہ پلنگ پر بیٹھی ہوئی ہیں۔ دونوں بھائی بہن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ حضرت قبلہ کو ان کی موت کا یقین تھا۔ کیونکہ انکو اطلاع آچکی تھی اور بہن کو یقین ہو چکا تھا کہ بیماری کی وجہ ان کی موت قریب ہے۔

یہ ایک ایسا ٹریجک منظر تھا کہ جسکی وجہ سے خود بخود میری آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ چنانچہ ایسا ہی ایک ہفتہ کے اندر بہن صاحبہ کا انتقال ہو گیا۔"

اس واقعہ کو پیش کرنے کے بعد آپنے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "بزرگان دین کے ان واقعات سے کوئی تعجب نہیں کیونکہ ہر زمانے میں ایسے سینکڑوں واقعات اور کرامات ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں۔ یہ اللہ کا خاص فضل ہے کہ وہ اپنے بندوں کو علم باطن سے نوازتا ہے۔ آج بھی ان بزرگوں کے تصرفات' فیوضات' و برکات کا لامتناہی سلسلہ جاری و ساری ہے۔"

حضرت مولانا ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی نے آپ کے انتقال سے چند دن پیشتر خواب دیکھا کہ اندرون گنبد مغربی گوشہ میں ایک قبر کھودی جارہی ہے' اندر و باہر بہت سے بزرگان کرام کھڑے ہیں۔ ان میں حضرت شاہ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ بھی جلوہ فرما ہیں۔ آپ کے استفسار پر حضرت شاہ گنج سوائی رحمۃ نے ارشاد فرمایا' دنیا سے ایک قطب اٹھنے والا ہے۔ اس کے لئے یہ قبر کھودی جارہی ہے' خواب سے بیداری کے بعد آپ بہت پریشان ہو گئے۔ دن بدن الجھن بڑھتی گئی۔ لیکن مذکورہ خواب کی حقیقت آپ پر اس وقت منکشف ہوئی جبکہ اعلیحضرت قبلہ کا وصال ہوا آپ نے آٹھ دن پیشتر ہی دنیا سے رخصت ہونے کی اطلاع دے دی تھی۔ یہاں تک کہ وقت بھی بتا دیا تھا۔ ڈاکٹر آپ کے سکون و طمانیت سے حیران تھے۔ آپ کو دیکھنے کے لئے جو بھی آتا اس سے ملاقات کرتے اور اس کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔

حسب ارشاد ۱۲ محرم الحرام ۱۳۷۱ھ بروز چہارشنبہ صبح کے پونے سات بجے مسکراتے ہوئے آپ نے جان جاں آفریں کے سپرد کردی' انا للہ وانا الیہ راجعون

ختم کی زندگی عبادت پر
گفتگو کلمۂ شہادت پر

آناً فاناً سارے شہر میں آپ کے انتقال کی خبر پھیل گئی لوگ قافلہ در قافلہ اس مرد کامل کو آخری بار خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے مکان میں جمع ہونے لگے۔ دن بھر دکانیں بند رہیں۔ شہر کی رونق ختم ہو گئی تھی' ہر ایک پر عجیب عالم اور کیفیت طاری تھی۔ جس صبح آپ کا انتقال ہونے والا تھا اسی رات بعض لوگوں

[1] حضرت قبلہ کی چھوٹی بہن جن کو بیوی ماں کے نام سے پکارتے تھے چند دنوں سے علیل تھیں اور وہ حضرت مولانا ابوصالح سید شاہ احمد قادری جاگیردار عرس سے منسوب تھیں ۱۲

نے خواب میں دیکھا کہ آپ کا وصال ہوگیا ہے۔ اس پریشان کن خواب کو دیکھ کر وہ حضرات بھی مختلف شہروں سے ویلور پہنچ گئے بعد نمازِ عصر جیسے ہی جنازہ اٹھا تمام فرطِ غم سے چلا اٹھے ؎

آہ صد آہ صدمۂ جانکاہ   ہوگئی جس سے بزمِ زیست تباہ

جنازہ دارالعلوم کے صدر دروازہ کے روبرو رکھا گیا۔ آپ کے منجھلے بھائی حضرت مولانا ابوالنصر قطب الدین، سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی (موجودہ سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ) نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ سینکڑوں لوگ نمازِ جنازہ میں شریک تھے۔ یہاں سے آپ کو آخری آرامگاہ کی طرف لے جایا گیا۔ دن ڈوبنے سے پیشتر یہ آفتابِ رشد و ہدایت گنبدِ اقطاب میں مغربی جانب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا ؎

موت غم ہم کو دینے آئی تھی   مغفرت ان کو لینے آئی تھی

علامہ شاکر نائطی علیہ الرحمہ نے آپ کے وصال پر مادۂ تاریخ کہی ہے ؎

حضرت بوالفتح سلطان محی الدین   عبد قادر قدوۂ اہلِ صفا

کرد رحلت آہ تاریخ وصال   گفت شاکر غاب قطب الکبریا

۱۳۷۸ھ

پیش کش از:-
عالیجناب مولانا حضرت ابوالحسن صدر الدین سید شاہ
محمد طاہر رضا صاحب قبلہ قادری ظلہ العالی بی۔ اے۔
ناظم دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلوری قدس سرہ العزیز

غزل

روزِ روشن کو ہوں میں رات سمجھنے والا
ہے کوئی آج مری بات سمجھنے والا

دورِ بالغ نظراں اور ہے یہ دور نہیں،
ہم بزرگوں کے مقامات سمجھنے والا

جلوۂ صبح قیامت کیلئے ہے بیدار
چاند تاروں کے اشارات سمجھنے والا

منتظر ہے کہ ہو مغرب سے طلوعِ خورشید
اپنے اللہ کی آیات سمجھنے والا

تو سمجھتا ہے جسے رنگِ بہارِ گلبار
میں اسے خون کی برسات سمجھنے والا

آج کل تو بھی نشے میں ہے تو مجھ سے اُلجھ
میں ہوں کم ظرف کی اوقات سمجھنے والا

میرے بگڑے ہوئے تیور بھی سمجھ لے کاش! اے
میرے بگڑے ہوئے حالات سمجھنے والا

درِ زنداں پہ ہے اک طرفہ غضبناک ہجوم
شانِ رندانِ خرابات سمجھنے والا

اس نئے دورِ سخن سے ہے پریشان حفیظ
شعر کو حرف و حکایات سمجھنے والا

حفیظ جالندھری

دعائے عمل

جناب افضل العلماء مولوی
محمد شبیر احمد صاحب اکرمی لطیفی
بھٹکلی مدرس دار العلوم لطیفیہ
حضرت مکان ویلور

سائنس کی ترقی اور علم کے پھیلاؤ نے اب انسان کے سامنے ان چیزوں کو بے نقاب کر دیا جن کو وہ ایک منگھڑت اور خواہ مخواہ بیہودہ خیال کر کے نظر انداز کر دیتا تھا، کیونکہ وہ واقعات کی ان کڑیوں سے یعنی منطقیوں کی زبان میں ان مقدمات سے ناواقف تھا جن کے ذریعہ مجہولات کا علم حاصل ہو لیکن آج کے اس سائنٹفک دور نے اس کی آنکھیں کھول دیں۔ اور وہ آمنّا و صدّقنا کہہ کر ان چیزوں کو مانتا چلا جا رہا ہے۔

انسان کا چاند پہ قدم رکھنا اس دور کا عظیم کارنامہ ہے۔ ایک زمانہ میں مونٹ ایورسٹ کی فتح کو انسانی طاقت کا سب سے بڑا کرشمہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اس کارنامہ نے یہ بات واضح کر دی کہ وہ دن دور نہیں جبکہ انسان اپنی مسلسل کوشش سے مریخ و عطارد جیسے سیاروں پر اپنا قدم جمائے۔

سائنس نے ابتک جتنی چیزوں کا انکشاف کیا ہے، وہ چیزیں ان چیزوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں جن کے متعلق ابھی تحقیق کرنا باقی ہے کیونکہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کا یہ ارشاد پورا ہونا ہے۔

سنریہم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسہم حتیٰ یتبین لہم انہ الحق۔	عنقریب دکھائیں گے ہم انکو ہماری نشانیاں دنیا میں اور ان کے نفسوں میں یہانتک کہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ وہی حق ہے۔

سائنس کی جدید تحقیقات نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ کائنات کی ہر چیز ایک فطری قانون میں جکڑی ہوئی ہے اور اسی کے تحت حرکت کر رہی ہے۔ اس بات کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی بلند پایہ تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں سنت اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا کے تحت اس طرح بیان فرمایا ہے۔

اما ہیئات الکواکب فمن تاثیرہا ما یکون ضروریا کاختلاف الصیف والشتاء وطول النہار وقصرہ باختلاف احوال الشمس وکاختلاف الجزر والمد باختلاف احوال القمر وجاء فی الحدیث اذا طلع النجم ارتفعت العاہات یعنی بحسب جری العادت لکن کون الفقر والغنی والجدب والخصب وسائر حوادث العیش بسبب حرکات الکواکب	لیکن جہاں تک کواکب و سیاروں کی ہیئت و کیفیت کا تعلق ہے تو اس کے بعض اثرات تو ضرور ہوتے ہیں جیسے گرمی و سردی کا بدلنا اور رات دن کا چھوٹا بڑا ہونا۔ آفتاب کی مختلف تبدیلیوں کے باعث ہوتا ہے۔ یا مد و جزر (جوار بھاٹا) دریا کا گھٹنا اور بڑھنا چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کے مطابق ہوتا ہے اور حدیث میں آیا ہے جب ثریا نامی ستارہ طلوع ہوتا ہے آفات و بلیات اٹھ جاتے ہیں یعنی

فهما لم يثبت في الشرع وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم الخوض في ذلك۔
(حجة الله البالغة)

اللہ کی عادت جاریہ یہی ہے لیکن تنگدستی و توانگری قحط سالی و خوشحالی کا وقوع ستاروں کی خاص حرکات سے ہونا شرع سے ثابت نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ میں غور و خوض کرنے سے منع فرمایا ہے۔

من اقتبس شعبة من النجوم اقتبس شعبة من السحر

جس نے نجوم کا کوئی حصہ حاصل کیا اس نے گویا سحر کا ایک حصہ حاصل کیا (جو قطعًا حرام ہے۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت کے اس عقیدہ کا مطرنا بنوء کذا یعنی ہم پہ فلاں فلاں تارے کے طلوع یا غروب ہونے سے بارش ہوئی ہے سختی کے ساتھ رد فرمایا ہے۔

اتنے سے بیان کے بعد آگے چل کر شاہ صاحب فرماتے ہیں ولا اقول نصبت میں یہ بھی نہیں کہتا کہ شریعت

الشريعة على ان الله تعالى لم يجعل في النجوم خواص تتولد منها الحوادث بواسطة تغير الهواء المكتنف بالناس

محمدیؐ نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے سیاروں میں ایسی کوئی خاصیت نہیں رکھی ہے کہ جس سے اس ہوا کے ذریعہ جو لوگوں کو گھیری ہوئی ہے کوئی حادثہ رونما نہ ہوتا ہو۔

ہمارا یہ ایمان ہے کہ ستاروں کے اندر بالذات کوئی قوت و تاثیر نہیں بلکہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اپنی عادت کے مطابق ہر چیز میں اس کے لائق اثرات پیدا فرماتا ہے۔ چاقو میں بالذات کاٹنے کی قوت نہیں جب تک کہ کوئی اس سے کاٹنے کی کوشش نہ کرے۔ یہی معاملہ دوسری اشیاء کا ہے چاہے ستارے ہوں یا میوے، دوا ہو یا زہر سب کی یہی بات ہے۔ ان تمام کے اثرات جمادات، نباتات اور حیوانات پر مرتب ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام و علمائے عظام اور سلف صالحین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ ہر مہتم بالشان امر کو مخصوص اوقات و ایام میں کرتے تھے تاکہ اس کے منافع سے پورے طور پر مستفید ہوں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ باب اسرار الاوقات میں فرماتے ہیں کہ امت کی سیاست عبادت کے اوقات کی تعین کئے بغیر میسر نہیں ہوتی اور تعین اوقات میں اصلی امر فراست ہے جس سے مکلفین کی حالت معلوم کی جا سکتی ہے۔ اور اس چیز کو اختیار کیا جا سکتا ہے جو لوگوں پہ گراں نہ ہو۔ اس کے علاوہ تعین اوقات میں اور بھی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ جن کو علمائے محققین ہی خوب جانتے ہیں۔ تعداد و مقادیر میں بھی یہی حکمت کارفرما ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات اگرچہ زمان و مکان سے پاک و مبرا ہے لیکن آیات و احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ بعض اوقات حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے بندوں سے قریب ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے ان اوقات یا دن رات، مہینہ وغیرہ کو خصوصیت حاصل ہے۔ جیسے شب قدر، شب معراج، شب برات، یوم جمعہ، یوم عرفہ یوم عاشورہ، عیدین یا ماہ رمضان وغیرہ۔ حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ پیر و جمعرات کے دن لوگوں کے اعمال خدا کے حضور پیش ہوتے ہیں۔ اعداد و مقادیر کے متعلق حدیث میں آیا ہے

ان الله وتر و يحب الوتر فاوتروا يا اهل القرآن

بے شک اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو پسند فرماتا ہے پس اسے

قرآن والو وتر نماز پڑھا کرو۔ انہی حکمتوں کے پیش نظر صحابۂ کرام و اولیائے عظام و علمائے دین نے اپنے ہر کام میں ان چیزوں کو ملحوظ رکھا ہے اگرچہ یہ چیزیں بادی النظر رائے میں بالکل مہمل اور بے نتیجہ معلوم ہوتی ہیں مگر علمائے راسخین کے نزدیک بڑی قیمت رکھتی ہیں کیونکہ وہ اس کی اچھائی اور برائی سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ دنیا والوں نے اس کی اصلیت کو نہ جانا اور اس کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ اگلی نسلوں کی تحقیق نے پچھلی نسلوں کے تجربات و نظریات کو بالکل باطل اور بے بنیاد ثابت کر دیتی ہے مثلاً پہلے سبعہ سیارہ کو بڑے سیارے قرار دیا جاتا تھا لیکن آج کی تحقیق یہ ہے کہ ان سیاروں سے کئی گنا عظیم اور بڑے سیارے موجود ہیں بلکہ یہ ساری کائنات ستاروں کے بے شمار جھرمٹوں کی صورت میں ہے جس کو کہکشاں کہتے ہیں اور یہ تمام مسلسل گردش کر رہے ہیں۔ اسطرح نئے انکشافات پرانی تحقیقات کے فنا کا باعث بنتے ہیں لیکن قرآن و حدیث و بزرگان دین کے اقوال کے لئے جدید تحقیقات سے ہمیشہ مزید تقویت پہنچتی رہی ہے۔ حق جل شانہ و تعالیٰ نے فضائے بسیط میں جتنے بھی اجرام فلکی پھیلائے ہیں ان کی گردش میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور پوشیدہ ہے۔

حضرت شاہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جیسا کہ فرمایا ہے کواکب کی تاثیر سے دن رات کا چھوٹا بڑا ہونا، گرمی سردی کا بدلنا آفتاب کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ اب سائنس دانوں نے اس بات کی تحقیق کی ہے کہ ان ستاروں کے اثرات زمین کے علاوہ زمین پر بسنے والوں پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ کرۂ ارض کے ہر جاندار کا اعصابی نظام برقیات (الیکٹرانکس) کے تحت کام کرتا ہے۔ ہمارے جسم کے اندر کروڑوں برقی خلئے ہر لمحہ ان برقی مقناطیسی الیکٹرانک و میگنیٹک لہروں سے متاثر ہوتے رہتے ہیں جو کائنات کے ستارے کروڑوں میل کی دوری سے ہر وقت بھیجتے رہتے ہیں۔ انسان کے افعال و کردار کا تعین کرتی ہیں۔ یہی لہریں اس کے غم و خوشی، اذیت و راحت، کامیابی و ناکامی، حیات و موت کا فیصلہ کرتی ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رح اپنی مشہور تصنیف احیاء العلوم آداب سفر کے بیان میں تحریر فرماتے ہیں، حضور صلعم زیادہ تر جمعرات کو سفر کے لئے گھر سے نکلتے تھے اور فرماتے تھے اللھم بارك لامتی یوم بکورھا اے اللہ اس دن کی صبح میں میری امت کو برکت عطا فرما اور کتاب الشرعہ کے حوالہ سے الدر النضید، ن مجموعۃ المعفید میں علم نجوم پر بحث کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے:۔

انہ کان یکرہ السفر والنکاح فی محاق الشھر واذا کان القمر فی العقرب	یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ قمری مہینے کی آخری رات یا آخری تین راتوں میں سفر کرنا مکروہ سمجھتے

تھے اور اسوقت بھی قمر جبکہ برج عقرب میں ہو۔

انہی فوائد و اثرات کے تحت بزرگان دین نے ہر چیز کے لئے اوقات، تعداد و مقادیر مقرر فرمائی ہے چنانچہ سید السالکین حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری ذوقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی گراں قدر تصنیف "انشائے لطف الٰہی" رقعہ در آئین ضروریہ کے تحت رقمطراز ہیں:۔

ہفتہ، پیر اور منگل کو نیا کپڑا نہیں پہننا چاہئے اتوار کے دن پہننا ٹھیک ہے لیکن کپڑا جلد پھٹ جاتا ہے۔

باقی دن کپڑا کاٹنے اور پہننے دونوں کے لئے بہتر ہیں اور پیر کے دن کپڑا کاٹنے درست ہے لیکن اس کا پہننا ٹھیک نہیں، اتوار کے دن اس کا برعکس یعنی پہننا ٹھیک ہے لیکن کاٹنا ٹھیک نہیں اور باقی دن نحس ہیں۔

تیل ملنے کے لئے اتوار، منگل، جمعرات، جمعہ ٹھیک نہیں، ہفتہ، پیر اور چہار شنبہ درست ہیں۔ اور سنیچر، اتوار، منگل چہارشنبہ میں کپڑا سینا نقصان دیتا ہے اور باقی دن ٹھیک ہیں اور ہفتہ اتوار اور منگل کے دن سر تراشنا بالکل نقصان دیتا ہے اور نامبارک۔ باقی دن ٹھیک ہیں۔ لیکن ایک روایت کے تحت جمعرات کو سر تراشنا فقیری لاتا ہے۔ اسی طرح گھر تعمیر کرنے کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔ اگر گھر کی لمبائی سات قدم ہو تو فقیری لاتا ہے، اگر آٹھ قدم ہو تو توانگری لاتا ہے بلکہ اگر وہ شخص سلطنت کے لائق ہو تو سلطنت بھی حاصل ہوتی ہے اور اگر نو قدم ہو تو اس گھر میں بدی وخرابی ہوتی ہے اور اگر دس قدم ہو تو خزانہ ونعمت ہاتھ آتا ہے اور اگر گیارہ قدم ہو تو فرزند اور اقربا اس سے خوش رہینگے۔ بارہ قدم کا ہونا بھی درست ہے۔ تیرہ قدم ہو تو دشمن زیادہ ہونگے اور اگر چودہ قدم ہو تو اس کے فرزند رنج وملال میں ہونگے اور اگر پندرہ قدم ہو تو گھر والے کی موت واقع ہوگی۔ اگر سولہ قدم ہو تو بزرگی وعزت حاصل ہو اور اگر سترہ قدم ہو تو بھلائی وبہتری قدم چومیگی اور اگر اٹھارہ قدم ہو تو رنج وملال پہنچے اور اگر انیس قدم ہو تو گھر سے باہر ہو جائے اور واپس نہ آئے۔ اگر بیس قدم ہو تو بہتر ہے اور اگر اکیس قدم ہو تو گھر والوں کے درمیان رخنہ پیدا ہو جائے۔ اگر بائیس قدم ہو تو فتح وکامرانی کی صورت پیدا ہو۔ اگر تیئیس قدم ہو تو وہ گھر اس کے موافق نہ آئے، اور چوبیس قدم ہو تو بھی سازگار رہو اور اگر پچیس قدم ہو تو اس کی بیوی پہ گرانی گذرے اور چھبیس قدم ہو تو اس گھر میں ہمیشہ ماتم ہو اور اگر ستائیس قدم ہو تو مال ودولت زیادہ ہو اور اٹھائیس قدم کا ہونا بہت ہی نیک ہے اور اگر انتیس[۲۹] قدم ہو تو بھی نیکی وبہتری حاصل ہو۔ اگر تیس قدم ہو تو اس کو فرزند پیدا ہو۔

گھر کے صحن کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:—

گھر کا صحن چھ یا سات قدم ہو تو بہتر ہے اور آٹھ قدم کا ہونا درمیانی درجہ ہے اور اگر نو یا دس قدم ہو تو خوشی حاصل ہو، اگر گیارہ قدم ہو تو فرزند پیدا ہوں اور بارہ وتیرہ قدم کا ہونا بھی بہتر ہے۔ اگر چودہ قدم ہو تو اس کے فرزندوں کو دکھ پہنچیگا۔ پندرہ یا سولہ قدم کا ہونا بہتر ہے۔ واللہ اعلم

اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ تہ خانہ چھ قدم ہو تو بہتر ہے اور اگر سات قدم ہو تو دولت حاصل ہوگی۔ آٹھ قدم ٹھیک ہے، اور نو دس قدم بہتر ہے اور اگر گیارہ قدم ہو تو فرزند اور روزی والا ہو جائے۔ اور اگر بارہ قدم ہو تو ہر طرح بہتر ہے اور اگر تیرہ قدم ہو تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا دیدار خواب میں نصیب ہوگا۔ اور اگر چودہ قدم ہو تو بہتری نصیب ہوگی، واللہ اعلم۔

پھر فرماتے ہیں اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ جو شخص ماہ محرم میں گھر نیا تعمیر کرے فقیر ہو جائے اور اگر ماہ صفر میں تعمیر کرے تو اس گھر میں مویشی زیادہ ہوں اور ماہ ربیع الاول میں تعمیر کرے تو فرزند وغلام زیادہ ہوں اور اگر ماہ ربیع الثانی میں تعمیر کرے تو اس گھر میں کمزوری وبیماری زیادہ ہو اور اگر جمادی الاول میں تعمیر کرے تو وہ گھر لڑائی ودشمن سے خالی نہیں ہوگا اور اگر جمادی الثانی میں تعمیر کرے تو سونا چاندی ہاتھ آئے۔ اگر ماہ رجب

میں تعمیر کرے تو بہت سا مال جمع ہو جائے گا اور اگر ماہ شعبان میں تعمیر کرے، تو اس گھر کا اکثر حصہ کرایہ پر رہے اور اگر ماہ رمضان میں تعمیر کیا جائے، تو وہ گھر جل جائے گا۔ اگر ماہ شوال میں تعمیر کیا جائے تو غنی و مالدار ہو جائے۔ اگر ماہ ذیقعدہ میں تعمیر کیا جائے تو نحوست سے گھر والے کو قرار حاصل نہ ہو۔ اگر ماہ ذی الحجہ میں تعمیر کیا جائے تو راحت و خوشحالی حاصل ہو اور اخیر میں تحریر کرتے ہیں کہ ان مقدمات مسطورہ کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ یہ تمام مجربات سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ اس سے زیادہ بہتری حاصل ہوگی۔ والسلام، انتہی۔

اسی طرح ناخن تراشنے کے متعلق بزرگان دین کا جو طریقہ رہا ہے اس کو نقل کرنا اس جگہ مناسب سمجھتا ہوں۔

فتح المعین میں نقل کیا گیا ہے کہ ناخن تراشنے میں صحیح اور ثابت شدہ طریقہ یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت سے شروع کر کے چھوٹی انگلی پہ ختم کیا جائے۔ پھر اسی داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن تراشا جائے۔ پھر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے انگوٹھے پر ختم کیا جائے اور پاؤں کے ناخن، داہنے پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کرے۔ اس طریقے پر تراشنے پر بلیات سے محفوظ رہتا ہے۔ نیز ناخن تراشنے میں پنجشنبہ اور جمعہ کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقلم اظفاره ويقص شاربه يوم الجمعة قبل ان يخرج الى الصلوٰة۔

اخرج البزار و الطبرانی فی الاوسط۔

ابی ہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ناخن اور مونچھیں تراشتے تھے جمعہ کو نکلنے سے پہلے۔

وايضاً عن عائشة رضی الله عنها ان النبی صلی الله علیه وسلم قال من قلم اظفاره يوم الجمعة وقی عن السوء الی مثلها۔

اور بھی حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن ناخن تراشے وہ برائی سے محفوظ رہتا ہے دوسری جمعہ تک۔

واخرج البیهقی فی سنة عن نافع ان عبد الله بن عمر كان يقلم اظفاره ويقص شاربه فی كل جمعة۔

اور بیہقی نے نافع سے روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضہ اپنے ناخن اور مونچھ کو تراشتے تھے ہر جمعہ۔

واخرج عبد الرزاق عن سفيان الثوری انه كان يقلم اظفاره يوم الخميس فقيل له غداً يوم الجمعة فقال السنة لا تؤخر

عبد الرزاق نے سفیان ثوری کے بارے میں نقل فرمایا ہے کہ وہ پنجشنبہ کے دن اپنے ناخن تراشتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ کل جمعہ ہے انہوں نے جواب میں فرمایا سنت میں تاخیر نہیں کی جاتی۔

واخرج الديلمی فی مسند الفردوس عن ابی هريرة مرفوعاً من اراد ان يامن الفقر وشكاية العمی والبرص والجنون فليقلم اظفاره يوم الخميس بعد العصر

دیلمی نے حضرت ابی ہریرہ رضہ سے مرفوعاً یہ حدیث بیان کی ہے کہ جو شخص فقر اور عدم بصر اور برص و دیوانگی سے محفوظ رہنا چاہے تو اس کو پنجشنبہ کے دن عصر کے بعد ناخن تراشنا چاہیئے۔

ترجمہ مکتوب

قدوۃ الواصلین زبدۃ العارفین

حاجی الحرمین حافظ القرآن

مولانا محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری نقوی

المشہور بہ حضرت قطب ویلور قدس سرہ

یہ مکتوب حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز نے مولوی امام الدین صاحب نائب قاضی مہکری کو فارسی زبان میں تحریر کیا تھا جو سبق آموز نصائح پر مشتمل ہے۔

مُترجمہ: عالیجناب مولانا مولوی سید حمید اشرف صاحب چھوٹے حضرت

حمد و صلوٰۃ اور سلام و دعا کے بعد واضح ہو کہ آنے والوں کی زبانی اور مخدومی محی الدین علیخان صاحب مہکری کے خط سے آنجناب کے نائب قاضی کی خدمت کے تقرر کی خبر معلوم ہوئی۔ خدمتِ قضا کی تقرری کے وقت سے آپ کے خطوط کی آمد و رفت بالکل بند ہے۔ حتیٰ کہ خانصاحب ممدوح کے خطوط میں آپ کا سلام و دعا بھی مذکور نہیں ہوتا۔ خط و کتابت کا ذکر ہی کیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قضاوت کی خدمت ہم فقیروں کی یاد اور محبت سے مانع ہے۔

امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، مغرب کے بعد اپنے محلہ کی چند اونٹنیوں کا دودھ دوہا کرتے تھے۔ جب مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوئے تو اس وقت بھی دودھ کا دوہنا ترک نہیں کیا۔ تعجب ہے کہ آنجناب مسندِ قضاوت پر فائز ہونے

کے بعد ہم فقیروں کی یاد روا نہیں رکھتے۔

محب محترم! ؎ ازہر چہ می رود سخن دوست خوشتر است۔

خانصاحب موصوف کے خط میں چند کلمات جو حق تعالیٰ کی یاد دلائیں تحریر کئے گئے ہیں۔ اس کو اپنا دستور العمل بنالیں۔ اپنے کو شریعت کا پابند بنائیں۔ عدالت وقضاوت کو مقدمات شرعیہ کی تنفیذ کا ذریعہ سمجھیں اور اگر ایسا نہ ہوسکے تو عہدۂ قضا کو اپنے لئے ایک بلا ومصیبت تصور کریں۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ قیامت کے دن بہت سے عزّت والے ذلیل وخوار ہوں گے اور بہت سے وہ لوگ جو دنیا میں خوار وحقیر سمجھے جاتے تھے، وہ قیامت کے دن عزّت واعتبار کے مقام پہ فائز ہوں گے۔ حق تعالیٰ سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں اور آپ کو دنیا کی فانی عزّت، وجاہت، ظاہری شان وشوکت وطمطراق میں گرفتار نہ کرے بلکہ آخرت کے دائمی عزّت وجاہت، اعتبار ووقار کے شرف سے معزّز فرمائے (آمین)

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں سے بھی زیادہ قریب ہے، وہ ہماری دعا کو قبول فرمائے، خدا تمہاری مدد کرے، جہاں تم ہو۔

والسلام

عقیدت کے پھول

فصیح سخن علامۂ زمان شاعرِ بلند خیال و شیریں مقال

مولانا مولوی ابو صالح شاہ محمد غضنفر حسین نادرؔ شاکر نائطی

کی شخصیت اہل جنوب کے لئے محتاج تعارف نہیں۔ آپ عربی، فارسی اردو کے مایۂ ناز ادیب اور بلند پایہ شاعر تھے۔

موصوف نے اپنے پیر و مرشد

سالک مسالک شریعت و طریقت

واقفِ مواقف معرفت و حقیقت، مرشد الانام، منبع الکشف مہبط الالہام حافظ القرآن الحاج

قدوتنا و مولانا مولوی

اعلحضرت

ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبد القادر

قادری نقوی قدس اللہ سرہٗ

سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ

کی ذاتِ فیض مرتبت سے متاثر ہو کر بارگاہِ مرشد والا میں فصاحت و بلاغت سے بھرپور نذرانۂ عقیدت پیش فرمایا۔

جو "عقیدت کے پھول" کے عنوان سے ہدیۂ ناظرین ہے۔

ادارہ

۷۸۶
۹۲

عقیدت کے پھول

زندگی پر محیط کیوں غم ہے — یا الٰہی یہ کس کا ماتم ہے
کیسی آفت ہے، کیا مصیبت ہے — سر پہ آئی ہوئی قیامت ہے
کیوں سیہ پوش ہے یہ چرخِ کبود — ابر آلود ہے کہ غم آلود!
آہ صد آہ صدمۂ جانکاہ — ہو گئی جس سے بزمِ زیست تباہ
آج ہر گل خزاں رسیدہ ہے — دیدۂ نرگس آب دیدہ ہے
پھول افسردہ غنچے پژمردہ — دل اداس اور جان آزردہ
آنکھیں روتی ہیں دل بھی روتا ہے — دردِ پیہم جگر میں ہوتا ہے
طور بدلا ہے زندگانی کا — اک وطیرہ ہے نوحہ خوانی کا

یہ مہینہ جو ہے محرّم کا
پھر سے باعث ہوا نئے غم کا

شاہ بوالفتح سید السّادات — ذات تھی جن کی پاک نیک صفات
یعنی سلطاں محیِّ دینِ متیں — عبدِ قادر ولیِّ ذی تمکیں
چل بسے بارھویں (۱۲) محرّم کو — داغِ فرقت وہ دے گئے ہم کو
ایسے کیا انتقال کرتے ہیں — جینے والے بھی ساتھ مرتے ہیں
مرگ تنہا نہیں یہ وہ غم ہے — موتِ عالِم کی موتِ عالَم ہے

قطبِ ویلور کے وہ ہوتے تھے
حق سجادگی تمام کیا
جد کے اوصاف میں مکمل تھے
جد کی تقلید میں کمال ہوا
شیخ کل کامل و مکمل تھے
جب محرم کا آیا چوتھا دن
مسکرا کر یہ سب سے کہنے لگے
ابھی لے لو جو ہم سے تو لینا ہے
حسبِ ارشاد اٹھ کے دنیا سے
ہوگئی زندگی کے دن کی شام
صبر میں مگر بہت اچھا
تھا یہاں بھائیوں کا ضبط عجیب
بارِ غم سر پہ اور یہ تمکین

ان کی نسبت میں خاص ہوتے تھے
حق پرستی میں نیکنام کیا
اوّل آخر تھے، آخر اوّل سے
اسی تاریخ میں وصال ہوا
حق شناسوں میں صاحبِ دل تھے
بول اٹھتے وہ بندۂ مومن
غم میں ان کے جو اشک بہنے لگے
آٹھویں روز خوب رو لینا
جا ملے وہ رفیقِ اعلیٰ سے
ساری بستی میں پڑگیا کہرام
وہ جو ہو وقتِ صدمۂ اولے
یہ نمونہ تھا نادر اور غریب
کی خود اوروں کو صبر کی تلقین

آپ کی قدر یا خدا جانے
یا اسے حق شناس پہچانے

تھے کرامات سے بھرے انسان
میں نے دیکھا تھا ایک خواب کبھی
بقعۂ نور تھا تمام جہاں
ذرہ ذرہ میں تلملاہٹ تھی
بجلیاں کوندتی نظر آئیں

لیلۃ القدر ہو کے تھے پنہاں
ہے نگاہوں میں سما منظر ابھی
فرش سے عرش تک فضا یکساں
قطرہ قطرے میں جگمگاہٹ تھی
تابشیں نور کی نظر آئیں

سامنے تھا جلال کا منظر
اور اسی میں جمال کا منظر

کچھ نرالا تھا عالم قدرت
مجھ کو اس دید سے ہوئی حیرت

جب یہ نقشہ نگاہ نے دیکھا
تو مرے کان میں کسی نے کہا

اے زہے جلوہ مدرک لا ابصار
فانظروا کیف تدرك الابصار

بیند ایں جلوہ راچہ ذو بصرے
ایں ہمہ تاب گوشۂ نظرے

پیر روشن ضمیر تھے وہ تو
عاشق دستگیر تھے وہ تو

لقب و نام میں وہ محی دیں
اس قدر تھے یگانگت میں قریں

مسلک معرفت میں کامل تھے
آپ قبل از وصال واصل تھے

معرفت میں تھے غرق محو دید
ہو گئے مر کے زندۂ جاوید

ایک خوش بخت سے روایت ہے
کیا ہی اللہ کی عنایت ہے

تھی تلاش ان کو شیخ کامل کی
مرد عارف کی حق سے واصل کی

شوق تھا رات دن توسل کا
شیوہ تھا خلق سے تبتل کا

شاہ گنج سوائی تک پہنچے
اور رہے جا کے بارگہ میں کھڑے

عرض و معروض میں زباں کھلی
اور بڑی عاجزی سے عرض یہ کی

شیخ کامل مجھے دکھا دیجے
پردہ آنکھوں سے اب اٹھا دیجے

طالب حق کی آرزو پاکر
اور خود اپنے ساتھ لے جاکر

حلیۂ شیخ اسے دکھا بھی دیا
اور حضرت مکاں دکھا بھی دیا

میرا ہمنام ہے یہ شیخ ترا
میرا ہم کام ہے یہ شیخ ترا

عبدِ قادر ہوں میں بھی وہ بھی ہے | اور شاکر ہوں میں بھی وہ بھی ہے

قادریت میں پختہ مرد ہے وہ
اور قطبیت میں آج فرد ہے وہ

عظمتیں اور کرامتیں ہیں کئی | ہم نے دیکھی ہے روز شان نئی
کام جن کا ہے حق کا دم بھرنا | ان کا کیا جینا اور کیا مرنا
حالتِ نزع میں خود ان کو سکوں | اور حضّار بے قرار و زبوں
ہاتھ دونوں اٹھائے بہرِ دُعا | دیر تک مانگی حق سے حق کی بقا
وہ جو جامِ فنا کے گھونٹ پیئے | تھے دوامِ بقا کے گھونٹ پیئے
ہفت ساعت تھی اور بُدھ کا دن | دن نکلتے ہی جبکہ ڈوبا دن
نکلا سُورج بھی تھرتھراتا ہوا | منظرِ غم میں تلملاتا ہُوا
اللہ اللہ کیا وہ ہستی تھی | زندگی جس کی حق پرستی تھی
موت غم ہم کو دینے آئی تھی | مغفرت ان کو لینے آئی تھی

ختم کی زندگی عبادت پہ
گفتگو کلمۂ شہادت پہ

از
عبدالرزاق جولپالیہ
جماعت پنجم
لطیفیہ عربک کالج
حضرت مکان ویلور

دنیا والوں نے جن علوم وفنون میں ترقی حاصل کرلی ہے ان میں علم تاریخ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے بلکہ تمامی علوم میں اس فن کا قدرِ مشترک ضرور شامل ہے کیونکہ فلکیات، طبعیات، حیاتیات، نفسیات یا اس طرح کا کوئی علم ایسا نہیں جو علم تاریخ سے کسی نہ کسی طرح مس ہوتا ہو اس لئے کہ تمامی علوم کی ترقی کا راز اسی علم میں مضمر ہے۔ یہی وہ علم ہے جس کے ذریعہ ماضی کے لوگوں کے حالات اور ان کے نظریات، مشاہدات وتجربات بعد میں آنیوالی نسلوں کو معلوم ہوتے ہیں اور یہ معلومات ان کے آگے بڑھنے اور ترقی سے ہمکنار ہونے کے لئے ممد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔

جب انگریز ہندوستان میں اپنے قدم جما چکے تو انہوں نے ہندوستان کی جغرافیہ کے ساتھ یہاں کی تاریخ کا بھی وسعت نظری کے ساتھ مطالعہ کیا اور سابقین کے وہ آئین جہانبانی جن کی بدولت انہیں ترقی ووسعت اور ثبات نصیب ہوا تھا حتی المقدور انہیں اپنانے کی کوشش کی جس کی بنا ایک عرصہ تک ان کا اقتدار برقرار رہا۔

سچ پوچھئے تو تاریخ ہر فن کے طالب کے لئے گائیڈ اور رہبر کا کام دیتی ہے۔ اس وجہ سے ہر کسی کی دلچسپی کا باعث ہے جسکی روشنی میں ہم اسلاف کی کامیابی، کامرانی ان کے عروج وزوال اور فلک پہ آفتاب عالمتاب بن کر چمکنے والے اور زمین کی پستیوں میں گرد وغبار کی طرح مارے مارے پھرنے والوں کے احوال کا بخوبی معائنہ کرسکتے ہیں۔

تاریخ کیا ہے؟ تاریخ کل بنی نوع انسان کی تہذیب وترقی کی ایک داستان ہے۔ اگر کسی سلطنت وحکومت کے استحکام وانحطاط کے اسباب یا ان کے عروج وزوال اور دینی ومذہبی، تہذیبی وتمدنی، ادبی وثقافتی، عقائد وطرز معاشرت اور ان کے اخلاقیات وتعلیمات وغیرہ سے واقفیت حاصل کرنا ہو تو ہماری اس تشنگی کو تاریخ ہی کما حقہ بجھا سکتی ہے۔

یہی وہ فن ہے جس کو خاص وعام میں یکساں مقبولیت حاصل ہے۔ چنانچہ بادشاہ ووزیر، امیر وغریب غرض ہر انسان اسکو بڑی دلچسپی ورغبت کے ساتھ پڑھتا ہے اور اس کی روشنی میں اپنا مستقبل بنانے کی کوشش کرتا ہے چونکہ تاریخ ایام خالیہ وملل ماضیہ کی جلائی ہوئی شمع ہے جو آئندہ آنے والی نسلوں کی رہبری ورہنمائی کرتی ہے اور اسلاف کے ادیان ومذاہب، اخلاق وعادات سیرت وخصلت غرض ان کی ہر ادا کو واضح کر دیتی ہے

اگر ہمارے پاس ان کی تاریخ موجود نہ ہوتی تو ہم ان کے احوال خصوصاً انبیاء و رسل، علماء و اولیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ہدایات و ارشادات اور اخلاقی تعلیمات سے بالکل محروم و نابلد ہوجاتے اور ہمارے سامنے کوئی ایسا راستہ نہ ہوتا جس پر چل کر ہم کامیاب و کامران ہوجاتے۔

اگر آج کوئی انسان کسی قوم کے اسباب عروج و زوال میں کھوج لگا کر ان کی لغزشات و تجربات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو اپنی زندگی کا لائحۂ عمل بنا کر مستقبل کو سنوارنے میں کامیاب ہوتا ہے تو اس کو کامیابی کا سہرا تاریخ ہی کی بدولت عطا ہوتا ہے کیونکہ ماضی کی تاریخ اساس مستقبل ہوتی ہے جس کے بغیر انسان کا ایک قدم بھی آگے بڑھنا ناممکن و محال ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ۱۹۴۸ء میں جب اسرائیل کا وجود ہوا تو پہلے پہل یہ حکم نافذ کر دیا گیا کہ ہر تعلیم یافتہ یہودی اسپین کی اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرے اور اس کا ہر گھر میں ہونا امر لازم تھا تاکہ اس بات کا علم ہو جائے کہ ابتداءً مسلمانوں کا وہ کونسا طریقۂ کار تھا جس کی بنا ان کا ہر قدم لمحہ بہ لمحہ ترقی و عروج کے منازل پر ہوتا تھا اور آج تنزلی اور زبوں حالی کے شکار ہوتے جارہے ہیں۔

تاریخ ہر طریقہ سے ہماری رہبری کرتی ہے، اگر اس کا ایک پہلو ظاہری واقعات اور داستانوں سے دلوں کی تھکان و تھاوٹ کو دور کرکے دماغ کو راحت و فرحت بخشتا ہے، اور اقوام عالم کے نقشۂ حیات کو تہ و بالا کر دینے والے انقلابات کی خبر دیتا ہے تو اس کا دوسرا پہلو ہم کو ان واقعات کی ان کڑیوں سے آگاہ کرتا ہے جس کی بنا پر یہ واقعات رونما ہوئے تھے، اور اس بات سے بھی روشناس کراتا ہے کہ ان کے وجود میں آنے اور رونما ہونے کے اصل اسباب کیا تھے اور کن وجوہات کی بنا انہیں دردناک و ہلاکت کن انقلابات سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ انہی چیزوں کے جاننے کا نام تاریخ ہے۔ یوں تو واقعات و قصص کا سلسلہ ابتدائے آفرینش سے چلا آرہا ہے جو آج کل پرانی داستانوں اور افسانوں کے نام سے بیان کئے جاتے ہیں۔ جن میں اکثر و بیشتر فرضی و بے بنیاد ثابت ہوئے ہیں۔

اگر تاریخ نویسی آسان نہیں تو دشوار اور کٹھن ضرور ہے جس پر خامہ فرسائی کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں، بلکہ وہی شخص اپنی نوک قلم کو جنبش دے سکتا ہے جو تاریخ نویسی کے فرائض سے آشنا ہو نیز مؤرخ پر یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اپنی تاریخ میں زمانہ کی سوسائٹی کا رنگ، طرز معاشرت، سیرت و صورت، مذہب و ملت، زمان و مکان کو ہر حال میں ملحوظ رکھے، خصوصاً زمان و مکان کا خاص خیال رکھا جائے، چونکہ اس سے قول میں وثوق و رسوخ پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ تاریخ کی اصل و روح یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ہر حال میں زمانہ کو ملحوظ رکھا ہے۔ جہاں دیکھو ولادت مسیح سے ثبوت ہوگا یا ہجرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے گویا یہ دونوں تاریخ کے سنگ بنیاد ہیں۔ یہی وہ اسباب ہیں جو اسلامی تاریخ کو اقوام عالم کی تمام تواریخ سے ممتاز کر دیتے ہیں۔

اس فن کی تدوین و اشاعت میں پہلے پہل عربوں نے پیش قدمی کی اور انہوں نے اس فن سے اپنی بے پایاں دلچسپی کا ثبوت دیا حتیٰ کہ ماضیات کو انہوں نے نثر سے زیادہ نظم

کے جامہ میں محفوظ کر لیا لیکن اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا کہ تاریخ کی تدوین کب اور کیونکر ہوئی۔ البتہ اسلم جیراجپوری صاحب اپنی تصنیف تاریخ الامت حصہ سوم میں اس طرح رقمطراز ہیں کہ "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو تاریخ کا بہت ذوق تھا وہ لوگوں کو ملازم رکھ کر ان سے گزشتہ حالات سنا کرتے تھے۔ ان کے حکم سے عبید بن شریہ ایک یمنی شخص نے قدیمی واقعات کو ایک کتاب کی شکل میں مدون کیا تھا۔

مذکورہ اقتباس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اسلامی تاریخ کی ابتدا عہد بنی امیہ ہی سے ہو چکی تھی۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ ہر مہذب و متمدن قوم اپنی زبان میں اپنی تاریخ محفوظ کرنے لگی جو آج تقریباً ہر زبان میں یہ فن رائج ہو چکا ہے۔

"تاریخ ابتداءً شہنشاہ، سلاطین اور امور جہانبانی پر مشتمل ہوتی تھی لیکن ترقیات زمانہ نے اس کو بہت ہی وسیع بنا دیا۔ رفتہ رفتہ تقریباً ہر قسم کی تاریخ رائج ہو گئی۔ لیکن انسانی تاریخ صرف دو حصوں میں منقسم ہو سکتی ہے۔ ایک تاریخ عام جس میں کائنات کی ہر برگزیدہ و صاحب کمال، ظالم و جابر غرضیکہ اکثر و بیشتر انسانوں کی شخصیات کے متعدد پہلو اجاگر کئے جاتے ہیں۔ دوسری تاریخ خاص جس میں ایک قسم کی تخصیص و انحصار پایا جاتا ہے۔ چنانچہ تاریخ اسلام بھی خاص ہی کی ایک قسم ہے جو بہ نسبت اور تواریخ مذاہب و ملل کے بہت سی خوبیوں کی متحمل ہے کیونکہ مسلمانوں نے ابتدا ہی سے اپنی تاریخ محفوظ کر رکھی ہے، بایں طور کہ واقعات و روایات کے تسلسل اسناد کو کہیں بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا۔

اسلامی تاریخ ہی ہے جو ہمیں سینکڑوں سال قبل خلاق عالم کے مبعوث کردہ انبیاء و رسل اور برگزیدہ صاحب کمال ہستیوں کی شخصیات، ان کے ارشادات سے روشناس کراتی ہے خصوصاً خاتم النبیین سید المرسلین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و اولیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اخلاق و اقوال، تعلیمات و پیغامات اور ارشادات طیبہ سے پوری اسلامی تاریخ معمور ہے جو اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ تاریخ کے اوراق پر درخشاں و تاباں نظر آتے ہیں جنہیں پڑھ کر ایک گمراہ شخص بھی راہ راست تلاش کر سکتا ہے، اور اپنے مقصد تخلیق کو کما حقہ سمجھنے کی اس میں استطاعت و سکت پیدا ہو جاتی ہے۔ نیز اسلامی تاریخ کی اوراق گردانی سے صحابۂ کرام و اولیائے عظام کے ایسے ایمان افروز واقعات بھی دکھائی دیں گے جو ہمارے ایمان کی تازگی و تقویت کا باعث ہوں۔

مثلاً جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے، تو مختلف مظالم و آلام کا نشانہ بن گئے۔ جب آفتاب نصف النہار پر ہوتا تھا تو ان کو تپتی ہوئی ریت پہ لٹا کر سینے پہ پتھر رکھ کر مکے کی گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے اور کہتے کہ اگر تم اپنے نئے دین سے باز آ جاؤ تو تمہارے لئے نجات ہے لیکن اس انتہائی کرب و الم کے عالم میں بھی اس عاشق رسول و فرزند توحید کی زبان پر "احد، احد" کا ورد رہتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ تاریخ میں ایسے فرزندان توحید کے متعدد نصیحت آموز واقعات نظر آئیں گے جن سے ہم بہت کچھ مستفید ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ تاریخ قوموں کا آئینہ ہوتی ہے جو آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک مشعل راہ ثابت ہوتی ہے اور ہدایت و رہبری کا کام دیتی ہے۔

بہر کیف مقصد بیان یہ کہ تاریخ میں انسانی زندگی کے مختلف و متعدد راز پنہاں ہوتے ہیں جو اس کے مطالعہ کے

بعد خود بخود وہم پر واضح ہو جاتے ہیں۔ تاریخ کا ایک رخ عالم انسانیت کے نقشۂ حیات کو زیر وزبر کردینے والے انقلابات بالخصوص ظالمین وجابرین، باسطوت وباجبروت اقوام کی اخلاقی خامیاں، اور ان کی حیرت انگیز داستانیں عبرت خیز انداز میں سُنا سُنا کر کہتا ہے کہ اے لوگو! تم ایسے افعال وامور سے پرہیز کرو تاکہ تمہیں بھی یہ ہیبت ناک اور دردناک سزائیں بھگتنی نہ پڑیں تو دوسرا رخ انبیاء ورُسل اور صالحین وسالکین کی ہدایات وارشادات اور ان کی صوفیانہ زندگی کے مختلف گوشوں کو اُجاگر کرتے ہوئے فلاح وبہبودی کے لہجہ میں کہتا ہے کہ اے لوگو! تم بھی انہیں کے نقش قدم پر چلو اور ان کے اقوال پر گامزن ہونے کی کوشش کرو تاکہ کامیابی خود تمہارے قدم چومے اور تمہارا نام افق دنیا میں نیکنامی کے ساتھ تابندہ وپائندہ ہو جائے۔

تاریخ سے ہم بہت کچھ حاصل کرسکتے ہیں بشرطیکہ اس کا مطالعہ تحقیقی وتنقیدی پہلو سے کیا جائے۔ محض بڑی بڑی انقلابی حالتوں کے ظاہری عنوان تک نظروں کو محدود رکھنے یا طول طویل واقعات وداستانوں کو زبان زد کرلینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ چونکہ ہمارا مقصد تاریخ کے مطالعہ سے داستان یا وقائع کو پڑھ کر دل بہلانا ہی نہیں بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ اس زمانہ کی سوسائٹی کا رنگ کیا تھا اور اخلاقی وعلمی ترقی کا کیا معیار رہا ہے اور کن اسباب نے دنیا کو متاثر کیا ہے تاکہ ہم ان کی لغزشوں سے پرہیز کریں اور تجربات سے استفادہ کریں۔ نیز ہمارا انداز مطالعہ بھی ناقدانہ ونابغانہ ہو تاکہ ہر شئی کی اصل الاصول کھل کر ہمارے سامنے آجائے جس سے ہم اپنا مستقبل بنا سکیں ورنہ ہمارا مقصد مطالعہ بالکل فوت ہو جائیگا اور ہم بجائے ہدایت کے ضلالت وگمراہی کے عمیق غاروں میں جا گریں گے۔ مثلاً اسلام کے متعلق بعض متعصبین اقوام اپنی تواریخ میں لکھتے ہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا جس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام نے جبر واستبداد کو روا رکھا اور اپنی اشاعت میں اس سے مدد کا خواہاں ہوا حالانکہ اسلام کے پھیلانے کی وہ زبردست قوت جو نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم میں تھی، وہ آپ کے اخلاق حسنہ تھے، جو وحشیان عرب کو ایک قلیل وقصیر مدت میں توحید ورسالت کے شیدائی وجان نثار بنا دیا۔ اور جتنی بھی ان کے مخالف طاقتیں اُبھریں مجاہدانہ وار مقابلہ کیا۔ اور ان کے قدم جادۂ استقامت سے کبھی لغزش نہیں کھانے پائے۔

غرض اسی طرح بہت سے ایسے دوسرے واقعات بھی نظر سے گذریں گے جنہیں محض تعصب کی وجہ سے، یا لکیر کے فقیر بن کر متقدمین کے جھوٹے اور فرضی واقعات یا غلط تصورات بغیر غور وفکر، تحقیق وتدقیق کے نقل کردئے گئے ہیں۔ لہذا مطالعۂ تاریخ غور وتعمق اور ناقدانہ انداز سے ہونا چاہئے۔ تاکہ ہر چیز کی اصلیت وحقیقت کی گہرائی تک پہنچکر حقیقی راہ اپنے لئے قائم کرسکیں، اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی سعی کریں۔

جو کوئی نظریات مذکورہ کو مدنظر رکھتے ہوئے تاریخ کا مطالعہ کریگا تو تاریخ اس کی ترقی کی ہر ہر منزل پہ معاون ومددگار ثابت ہوگی اور آگے بڑھنے پر اس کی ہمت افزائی کرے گی۔ ۱۲

ایک کا ایک ہے سرکوب کہ یہ دُنیا ہے
ہے جو فرعون یہاں اسلئے موسیٰؑ بھی ہے

کون نہیں جانتا کہ نور و ظلمت کا تصادم ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ حق و باطل کی معرکہ آرائیاں ازل سے جاری ہیں قیامت تک جاری رہینگی۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ ہمیشہ حق کو فتح نصیب ہوئی اور باطل اپنی پوری توانائیوں کے باوجود ذلیل اور خوار ہوا اور ہر جگہ اس کو رسوائی ملی۔ جس وقت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاران کی چوٹیوں سے آوازِ حق کو بلند فرمایا ہے تو دنیا نے آپ کو کبھی نہیں چھوڑا اور ایذا رسانی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت، اور موعظۃ حسنہ سے اپنے مشن کو جاری رکھا اور قلیل ترین مدت میں اتنی عظیم کامیابی حاصل کی کہ جس کی مثال دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو اشاعت اسلام کا حکم دیا تو سب سے پہلے آپ نے اپنے خویش و اقارب کے سامنے اس کو پیش فرمایا اور خدا کے عذاب سے ڈراتے ہوئے راہ راست پر چلنے کی دعوت دی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وانذر عشیرتک الاقربین میں سے آپ کا بنیادی پہلو اجاگر ہوکر سامنے آتا ہے کہ کس لئے آپ نے سب سے پہلے اپنے ہی کنبے والوں میں دعوت دی۔ یہی وہ چیز تھی جس نے لوگوں کو سوچنے اور سمجھنے پر مجبور کردیا۔ اور لوگ دائرۂ اسلام میں جماعت در جماعت داخل ہوتے گئے۔

پیش نظر مضمون میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ کن اصول کی بنا دورِ حاضر میں اشاعتِ اسلام ہوسکتی ہے جبکہ آج چاروں طرف ہم برائی کی نئی نئی طاقتوں کو ابھرتے دیکھ رہے ہیں اور اخلاقی پستی اپنی آخری حد پر پہنچ چکی ہے۔

اشاعت اسلام کے کئی طریقے اور اصول ہیں، ان تمام میں بہتر اور مناسب طریقہ جو اس دور کے مطابق ہے وہ اس اصول پر ہو کہ سب سے پہلے زمانہ کی نبض کو خوب پرکھ لیں، اور لوگوں کی طبیعتوں کا اس طور سے جائزہ لیں کہ آج کے اس دور میں کن کن زاویوں اور پہلوؤں سے روشنی ڈالنے پر اسلام کی اشاعت ہوسکتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں اسلام جاگزیں ہوسکتا ہے۔

اس کے لئے کچھ تیاری اور وقت چاہیئے کہ انسان تبلیغ سے قبل اپنے کچھ اصول و ضوابط مقرر کرلے جو انسان کی صحیح رہنمائی کرسکتے ہوں اور ہر حال میں سازگار ثابت ہوتے ہوں۔

اس کے لئے شرط یہی ہے کہ خود کو پہلے عملی جامہ سے آراستہ و پیراستہ کرلے پھر عملی میدان میں قدم رکھے۔ چنانچہ جب ایک شخص حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ عرض کی ادید ان امر بالمعروف وانھیٰ عن المنکر فقال له ابن عباس ابلغت تلك المنزلة؟ قال ارجو، فقال له ان لم تخش ان تفضح بثلث ایات من کتاب الله فافعل۔ قال الرجل وما ھن؟ قال قوله اتامرون النّاس" ایة فهل احکمت هذه قال لا۔ فقال والثانية قوله "لم تقولون مالا تفعلون" فهل احکمتها؟ قال لا، فقال والثالثة، فقالة شعیب، ما ارید ان اخالفکم الی ما انھٰکم عنه" فهل احکمتها؟ قال لا۔ قال فابدأ بنفسك (الدعوة)

غرض آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس لائق بن گئے ہو کہ لوگوں میں تبلیغ اسلام کرتے رہو۔ اس شخص نے کہا ہاں امید ہے ایسا کرسکتا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر تمہیں یہ خوف نہ ہو کہ قرآن شریف کی تین آیتیں[۳] تمہیں رسوا کردینگی تو ضرور تبلیغ کرسکتے ہو۔ اس شخص نے کہا وہ تین آیتیں کونسی ہیں؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا پہلی آیت یہ ہے:۔

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم (البقرہ)

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو؟ اور دوسری آیت لم تقولون مالا تفعلون" تم کیوں کہتے ہو وہ بات جس کو خود کرتے نہیں؟ کیا تم نے اس آیت پر اچھی طرح عمل کرلیا ہے؟ اس شخص نے کہا اور تیسری آیت ما ارید ان اخالفکم الی ما انھٰکم عنه (سورۂ ہود) حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا۔ تم یہ خیال ہرگز نہ کرنا کہ میں جن بری باتوں سے تمہیں روکتا ہوں ان کو بڑھ کر میں خود کرنے لگوں۔ ہرگز کبھی میری نیت ایسی نہ ہوگی۔ بلکہ میں تو ایسی باتوں سے بہت دور رہوں گا اور تم کبھی میرے قول و عمل میں تضاد نہ پاؤگے۔ حضرت ابن عباسؓ نے پھر اس شخص سے پوچھا کہ کیا اس آیت پر پوری طرح عمل کرلیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا جاؤ پہلے خود کو نیکی کا حکم دو اور برائیوں سے روکو۔ یہی تبلیغ کی سب سے پہلی منزل اور زینہ ہے۔

مذکورہ واقعہ سے یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ شخص جو تبلیغ کا شوق رکھتا تھا خود سے غافل اور اس قابل نہ تھا کہ لوگوں میں تبلیغ کرسکے کیونکہ تبلیغ کے لئے شرط ہے کہ پہلے خود اس پر عمل پیرا ہوجائے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابن عباس نے صورت حال کا جائزہ لیکر اس کو عمدہ مشورہ دیا تھا کہ کہیں اگلوں کی طرح اس کا حشر بھی نہ ہوجائے۔

چنانچہ بخاری شریف کی ایک حدیث ہے:۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یجاء بالرجل یوم القیمة فیلقی فی النار فتندلق اقتابه فی النار فیطحن فیها کطحن الحمار برحاه فیجتمع اهل النار علیه فیقولون ای فلاں ما شانك، الیس کنت تامرنا بالمعروف وتنهانا عن المنکر؟ قال کنت امرکم بالمعروف ولا اتیه وانھٰکم عن المنکر واتیه (ترجمہ) فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو بلایا جائے گا اور آگ میں پھینک دیا جائے گا جس کی وجہ سے اسکی انتڑیاں آگ میں آنکل پڑیں گی، اور

پھر اسے آگ ہی میں اس طرح سے پھرایا جاوے گا جیسا کہ گدھا اپنی چکی کے اطراف پھرا کرتا ہے تو دوسرے جہنمی لوگ جو اس کے پاس ہونگے وہ کہیں گے کہ اے فلاں یہ تیرا یہ حال ہے؟ کیا تم ہم کو دنیا میں نیکیوں اور بھلائیوں کی تلقین کرتے اور برائیوں سے نہیں روکتے تھے؟ تو وہ شخص کہیگا کہ میں تو تمہیں نیکیوں کی تلقین کیا کرتا تھا اور خود کو اس چیز سے آراستہ نہیں کرتا تھا اور برائیوں سے تم کو روکتا رہا لیکن خود برائی کرتا تھا۔ ایک اور حدیث ملاحظہ ہو :-

ان رسول اللہ علیہ وسلم قال رایت لیلۃ اسری بی رجالا تقرض شفاھھم بمقارض من نار قلت من ھولاء یا جبریل؟ قال ھولاء خطباء امتك یامرون الناس بالبر وینسون انفسھم (مشکوٰۃ) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی شب کچھ لوگوں کو دیکھا کہ آگ کی قینچیوں سے ان کے ہونٹ کاٹے جا رہے ہیں، تو جبرئیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ جبرئیل نے عرض کیا کہ حضورؐ یہ آپ کی امت کے خطیب یعنی مقررین ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نیکی اور تقویٰ کا حکم کرتے اور خود اپنے کو بھول جاتے تھے جس کی سزا آج انہیں دی جا رہی ہے۔ مذکورہ احادیث سے یہی پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی تبلیغی میدان میں کمربستہ ہوکر آتا ہے تو سب سے پہلے ناصح کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ میدان عمل میں آگے رہے۔

آج کے اس دور میں اشاعتِ اسلام اس طرح سے ہو کہ سب سے پہلے لوگوں کے خیالات اور تفکرات کا اچھی طرح سے جائزہ لیں اور ابتداءً جب تبلیغ کی جانے لگے تو پہلے یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ کیا سامعین کے دل اس کی جانب مائل ہو رہے ہیں، یا نہیں۔ اس وقت تک ہمیں ان کے خیالات اور جذبات کا لحاظ رکھنا عین ضروری ہوگا تاکہ کہیں وہ اس سے روگردانی نہ کرلیں۔ چنانچہ جب زکوٰۃ فرض ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ اب آپ (صلعم) لوگوں سے زکوٰۃ وصول کریں تو آپ نے ایک آدمی کو زکوٰۃ کی وصول یابی کے لئے مقرر فرمایا اور اسے یہ وصیت کی کہ دیکھو تم لوگوں کے بہترین مال میں سے زکوٰۃ نہ لینا جو ان کے دلوں سے تعلق رکھتے ہوں۔ تم بوڑھی اونٹنیاں لینا اور ایسی اونٹنیاں لینا جن کے بچے نہ ہوں اور عیب دار اونٹنیاں لینا جیسا کہ حدیث کے الفاظ ہیں :- ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم بعث رجلا یصدق الناس حین امرہ اللہ ان یاخذ الصدقۃ فقال لہ لا تاخذ من حزرات انفس الناس شیئا خذ الشارف والبکر وذات العیب فذھب فاخذ ذلك علی ما امرہ النبی یاخذ حتی جاء الی رجل من اھل البادیۃ فذکر لہ ان اللہ امر رسولہ ان یاخذ الصدقۃ من الناس یزکیھم ویطرھم بھا فقال لہ الرجل قم فخذ فذھب فاخذ الشارف والبکر وذات العیب فقال لہ الرجل واللہ ما قام فی ابلی احد قط یاخذ شیئا للہ قبل واللہ لتختارن۔

چنانچہ یہ محصّل گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق لوگوں کے مویشیوں کی زکوٰۃ وصول کیا یہاں تک کہ وہ ایک عرب دیہاتی کے پاس گیا اور اس سے یہ ذکر کیا کہ اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں سے زکوٰۃ وصول کریں۔ یہ زکوٰۃ ان کی گندگی کو دُور کرے گی، اور ان کے ایمان کو بڑھائیگی۔ غرض اس دیہاتی نے محصّل سے

کہا کہ یہ ہمارے مویشی ہیں جاؤ اور ان میں سے جو چاہے لے لینا۔ غرض محصل گیا اور ان مویشیوں میں سے بوڑھی عیب دار اور بے بچہ کی اونٹنیاں لے لیں۔ اس دیہاتی نے کہا کہ "آج تک تم سے پہلے یہاں کوئی شخص ہماری اونٹنیوں میں سے خدا کا حق حاصل کرنے کے لئے نہیں آیا۔ خدا کی قسم تمہیں تو بہتر اونٹ لینے ہوں گے۔"

لیکن جب لوگ رفتہ رفتہ اسلام میں داخل ہوتے گئے اور دین لوگوں میں جڑ پکڑنے لگا اور دن بدن ان کی اصلاح اور تربیت ہونے لگی تو حال یہ ہوا کہ مدینہ سے دور افتادہ دیہات میں بسنے والے بھی اس بات پر اکثر اصرار کیا کرتے کہ اپنے اچھے مویشیوں میں سے زکوٰۃ لیں۔ چنانچہ ہر ایک اپنے بہترین مال میں سے زکوٰۃ دینے لگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت کی نزاکت اور لوگوں کے خیالات کا جان لینا نہایت ضروری اور لازم ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ دلوں کی کچھ خواہش، اور میلانات ہوا کرتے ہیں کسی وقت وہ بات قبول کرنے کو تیار رہتے ہیں اور کسی وقت بن کے لئے تیار نہیں رہتے تو لوگوں کے دلوں میں ان میلانات کے اندر سے داخل ہو، اور اس وقت اپنی بات کہو جب کہ وہ پوری طرح سے سننے کے لئے تیار ہوں۔ اس لئے کہ دل کا حال کچھ عجیب سا ہے۔ کبھی خوش اور کبھی غم آلود۔ جب اُسے کسی بات پر مجبور کیا جاتا ہے تو بالکل ہی وہ اندھا ہو جاتا ہے اور قبول کرنے سے بالکل انکار ہی کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے حالات کا جائزہ لیں اور پھر موقع و محل دیکھیں کہ کیا اس وقت ہمارا کہنا اثر انگیز ہوگا یا نہیں۔ اور لوگ ہماری باتوں پر کان لگائیں گے یا نہیں، اور ہر وقت اس کسان کی طرح رہنا چاہیئے جس کو ہمیشہ بارش کا انتظار رہتا ہے اور جونہی بارش ہوتی ہے زمین کو تیار اور زرخیز بنانے لگتا ہے۔

کبھی کبھی لوگ بار بار کے کہنے سے اکتا جاتے ہیں اور وعظ و نصیحت سے بالکل متنفر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عکرمہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ وعظ کہا کرو یا دو مرتبہ کر سکتے ہو اور تین مرتبہ سے زیادہ نہ کہنا اس سے لوگ متنفر ہو جاتے ہیں اور یاد رکھو کہ ہرگز کبھی ایسا نہ ہونے پائے کہ تم لوگوں کے پاس پہنچو اور وہ اپنی اپنی باتوں میں منہمک و مشغول رہیں اور تم اپنا وعظ شروع کر دو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم خود ہی ان کو وعظ و نصیحت سے برگشتہ کر دو گے بلکہ ایسے موقعوں میں خاموشی اختیار کر لو اور جب تم خود ان کے اندر خواہش کو دیکھو اور وہ بھی تم سے اس بات کا مطالبہ کریں کہ اب ہمیں کچھ خدائی احکام سناؤ تو جب تم اس طرح ان کے میلانات کو دیکھو تو اس وقت جو کچھ کہنا مقصود ہو کہو پھر آپ نے تاکیداً یہ بھی فرمایا کہ دیکھو کبھی بھی مسجع و مقفیٰ عبارتیں نہ بولا کرو۔ کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو دیکھا ہے کہ کبھی تکلف کے ساتھ عبارت آرائی نہیں کیا کرتے تھے۔

ہر زبان میں بولنے اور تقریر کرنے کے کچھ الگ ہی ڈھنگ اور طرز ہوا کرتے ہیں۔ انہیں جاننا عین ضروری ہے مقصود تو سامعین کے دلوں میں اپنی بات اتارنی ہوتی ہے اور ان کو ہدایت پر لانا ہوتا ہے۔ لوگ جس قسم کے ہوں اسی لحاظ اور اسی قسم کی زبان اور بیان ہونا چاہیئے۔ کم پڑھے اور نادانستہ لوگوں کے سامنے فلسفیانہ انداز میں بولنا اور نہایت ہی مشکل الفاظ اور ترکیبوں کا استعمال کرنا

گویا دعوت کو بے نتیجہ بنانا ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب کبھی وعظ فرماتے تو اس طرح کہ ہر خاص و عام آپ کی باتوں کو خوب سمجھ لیتا۔ چنانچہ آپ (صلعم) کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کان کلامہ کلاماً فصلا یفہمہ کل من یسمعہ یعنی آپ کا کلام اتنا صاف ہوا کرتا کہ ہر سننے والا سمجھ جاتا۔ کبھی کوئی محفل بعض وقت ایسی بھی ہوتی ہے کہ جہاں ہر ایک پڑھا لکھا ہی نہیں ہوتا اور ساتھ ہی ہر ایک کا سمجھنا اور غور و فکر کرنا الگ الگ ہوا کرتا ہے تو ایسی جگہوں میں عام و خاص کا لحاظ کرتے ہوئے ایک ہی بات کو کئی ایک زاویوں اور پہلوؤں سے سمجھانے کی کوشش کرنا ہوگا تاکہ کسی کے سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار بھی یہی رہا کہ آپ ایک ہی بات کو کئی ایک مرتبہ سمجھاتے اور کئی دفعہ اس کا اعادہ کیا کرتے۔ چنانچہ بخاری شریف میں آیا ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلثا حتی تفھم عنہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ضرورت محسوس کرتے تو ایک ہی بات کو تین مرتبہ دہراتے تاکہ وہ بات لوگوں کی سمجھ میں اچھی طرح آجائے۔

آج زمانہ جوں جوں تیزی کے ساتھ ترقی کرتا جا رہا ہے ویسے ہی وہ دوسری جانب سے اسلامی حقائق سے بالکل بے بہرہ اور ناآشنا ہوتے چلا جا رہا ہے۔ گویا وہ جس مقصد کے تحت یہاں بھیجا گیا تھا اُسے بالکل ہی فراموش کر بیٹھا ہے۔ ایسی پستی اور گمراہی کے موقعہ پر جبکہ مسلمانوں کا روحانی اقتدار ہچکیاں لے رہا ہے ہر عقل سلیم رکھنے والے کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ اس ہاتھ سے چھوٹی ہوئی لگام کو پھر مضبوطی سے تھامتے ہوئے اس بحر بیکراں میں ڈوبتی ہوئی ناؤ کو غرق ہونے سے بچالیں ورنہ سب کے ساتھ وہی معاملہ درپیش ہوگا جو خدا کی نافرمانی کرنے کی بنا بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آیا تھا۔ چنانچہ جب بنی اسرائیل خدا کی نافرمانی کرنے لگے اور سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو ان کے علماؤں نے انہیں تنبیہ کی اور بہت روکا۔ غرض ہر طرح سے سمجھانے کے بعد بھی وہ اپنی ہی شرارت پر تلے رہے تو یہ بجائے ان کا بائیکاٹ کرنے کے خود بھی ان کی مجلسوں میں اٹھنے بیٹھنے لگے اور پھر ان ہی کے ساتھ کھانے پینے لگے۔ جب ایسا ہوا تو خدا نے بھی ان سب کے دل ایک جیسے کر دئے یعنی ان کے علماؤں کو بھی ان کے ہی جیسا کر دیا۔ اور پھر حضرت داؤدؑ اور عیسٰی ابن مریم کی زبان سے ان تمام پر لعنت کرائی اور سارے کے سارے اس طرح ہلاک کر دئے گئے جیسا کہ ان کا وجود تھا ہی نہیں۔ ہمارا کسی کو غلط راہ پر چلتے ہوئے دیکھ کر خاموشی اختیار کر لینا اور ان کو کج راہ سے باز نہ رکھنا گویا آئندہ خود کو بھی ہلاکت کا باعث بنانا ہے۔

جب تک انسان دنیا میں رہے وہ یہی سمجھتا رہے کہ ہم تمام ایک ہی کشتی کے ذریعہ منزل مقصود پہنچنا ہے۔ کشتی کا ہلاکت کی جانب جاتے ہوئے دیکھ کر بھی خاموش رہنا گویا ساروں کو موت کی طرف ڈھکیلنا اور تباہ کر دینا ہے۔

بخاری شریف کی ایک حدیث ہے عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل المدھن فی حدود اللہ والواقع فیھا مثل قوم استھموا سفینۃ فصار بعضھم فی اسفلھا وصار بعضھم فی اعلاھا فکان الذی فی اسفلھا یمر بالماء علی الذین فی اعلاھا فتاذوبہ فاخذ فاسا فجعل ینقر اسفل السفینۃ۔ فاتوہ

فقالوا مالک ؟ قال تاذیتم بی ولا بدلی من الماء فان اخذوا علی یدیہ انجوہ ونجوا انفسھم وان ترکوہ اھلکوہ واھلکوا انفسھم ۔

(ترجمہ) "حضرت نعمان بن بشیر رضی فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ وہ شخص جو اللہ کے احکام کو توڑتا ہے، اور وہ جو اللہ کے احکام کو توڑتے ہوئے دیکھتا ہے مگر اسے ٹوکتا نہیں اس کے ساتھ رواداری برتتا ہے، ان دونوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے چند لوگوں نے ایک کشتی لی اور قرعہ ڈالا اس کشتی میں کئی ایک درجے بانٹے جاتے تھے، اوپر نیچے، چند اوپر والے حصے میں جا بیٹھے اور چند نچلے حصہ میں، جو لوگ نچلے حصے میں بیٹھے ہوئے تھے وہ پانی حاصل کرنے کے لئے اوپر والوں کے پاس سے گذرا کرتے تاکہ سمندر سے پانی لیں، تو ان کے اس فعل اور آنے جانے میں اوپر والوں کو تکلیف پہنچی ۔ بالآخر نیچے والوں نے کلہاڑی لی اور کشتی کے نچلے حصہ کو سوراخ کرنے لگے، جب ایسا کرتے دیکھا تو اوپر کے لوگ ان کے پاس آئے اور کہا کہ تم یہ کیا کرتے ہو، تو ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں پانی کی ضرورت ہے اور سمندر کا پانی اوپر جاکر ہی بھرا جاسکتا ہے اور تم ہمارے آنے جانے سے تکلیف محسوس کرتے ہو تو اب کشتی کے تختہ کو توڑ کر دریا سے پانی حاصل کریں گے ۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مثال بیان کرکے فرمایا اگر اوپر والے نیچے والوں کا ہاتھ پکڑ لیتے اور سوراخ کرنے سے روک دیتے ہیں تو انہیں بھی غرق ہونے سے بچالیں گے اور خود کو بھی بچالے جائیں گے اور اگر انہیں ان کو اس فعل سے نہیں روکتے اور چشم پوشی اختیار کرتے ہیں تو خود بھی ڈوبینگے اور انہیں بھی ڈبوئینگے ۔

چند لوگ ضرور یہ خیال کرتے ہوں گے کہ ہم تو شریعت پر اچھی طرح جب عمل پیرا و کاربند ہیں اور ہم میں نماز، روزہ، زکوٰۃ و دیگر لوازمات دین ہر ایک جب بدرجۂ اتم موجود ہے تو پھر کس چیز کی کمی کہ ہم دوسروں کو بھی برائیوں اور گمراہیوں سے بچنے کی تلقین کرتے رہیں۔ ہم اپنا کام کریں، وہ اپنا کام کرتے رہینگے۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال وحساب وکتاب کا محافظ وذمہ دار ہے تو پھر ہمارا خواہ مخواہ کا الجھنا کس کام کا۔ اسی لئے حضورﷺ نے انہیں یہ مثال دیکر سمجھا دیا کہ اگر کوئی شخص اس قسم کے خیالات کو اپنے اندر رکھتا ہے تو وہ سراسر غلطی پر ہے اور اس کا اس طرح سے سمجھنا نادانی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی !
کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان ست

دورِ حاضر میں اسلام کی اشاعت کتابوں کے توسط سے بھی کی جاسکتی ہے۔ اس میں جہاں بہت سی خوبیاں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ کتابوں کو بآسانی دور ممالک تک بھیجا جاسکتا ہے، اور لوگ اپنے مطالعہ سے اسلام کی حقیقتوں کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ خبر اکثر رسائل واخبار میں پڑھی گئی، فلاں انگریز نے اسلامی کتابوں کا مطالعہ کرکے اسلام قبول کرلیا اور فلاں اسلامیات کا مطالعہ بہت ہی گہری نظروں سے کر رہا ہے اور اسلام کی حقیقتوں کا معترف ہے۔ الغرض تحریری تبلیغ صرف مسلمانوں تک کارگر نہ ہوگی بلکہ دوسرے بھی جب اسلامی لٹریچر کا مطالعہ اور اسلامی ذخائر کا مشاہدہ کرینگے تو ان پر بھی کسی نہ کسی دن اس کا ضرور اثر ہوگا ۔

دل رکھ دیا ہے سامنے لاکر خلوص سے
اب آگے اس کے کام تمہاری نظر کا ہے

وما توفیقی الا باللہ

یک گوشۂ چشمِ التفات

ظفر الملت والدین مولانا ظفر علیخان مرحوم مدیر "زمیندار" لاہور کی شاہکار نعت جس سے آپ کی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ شیفتگی ومحبت کا اظہار ہوتا ہے، جس کو پڑھکر قلب میں سرور اور روح میں تازگی پیدا ہوتی ہے ناظرین کی دلچسپی کے لئے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں ۔ بخاری عہ

—•×•—

اے کہ ترا جمال ہے زینتِ محفلِ حیات
دونوں جہاں کی رونقیں ہیں ترے حسن کی زکوٰۃ

تیری جبیں سے آشکار، پرتوِ ذات کا فروغ
اور ترے کوچہ کا ... غبار سرمۂ چشمِ کائنات

چہرہ کشا کرم ترا، قاف سے تا بہ قیرواں
لطف ترا کرشمہ سنج، کعبہ سے تا بہ سومنات

تیرے سلام کے لئے گلشنِ قدس کے طیور
گھوم رہے ہیں ڈال ڈال، جھوم رہے ہیں پات پات

دیکھتے ہی ترا جلال، کفر کی صف الٹ گئی
جھک گئی گردنِ ہبل، ٹوٹ گیا طلسمِ لات

آنکھ کے اک اشارہ سے تو نے معا بدل دئے
ذہن کے سب تصورات، قلب کے سب تاثرات

غیر کو خویش کر دیا، نیش میں نوش بھر دیا
پل میں درست کر دئے بگڑے ہوئے تعلقات

کیا ہی وہ انقلاب تھا ڈھل گئے جس میں ایک ساتھ
لزبن و پیرس و دمشق، پیکن و دہلی و ہرات

ازہمہ نو کیا گیا، دودۂ آدم ارجمند
اٹھ گئی قیدِ خون و رنگ، مٹ گیا فرقِ نسل و ذات

شانِ خدائے پاک تھی، یثربیوں کی سادگی
جس پہ نثار ہو گئے سب عجمی تکلفات

تری ثنا میں تر زباں ہو گیا جو مری طرح
اس کے قلم میں آگئی شانِ روانیٔ فرات

پست و بلند کے لئے عام ہیں تیری رحمتیں
عرش سے اور فرش سے تجھ پہ سلام اور صلوٰت

اے کہ رواں رواں ترا، درد میں ہے بسا ہوا
کس کو ترے سوا سنائیں جا کے ہم اپنی مشکلات

سر پہ اندھیری رات ہے گھر گئی ہے بھنور میں ناؤ
موجِ بلا ہے تاک میں، دور ہے ساحلِ حیات

تھام کے پایہ عرش کا، کر بہ ادب یہ التجا
اے کہ ہے مبدأ فیوض ایک فقط تیری ہی ذات

بندے بھلے ہوں یا برے تو تو ہے اے خدا کریم
قطع ہو کیوں کریم کا سلسلۂ نوازشات

مورد لطف خاص پر کس لئے آج یہ عتاب!
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

عہ افضل العلماء مولوی سید مصطفے احسین صاحب بخاری کڈپوی (فاضل لطیفیہ) مدرس دارالعلوم لطیفیہ وجنرل سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ

از افضل العلماء
مولوی محمد شبیر احمد صاحب
اکرمی لطیفی مدرس دارالعلوم لطیفیہ ویلور

پیش نظر مضمون میں قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین اعلیٰحضرت مولانا، مولوی محی الدین شاہ عبداللطیف قادری المشہور قطب ویلور قدس سرہ العزیز کی تالیف انیف "فصل الخطاب بہ بین الخطاء والصّواب" کے چند اقتباسات کو مضمون کی شکل دے کر افادۂ ناظرین الالطیف کے لئے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔
اکرمی

خدایا بحقِ بنی فاطمہ رضی اللہ عنہا کہ بر قولِ ایماں کنیم خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول من و دستِ دامانِ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ہر شئی کی فضیلت اور اس کی بزرگی کا دار و مدار اس کی نسبت پر موقوف ہے نسبت جتنی بلند ہوگی اتنی ہی اس کی فضیلت و بزرگی میں اضافہ ہوگا مثلاً کاغذات جو عام کتب یا کاپیوں میں استعمال کئے جاتے ہیں تو ان کی اتنی توقیر نہیں کی جاتی جتنی کہ انہیں کاغذات کا استعمال قرآن و حدیث میں ہوتا ہے تو کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کاغذات کی قدر و منزلت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ ان کو بغیر طہارت کے مس کرنا بھی ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔ قولہ تعالیٰ لا یمسہ الا المطہرون تنزیل من رب العالمین حالانکہ وہ کاغذات قرآن و حدیث میں استعمال کئے جانے سے پہلے ایک معمولی شئی کے علاوہ اور کچھ نہ تھے۔ کیا ان کاغذات کی توقیر اس نسبت کی وجہ سے نہیں ہے؟ جس کی فضیلت میں اس نسبت کی وجہ سے 'چار چاند لگ گئے'۔ اسی طرح ازواجِ مطہرات جن کی بزرگی ظاہر ہے' اس سے پہلے جبکہ یہ مقدس بیبیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں نہیں آئی تھیں تو ان کی وہ عزت و توقیر نہیں تھی جو ازواجِ مطہرات ہونے کے بعد ہوئی اور وہ امّہات المومنین کہلائیں چنانچہ ان کی فضیلت میں یہ آیت نازل ہوئی وازواجہ امّہاتہم پھر حکم ہوا یا نساء النبی لستن کاحد من النساء گویا دوسری عورتوں سے انہیں امتیازی شان حاصل ہوگئی۔ نیز یہ بھی حکم ہوا یا نساء النبی من یأت منکن بفاحشۃ مبیّنۃ یضاعف لہا العذاب ضعفین اس آیت کے متعلق تفسیر جلالین کے حاشیہ پر تحریر کیا گیا ہے کہ یہ ازواج مطہرات سے خدا تعالیٰ کا خطاب ہے جو ان کی فضیلت اور ان کے بلند مرتبہ پر دال ہے۔

خطاب میں عتاب و شدت کا ہونا اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ ان کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے کی وجہ سے یہ مرتبہ ان کو ملا ہے۔ کیونکہ وہ بیبیاں جنت میں بھی ان کی زوجیت میں شامل رہینگی۔ اس طرح ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت کی وجہ سے خدا کے پاس بھی قربت حاصل ہے۔ یہاں بفاحشۃ

مبینہ سے معصیت ظاہری مراد ہے جیسے شوہر کی نافرمانی بدخلقی یا خدا و رسول پہ دنیا کو ترجیح دینا وغیرہ حقیقی معنی مراد نہیں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ازواج انبیاء علیہم السلام کو فحش سے دور رکھا ہے، مکان وجگہ میں بھی وہی نسبتی شرف و بزرگی کا خیال رکھا جاتا ہے مثلاً مکہ معظمہ کو کعبۃ اللہ کی وجہ سے ام القریٰ نام رکھا گیا۔ امتِ مسلمہ کی فضیلت وبرتری اور خیرامت کا خطاب حضور سردارِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت کی وجہ سے صحابۂ کرام کی عظمت اور شرافت اظہر من الشمس ہے۔ ان کی فضیلت اوران کا یہ مرتبہ بھی نسبتِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہی سے ہے جنہیں عام لوگوں میں امتیازی حیثیت حاصل ہوی۔ یہ حضرات جبکہ دین اسلام سے منسلک نہیں تھے ان کی خستہ حالی حد سے گئی گذری ہوی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ بتوں کی پرستش کو اپنا ایمان سمجھتے تھے اور ضلالت وگمراہی کے عمیق غار میں گرے ہوے تھے۔ مگر جب آفتاب نبوت چمکا اور اس کی ضیا پاش شعاعیں کائنات کے ذرہ ذرہ کو روشن کرنے لگیں، اور حضور صلعم نے ان کے آگے حقیقت کو بے نقاب کیا اور اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے اس دین حنیف کو قبول کیا، اور ہر ایک ان میں سے آسمان ہدایت کا ستارہ بن کر چمکنے لگا اور مخلوق کی ہدایت قیامت تک ان کی اقتدار پر موقوف ہوگی، اور دربارِ نبوت سے اصحابی کالنجوم بایھما اقتدیتم اھتدیتم کا تحفہ ان کی شان کو دوبالا کردیا۔

چنانچہ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز اپنی گراں قدر تصنیف جواھر الحقائق میں صاحب قوۃ القلوب ابوطالب مکی اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے حوالہ سے رقمطراز ہیں کہ حضور صلعم کے جمالِ پر کمال کے ایک ہی نظارہ سے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پہ وہ اسرار منکشف ہوے، کہ مشائخین عظام کو خلوت وچلہ کشی میں بھی نصیب نہیں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھوڑی سی پرفیض صحبت نے صحابۂ کرام کو آسمان رشد وہدایت کا ستارہ بنادیا تو خاندانِ نبوت اور اہل بیتِ کرام کا کیا پوچھنا کہ جن کی شان والاکبار میں حق تعالیٰ نے آیت تطہیر نازل فرمائی انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرًا اے خاندانِ نبوت والو بے شک اللہ تعالیٰ تم سے گناہ دور کرکے تم کو پاکیزہ بنانا چاہتا ہے، ان کا یہ شرف اور یہ بزرگی حضور صلعم کی نسبت کی وجہ سے نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کی بزرگی اور عظمت اپنی نسبت پہ منحصر ہے نسبت جتنی اونچی ہوگی اس کی شان و عظمت کا معیار اتنا ہی بلند ہوگا۔

بعض حضرات خاندانِ اہل بیت کی ظاہری حالت پر تنقید کرتے ہوے کہتے ہیں کہ نسلی نسبتیں کسی کو کام نہ آئیں گی اور اس کے لئے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کی یہ آیت بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ تقویٰ کا تعلق ظاہر سے نہیں ہے بلکہ باطن سے ہے جس طرح قلب مومن مرکز ایمان اور مستوی الرحمٰن ہے، اسی طرح تقویٰ اور پرہیزگاری کا مرکز بھی قلب مومن ہے۔ ارشاد باری ہے ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے بیشک وہ دلوں کا تقویٰ ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا ہے انما التقوی ھٰھنا بے شک تقویٰ یہاں ہے۔

اکہمیت وکرامت میں بلینا فرق ہے

اکرم یعنی سب سے بڑا بزرگ ہونے کے لئے بیشک اتقیٰ
یعنے سب سے زیادہ پرہیزگار ہونا ضروری ہے لیکن کرامت
و بزرگی کے لئے تقوٰی و پرہیزگاری کی کوئی شرط نہیں ہے۔ ہر
آدمی کو حق تعالیٰ نے کرامت و بزرگی بخشی ہے ولقد کرمنا
بنی آدم یہاں کرامت و بزرگی کا لفظ مطلق استعمال ہوا
ہے شریعت اسلامیہ میں ہر انسان مکرم ہے۔ خواہ وہ کافر ہی
کیوں نہ ہو۔ درمختار کے متن تنویر الابصار میں ہے والآدمی
مکرم شرعًا وان کان کافرًا اسی لئے انسان کے
بال اور ہڈی کی خرید و فروخت جائز نہیں اور میت کافر کی
بھی ہڈی توڑنا روا نہیں رکھا گیا۔

ایک مسلم کی عزت و حرمت تو قبلہ سے بھی بڑھ کر
ہے بل حرمة المسلم الواحد ارجح من حرمت
القبلة اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی عظمت و بزرگی کے لئے
تقوے کی کوئی شرط نہیں ہے (ماہنامہ شہباز بندہ نواز نمبر
گلبرگہ شریف) تو پھر اہل بیت کرام کا درجہ اور ان کا مرتبہ
کیا پوچھنا۔ حضرت قطب ویلور اپنی گراں مایہ تصنیف فصل الخطاب
میں رقمطراز ہیں۔ "باید دانست کہ آداب و حقوق اہلبیت
صلی اللہ علیہ وسلم بسیار اند، صاحب تنبیہ الغافلین می فرماید،
خاتم المجتہدین ابن حجر مکی کتاب حسن التوسل میں لکھتے
ہیں یجب احترام الشریف والرعایة لوصف
القرابت الذی لا یسلب عنه لما یری به
من الابتداع والرفض بل یجب معه ان
یتحاش عن سبه ونحوه، لان الولد العاق
لا یمنوه العقوق من الارث والانتساب
سادات کرام کا احترام کرنا اور حضور صلعم کی
اس نسبت کا خیال رکھنا ضروری ہے، جو ان سے کسی وجہ سے
بھی دور نہیں کی جاسکتی اگرچہ وہ شخص بدعتی اور گمراہ بھی کیوں
نہ ہو اس کو گالی دینے سے پرہیز کرنا واجب ہے، اس لئے کہ کسی بیٹے
کے نافرمان ہونے کی وجہ سے وہ سب سے دور اور وراثت سے
محروم نہیں کیا جاسکتا۔

والظن الجميل في نحو
الصديق والفاروق ان يعفو
عمن وقع فيه عن اقارب
احبابه فعليك بحسن الظن
والشفاعة المحمودية
اصالته لذوي الجنايات
من اهل البيت اذهم
المذهوب عنهم الرجس
والمطهرون تطهيرًا۔
بالنص القرآن
حتى فهم بعض
الاكابر من الأيت
ان احدهم لا
يخرج من دار الدنيا
حتى يطهر من
الدنس المعنوى
بمرض ونحوه ولو
قبل موته وازيدك
لبعض الاكابر قال
اذا وجب على احد

اور حضرت ابوبکر صدیق و
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق
میں حسن ظن رکھنا چاہئے کہ
ان حضرات کے حق میں ان کے
اقارب و احباب سے جو گستاخیاں
اور ناشائستہ غلطیاں ہوتی
تھیں وہ حضرات انکی غلطیوں
کو معاف کریں گے اور حضور صلعم
کی شفاعت اصالت کے طور پر اہلبیت
کے گنہگاروں کیلئے ہے کیونکہ وہ
گناہ کی آلودگیوں سے پاک کئے گئے ہیں
اور یہ نص قرآنی یعنی آیت تطہیر
سے ثابت ہے یہاں تک کہ بعض
اکابرین نے آیت تطہیر سے یہ نتیجہ
نکالا ہے کہ کوئی اہلبیت باطنی
پلیدی سے پاک ہوئے بغیر دنیا سے
نہ جائیگا انکی باطنی خرابی یا تو مرض
کے ذریعہ دور کیجائیگی یا کوئی اور
تکلیف کے ذریعہ اگرچہ یہ تکلیف
موت سے کچھ دیر پہلے ہی کیوں

منهم حد شرعی اقمناه علیه علی سبیل ان العبد یطهر رجل سیده من قذر حل بها —

نہو اور بعض اکابر نے یہ بھی کہا ہے کہ کسی سید پر حد شرعی واجب ہو تو اس طرح جاری کرینگے کہ جیسا ایک غلام اپنے آقا کے پاؤں کو لگی ہوئی نجاست دور کرتا ہے۔ انتہیٰ۔

اور مختصر فتوحات کے باب میں کہ (جو امام شعرانی کا اختصار کیا ہوا ہے) لکھا ہوا ہے قال اللہ تعالیٰ

انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت و یطهرکم تطهیرا دخل اولاد فاطمة کلهم الی یوم القیٰمة فی حکم هذه الآیة من الغفران فهم المطهرون ولا یظهر حکم هذه الشرف لاهل البیت الا فی الدار الآخرة فانهم یحشرون مغفولهم واما فی الدنیا فمن اتی منهم حداً قیم علیه کالتائب اذا

حضرت فاطمہؓ کی تمام اولاد جو قیامت تک پیدا ہوگی اس آیت کے حکم یعنی مغفرت میں داخل ہے وہ سب پاک ہیں ان تمام اہلبیت کی مغفرت کا حکم آخرت میں ظاہر ہوگا کیونکہ ان کا حشر مغفرت کے ساتھ ہوگا۔ اگر ان میں سے کسی نے گناہ کیا تو اس کی حد ان پر کی جائے گی جیسا کہ کوئی گناہوں سے توبہ کرلے جب حاکم تک یہ بات پہنچے کہ وہ زنا کیا یا چوری کیا، یا شراب پیا ہے تو حاکم اس پر حد جاری کرے گا اگرچہ اس کی مغفرت کی تحقیق ہوچکی ہے۔

اذا ابلغ الحاکم امره وقد زنا او سرق او اشرب اقیم علیه الحد مع تحقیق المغفرة کماعز وامثاله ولا یجوز ذمه وینبغی لکل مومن مسلم باللہ وبما انزله ان یصدق اللہ تعالیٰ فی قوله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا۔ فیعتقد فی جمیع ما یصدر من اهل البیت ان اللہ قد عفا عنهم فیه فلا ینبغی لمسلم ان یلحق المذمه بهم ولا ما یشین اعراض من قد شهد اللہ بتطهیرهم وذهاب الرجس عنهم لا بعمل عملوه ولا بخیر قدموه بل سابق عنایة من اللہ بهم ذلک فضل اللہ یوتیه من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

جیسا حضرت ماعزؓ جو صحابی رسول تھے جن کو حضور صلعم نے زنا کی وجہ سے رجم فرمایا تھا یا ان کے مانند کوئی اور صحابی کی مذمت کس طرح جائز نہیں اور ہر مسلم کو جو اللہ پر اور اس کی اتاری ہوئی چیزوں پر یقین رکھتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی اس آیت انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا کی تصدیق کرنا چاہئے۔ اور اس بات کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ جو چیزیں اہلبیت سے صادر ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو یقیناً معاف کیا ہے پس مسلمانوں کو اہل بیت کی مذمت کرنا سزاوار نہیں اور ان لوگوں کی بے عزتی کریں کہ جنکو پاک کرنے اور ان سے نجاست دور کرنے کی شہادت خود حق تعالیٰ دے دیا ہوا ان کا یہ مرتبہ ان کے عمل کی وجہ سے نہیں جبکو انہوں نے اپنی زندگی میں آگے بھیجا تھا بلکہ یہ محض اللہ کا فضل وکرم اور اسکی عنایات کا نتیجہ ہے

اسی طرح کسی سیدزادے کو حقارت سے پکارنے اور ان کو جسمانی و روحانی تکلیف پہنچانے سے پرہیز کرنا لازمی ہے۔ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ تذکرۃ الاولیاء میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ ایکمرتبہ درس دے رہے تھے، کہ آپ دَوران درس میں دس بار اٹھے اور بیٹھے۔ لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک سیدزادہ دروازہ پہ گیند بلاّ کھیل رہا تھا وہ جس وقت میرے مقابل آ آتا میں اسکی تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑا ہوتا تھا کیونکہ یہ بات جائز نہیں، کہ فرزندِ رسولؐ آئے اور میں کھڑا نہ ہوں۔ انتہیٰ۔

حضرت امام شعرانی اپنی کتاب بحرالمولود میں فرماتے ہیں

لا ینبغی لنا ان تزوج شریفة الا ان کنا نعد انفسنا من خدامها لان الشریفة بضعة من رسول الله صلی الله علیه وسلم

یعنی کسی سیدہ سے اسطرح نکاح کرنا کہ ہم خود کو ان کا خادم سمجھنا چاہئے کیونکہ سیدہ حضور سردار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حصّہ ہے۔

شیخ الہند شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ مشکوٰۃ کے ترجمہ میں رقمطراز ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر اصحاب جب حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سوار ہونے کی حالت میں دیکھتے تو فوراً اتر جاتے اور جب وہ دونوں سوار ہوتے تو ان کے رکاب مبارک کو بوسہ دیتے۔ انتہیٰ (فصل الخطاب)

کتاب مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے، عن سعد بن ابی وقاص رضؓ قال لما نزلت هذه الآیة ندع ابناءنا وابناءکم دعا رسول الله صلی الله علیه وسلم علیًا وفاطمة وحسنا وحسینًا فقال اللهم هولاء اهل بیتی رواه مسلم۔ سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ جب آیت مباہلہ یعنی ندع ابناءنا وابناءکم نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ فاطمہؓ حسنؓ حسینؓ کو بلایا اور فرمایا خدایا یہ میرے اہل بیت ہیں (مسلم شریف)

وعن عائشة رضی الله عنها قالت خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم غداة وعلیه مرط مرحل شعر اسود فجاء الحسن بن علی فادخله ثم جاء الحسین فدخل معه ثم جاءت فاطمة فادخلها ثم جاء علی فادخله ثم قال انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ "الائمہ من قریش" پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر منصب کوئی شئ نہ ہوتی تو غیر کفوء میں نکاح کرنے سے منع نہ کیا جاتا اور یہ قانون اور یہ قانون مقرر نہ ہوتا کہ "الائمة من قریش" ان احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ شرع نے بھی شرفاء میں شرف و امتیاز رکھا ہے اور یہ تفاوت مصالح تمدنیہ کی حفاظت کے لئے ہے، اگر سب کے سب اس میں یکساں ہوتے تو تمدن محفوظ نہ رہ سکتا۔ اور نہ کوئی کام چل سکتا۔ چنانچہ "الائمہ من قریش" میں بھی یہی مصلحت ہے۔ قدرتی طور پر اللہ تعالیٰ نے قریش کو فضیلت دی ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ آدمی اپنی خاندانی شئ کی بہت حفاظت کیا کرتا ہے۔ اگر قریشی امام ہوگا تو دین کی

حفاظت دو وجہ سے کریگا۔ ایک اس وجہ سے کہ دین ان کے گھر کا ہے۔ دوسرا مذہبی تعلق سے۔ پس معلوم ہوا کہ نسبت مصالح تمدنیہ کو محفوظ رکھتی ہے۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان اللہ اصطفیٰ من ولد ابراھیم اسمٰعیل علیہما السلام واصطفیٰ من ولد اسماعیل بنی کنانہ واصطفیٰ من بنی کنانہ قریشًا واصطفیٰ من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم

بے شک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے منتخب کیا حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابراھیم کی اولاد سے اور منتخب کیا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنی کنانہ کو اور منتخب کیا بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور مجھ کو بنی ہاشم سے منتخب کیا ہے۔

اسی طرح نسبی شرافت کے لئے انبیاء کرام کا بنی اسرائیل سے ہونا بیّن دلیل ہے کیونکہ شریف خاندانوں کا ہمیشہ یہ وصف رہا ہے کہ ان میں سچائی، اولوالعزمی اور ہمت وبہادری، نفاست پسندی وغیرہ علےٰ وجہ الکمال پائے جاتے تھے۔

کیونکہ پیغمبر وہادی کے لئے ان اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف چھوٹے اور معمولی خاندانوں میں یہ چیز بہت کمیاب ہوتی ہے جو اس اعلیٰ منصب کے لئے لائق اور قابل نہیں ہوتی۔

ان تمام دلائل وشواہد سے اہل بیت اطہار کی بزرگی وعظمت ظاہر ہے۔ اس لئے کوئی ذی عقل اس سے اعراض نہیں کرسکتا۔ لہٰذا ان کے آداب اور ان کی عزّت وتوقیر کو ہر حال میں مدنظر رکھ کر توجہ وفیوضات وبرکات سے مالا مال ہوجائیے۔

اگر ہم دین ودنیا کی سرفرازی سے ہمکنار ہونا چاہیں تو دامن آلِ رسول اور رشتۂ حب آلِ محمدؐ کو مضبوط تھامنا چاہیئے، نجاتِ دارین اور سعادتِ کونین کا یہی اعلیٰ ذریعہ ہے۔ چنانچہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اسی فلسفہ کو کس قدر زرین الفاظ میں پیش کیا ہے۔ شعر

یا اھل بیت رسول اللہ حبکم
فرض من اللہ فی القراٰن انزلہ
کفاکم من عظیم القدر انکم
من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہ

ایک اہم فتوے

ہر دور میں خطبۂ جمعہ کے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں مختلف سوالات اُبھرتے رہے ہیں۔ تقریباً ایک سو سال پیشتر اسی قسم کا سوال مدراس کے علمائے کرام سے بھی کیا گیا جس کا جواب علمائے مدراس نے نہایت تحقیق کے ساتھ دیا ہے۔ بعینہٖ بغرض افادۂ عام شائع کیا جارہا ہے۔

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ و عیدین کا خطبہ زمانۂ نبوت سے ابتک ہر جگہ عربی میں پڑھا جاتا ہے۔ حالانکہ نصیحت ہے اور یہ غرض اسوقت حاصل ہوگی جب سامعین اس کو سمجھ سکیں۔ پس ہندوستان میں اکثر عربی سے واقف نہیں لہٰذا اگر بجائے عربی کے خطبہ اُردو میں پڑھا جائے تو شرع شریف سے اجازت ہے یا نہیں۔ یا عربی کا ترجمہ خطبہ سے اول یا خطبہ کے بعد کرایا جائے، تو کیا حکم ہے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

حامداً للہ و مصلیاً و مسلماً علیٰ رسولہ و آلہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین اور اتباع تابعین اور ائمۃ المجتہدین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سب کے سب خطبۂ عربی پڑھتے تھے حالانکہ صحابہ و تابعین کے وقت ممالک عجم میں اسلام شائع ہوا تھا اور عجمی لوگ احکام اسلام کے تعلیم کے زیادہ حاجتمند تھے۔ بایں کبھی کسی نے عربی کے سوائے دوسری زبان میں خطبہ نہیں پڑھا اور نہ عربی کے ساتھ اس کا ترجمہ پڑھا۔ فقط عربی سے خطبہ پڑھنا ہی خاص فعل نبویؐ ہے اور اسی میں اتباع خلف و سلف ہے۔ اسی واسطے شافعی، مالکی اور حنبلی مذہبوں میں عربی سے پڑھنا شرط گردانتے ہیں۔ اگرچہ جماعت کو اس کا مطلب معلوم نہ ہو۔ عربی کے سوائے دوسری زبان میں ہو تو صحیح نہیں فتح المعین میں لکھا ہے وشرط فیھما عربیۃ لا تباع السلف والخلف وفائدتھا بالعربیۃ مع عدم معرفتھم لھا العلم فی الواعظ فی الجملۃ، قالہ القاضی انتھیٰ یعنے دونوں خطبوں میں شرط ہے کہ وہ عربی ہونا واسطے تابعداری سلف و خلف کی اور فائدہ عربی سے پڑھنے کا باوجود عربی کے عدم معرفت کے فی الجملہ وعظ ہے کر جاننا ہے۔

اورامام نووی نے روضہ میں لکھا ہے انهم لو سمعوا
الخطبة ولم يفهموا معناها صحت انتهى۔
یعنے اگر خطبہ سنیں اور اس کے معنی نہ سمجھیں تو صحیح ہے۔ اور بھی
شافعیہ کے پاس نماز اور خطبوں میں اور ارکان خطبوں میں
موالات شرط ہے۔ موالات فوت ہو تو نماز فاسد ہوتی ہے۔
عربی کے بعد دوسری زبان میں پڑھنے سے موالات میں خلل
ہوتا ہے۔ اور حنفی مذہب میں بھی صاحبین کے پاس عربی رہنا شرط
ہے۔ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس خطبہ عربی رہنا اگرچہ شرط
نہیں ہے لیکن عربی کے سوا دوسری زبان میں پڑھنا مکروہ تحریمی
ہے۔ ردالمحتار میں لکھا ہے انها غير شرط ولو مع
القدرة على العربية عنده خلافا لهما حيث شرطا
ها الا عند العجز كالخلاف فى الشروع فى الصلوٰة انتهى
وقال فيه ايضا وما صحة الشروع بالفارسية وجميع
اذكار الصلوٰة فهى على الخلاف فعنده تصح بها
مطلقا خلافا لهما كما حققه الشارح هناك
والظاهر ان الصحة عنده لا تنفى الكراهية وقد
صرحوا بها فى الشروع انتهى وقال فى حاشية مراقى
الفلاح الصحيح انه يصح الشروع عنده بغيره العربية
ولو كان قادرا عليها مع الكراهة التحريمية انتهى
حاصل عبارات کا یہ ہے کہ امام کے نزدیک خطبہ تمامی اذکار
الصلوٰة عربی سے رہنا شرط نہیں ہے۔ اگرچہ عربی سے پڑھنے پر
قادر ہے لیکن عربی کے سوائے دوسری زبان میں پڑھنا مکروہ تحریمی
ہے اور صاحبین کے نزدیک عربی سے پڑھنا شرط ہے۔ پھر جب فقط
عربی سے خطبہ پڑھیں تو سب مذاہب میں صحیح ہو جاتا ہے کسی مذہب
میں کراہت لازم نہیں آتی۔ اور خلاف فعل نبوی و خلاف سلف
و خلف ہے۔ اور خطبہ میں تعلیم احکام و وعظ و نصائح بیان کرنا کر کے
جو فقہا لکھتے ہیں سو اس سے عربی سے بیان کرنا مراد ہے۔ ترجمہ
پڑھانا مراد نہیں ہے۔ فقط وعظ و نصیحت ہی کر کرا اتنا جاننا کافی
ہے۔ علامہ رملی نے شرح منہاج میں لکھا ہے واجاب عن
سوال ما فائدة الخطبة بالعربية اذا لم يعرفها
القوم بان فائدتها العلم بالوعظ من حيث الجملة
ويوافقه قول الشيخين فيما اذا سمعوا الخطبة
ولم يعرفوا معناها انها تصح انتهى یعنے یہ سوال کرنا کہ
خطبہ عربی سے پڑھنا کیا فائدہ ہے جب قوم اس کو نہ سمجھیں تو
اس کا جواب یہ ہے کہ فائدہ اس کا وعظ ہے کر کر مجمل جاننا
ہے اور اسی موافق ہے۔

شیخین کا قول کہ جب خطبہ سنیں اور معنی اس کے نہ سمجھیں
تو صحیح ہے اور ائمہ دین و علمائے مجتہدین فارسی زبان میں بہت
سے کتب عوام کو وعظ و نصیحت معلوم ہونے کے لئے تصنیف
کئے اور ان کی زبان میں با ایں کبھی کسی نے خطبہ میں ترجمہ نہیں
پڑھا اور نہ کسی کتاب میں ترجمہ پڑھو کر کر لکھا ہے۔ اگر
مستحب و مندوب رہتا تو البتہ ترجمہ پڑھتے اور کتب میں اس پر
تصریح کرتے پس اگر ویسا ہی ترجمہ پڑھنا چاہیں تو اثنائے خطبہ
میں ترجمہ پڑھنا کیا ضرورت ہے۔ خطبہ و نماز کے قبل
یا بعد ترجمہ سنا دیویں تا سب مذاہب میں نماز بلا کراہت درست
ہو جائے۔ واللہ اعلم

کتبہ محمود کان اللہ لہ

۱۲۸۶
محمود

صح الجواب
محمد قدرت حلیم الناصری

ھذا الجواب صحیح
عبدالقادر عفااللہ عنہ

الجواب صحیح
سید محمد جلال الدین کان اللہ لہ

اصاب من اجاب
میر محمد نور اللہ حسین عفی عنہ

الجواب صحیح
غلام رسول عفی عنہ

الجواب صحیح
عبید اللہ کان اللہ لہ

ھذا الجواب صحیح بلاریب
فقیر شاہ محمد قادر حسین قادری عفی عنہ

ھذا الجواب صحیح وموافق
لقواعد الائمۃ الاربعہ
غلام محی الدین کان اللہ لہ

صح الجواب
سید محمد علی قادری
سید حسین قادری عفی عنہ

الجواب صحیح
زاہد حسین عفی عنہ

الجواب صحیح
میر حیدر علی کان اللہ لہ

الجواب صحیح
عبدالرحمن عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
محمد تمیم بن محمد کان اللہ لہ

۹۰	۱۲
عبدالرحمن	

آہ تاریخ محرم بھی بڑی سنگین ہے
خونِ مظلومانِ اہل بیت سے رنگین ہے

محرم الحرام کا مہینہ اپنی چند خصوصیات کے اعتبار سے بہت فضیلت و اہمیت کا حامل ہے۔ اہل علم نے فرمایا کہ رمضان المبارک کی فضیلت و عظمت اور برتری کے بعد ماہ محرم کو خاص بزرگی اور برتری حاصل ہے۔ اسی مہینے کی دسویں تاریخ کو یوم عاشورہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ تاریخ اپنی گوناگوں خصوصیات اور مختلف واہم واقعات کی بنا پر خاص طور سے امتیازی شان رکھتی ہے۔

زندگی بخشی ہے دنیا کو شہادت تیری
ہر مسلمان میں ہے پوشیدہ حرارت تیری

محرم کے اس دن کی چمک دمک ہمیشہ دنیائے انسانیت کو انسانیت کا پیغام و انسانیت کا مقام اور حق و صداقت کی راہ دکھاتی رہے گی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام عدل و انصاف کے حصول کے لئے کربلا تشریف لے گئے اگرچہ کہ آپ کربلا کی جنگ جیت نہ سکے مگر عدل و انصاف استقلال و استقامت اور جہاد حق و حریت آزادی کی جنگ جیت گئے اور اس کے لئے ایک عظیم ترین قربانی کا خود نمونہ بنکر دکھا دیا۔

ہے تجھ سے زندہ زمانہ میں نام حریت
امیر لشکر آزادیٔ جہاں تو ہے

یوم عاشورہ اور سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام کے چند اہم گوشے ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں روزوں کی اہمیت و کیفیت بیان کرتے ہوئے صوم عاشورہ کے متعلق فرماتے ہیں منہا یوم عاشوراء وسر مشروعیۃ انہ وقت نصر اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام علی فرعون وقومہ وشکر موسیٰ بصوم ذلک الیوم وصار سنۃ بین اہل الکتاب والعرب فاقرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

چنانچہ اس قسم کے روزوں میں عاشورہ یعنی دسویں محرم کا روزہ بھی ہے۔ عاشورہ کے روزے کی مشروعیت کا راز یہ ہے اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور فرعون کی قوم کے مقابلے میں فتح و نصرت عطا فرمائی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دن بطور شکر یہ روزہ رکھا تھا، نیز اہل کتاب و اہل عرب کے یہاں بھی اس روزے کا عام دستور تھا۔ لہٰذا آنحضرت صلعم نے اس روزہ کو بدستور قائم رکھا۔

اور اگلی امتوں میں اس دن کا روزہ فرض تھا پیغمبر اسلام حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرماکر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ نے یہودیوں کو یوم، عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو معلوم ہوا کہ عاشورہ کے روز بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات ملی تھی و نیز فرعون کے بے پناہ مظالم سے آزادی نصیب ہوئی تھی اور اسی دن ان کے دشمن فرعون کو دریائے نیل میں غرق کیا گیا تھا۔ اسی لئے یہود یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ پیغمبری کے ناطے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے بھائی تھے اس لئے میں بھی اس کا حق دار ہوں کہ اس دن کا روزہ رکھوں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین نے اس دن کا روزہ رکھا اور آپ نے اس کی تاکید فرمائی۔

بعض علمائے کرام کا خیال ہے کہ اس دن کا روزہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھا۔ اس کی فرضیت اس وقت ختم ہوئی جبکہ رمضان شریف کے روزے رکھنے کا حکم نازل ہوا۔ اس کے باوجود بعض مسلمان رضاکارانہ طور پر اس دن کے فیوضات و برکات حاصل کرنے کے لئے یہ روزہ رکھ لیا کرتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ محرم کی دس تاریخ کو اگر کوئی شخص اپنے اہل و عیال و بال بچوں پر بہ نسبت دوسرے ایام کے نان نفقہ کو وسیع کرتا ہے تو اس کے سال بھر کی روزی میں فراخی ہوتی ہے۔

عاشورہ کی خصوصیات میں اکثر اہل علم نے فرمایا ہے کہ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی تاریخ کو آپ کی توبہ قبول کی گئی۔ اسی تاریخ کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ سے جا لگی۔ اور طوفان کا پانی کم ہونا شروع ہوا۔ اور اسی دن سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے اور اسی تاریخ کو خداوند قدوس نے آپ پر آگ نمرود کو گلزار بنایا۔ اور محرم ہی کی دسویں تاریخ کو حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کی ایک عرصۂ دراز کے بعد باہم ملاقات ہوئی اور اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کنوئیں سے نکالے گئے اور اسی تاریخ کو حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر سے عذاب اٹھالیا گیا اور آپ کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا گیا اور محرم ہی کی دسویں تاریخ کو حضرت ایوب علیہ السلام نے بیماری سے شفا پائی اور اسی دن حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں میں دوبارہ روشنی دی گئی اور اسی تاریخ کو حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک بڑے ملک کی سلطنت عطا کی گئی۔ اور اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام و بنی اسرائیل کو فرعونی حکومت کے مظالم سے نجات دلائی اور محرم ہی کی دسویں تاریخ کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں پہلی مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مع وحی کے حاضر ہوئے اور اسی تاریخ کو قیامت آئیگی اور اسی دن میدان حشر میں جمع ہوں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک استفسار کے جواب میں ارشاد فرمایا یہ اللہ تبارک تعالےٰ کا مہینہ ہے۔ اس میں خدائے تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول فرمائی اور ایک قوم کی توبہ اسی دن قبول فرمائے گا۔ (ترمذی شریف)
اور یہ ظاہر و کھلی بات ہے کہ اس مہینہ کا احترام و ادب قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے اور یہ مہینہ ان چار مہینوں میں

سے ایک ہے جس کو قرآن کریم نے "اربعۃ حرم" فرمایا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں اگرچہ کہ اہل عرب نے ملت ابراہیمی کی شکل و صورت مسخ کر دی تھی اور ہر قسم کی بدعات و رسومات بلکہ فواحشات تک بھی ان لوگوں میں جاری و ساری تھیں تاہم ان چار مہینوں کا ادب و احترام ان میں باقی تھا جن میں سے محرم الحرام کا مہینہ بھی شامل ہے۔

محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو ایک ایسا اندوہگیں و غمگین واقعہ اہل بیت پر گذرا شاید ہی دنیا کی تاریخ ایسا سفاکانہ واقعہ پیش کر سکے اور پیش کرنے سے بھی یقیناً قاصر رہے گی۔ اس حادثۂ کربلا کو اگر اسلامی تاریخ کا سب سے عظیم اور بے رحمانہ و ظالمانہ واقعہ قرار دیا جائے تو بجا ہے اور اس یوم عاشورہ کو جس سانحہ نے شہرت دوام بخشی وہ شہادت حسین کا عظیم واقعہ ہے۔

آہ صد آہ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے زبان و قلم کی ساری توانائیاں اور رعنائیاں ایک ایک کر کے جواب دے بیٹھتی ہیں، اتنی طاقت تو ہے نہیں کہ رشحۂ قلم سے سیدنا امیرالمومنین حضرت عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی و داستان کربلا پہ کماحقہ، روشنی ڈال سکوں۔ اس واقعہ سے دل کانپ جاتا ہے اور قلم لرز اٹھتا ہے۔ اس موضوع پر ہزاروں اہل قلم حضرات نے خامہ فرسائی کی اور کروڑوں نے اس کو پڑھا اور شاید ہی کوئی ایسا فرد بشر ہو، جو مظلومانِ اہل بیت پر اشکباری نہ کی ہو۔

سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام کے خونِ سرخ نے محرم کی داستان کو انتہائی دلکش و جاذب النظر بنا دیا ہے۔ اس واقعہ کو گذرے ہوئے تیرہ سو سال سے کچھ زیادہ کا عرصہ ہوا مگر ہنوز اس طرح دہرایا جاتا ہے کہ یہ انساں سوز و دلگداز واقعہ آج ہی گذرا ہے۔ اس کے سننے والے ہمیشہ اپنے قلوب میں ایمانی و اسلامی جوش اور جذبۂ حریت کی نشو و نما پاتے ہیں۔ اسی سے جذبۂ روحانی پیدا ہو کر امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں کو منور کرتا ہے۔

قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قربانی کی ابتدا کی تھی اور سیدنا امام حسین علیہ السلام نے اپنی عظیم قربانی کے ذریعہ نہ صرف اسکی تکمیل کی بلکہ تمام بنی نوع انسان پہ یہ احسانِ عظیم فرمایا جسکو اسلامی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ آپؑ دنیا کی ہر قوم و فرد بشر کے محسن اعلیٰ و مشفق مربی ہیں۔

غریب سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اسکی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

ولادت باسعادت

امام عالی مقام حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں بروز سہ شنبہ ۳ ماہ شعبان المعظم سنہ ۴ ہجری کو ہوئی اور آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور آپ کا مشہور لقب "الشہید" ہے اس کے ماسوا اور بھی آپ کے القاب ہیں مثلاً سید، طیب، زکی، سبط، اور آپ امام سوم و ابوالائمہ ہیں۔

شواہد النبوۃ میں حضرت علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ "و روایت است از ام الفضل الحارث کہ گفت پیش رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آمدم و گفتم یارسول اللہ

خوابے دیدہ ام کہ ازاں بترسیدم، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرمود کہ چہ دیدی؟ گفتم دیدیم کہ پارۂ ازتن تو بریدند و در کنار من نہادند۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرمود کہ نیکے دیدئی۔ فاطمہ پسری آرد و در کنار تو باشد۔ بعدازاں امیرالمومنین حسین رضی اللہ عنہ، در وجود آمد۔

یعنی ام فضل بنت حارث زوجۂ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، نے فرمایا میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے خواب ایک شب دیکھا اور اس سے خوف زدہ ہوی میں۔ حضور صلعم نے خواب دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضورؐ کے جسم اطہر کا ایک حصہ علیحدہ ہو کر میری گود میں آ پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا یہ خواب اچھا ہے۔ میری فاطمہ کو ایک لڑکا ہوگا جسے تم اپنی گود میں پرورش کرو گی۔ چنانچہ ایسے ہی حضرت امیرالمومنین حسین رضی اللہ عنہ، پیدا ہوے۔

آپ کی ولادت باسعادت کی خبر جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوی تو آپ فوراً اپنی "قرۃ العین" حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان پہ تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا لاؤ میرے فرزند کو، اسی وقت اسما بنت عمیس رضؓ ایک سفید کپڑے میں لپٹ کر آغوش رسول صلے اللہ علیہ وسلم میں دے دیا۔ آپ نے نظر مشفقانہ و فرط مسرت سے دیکھا اور اذان واقامت کہی۔ بعدازاں حضرت علی رضی اللہ عنہ، کی طرف متوجہ ہوے اور فرمایا اے علی رضؓ! تم نے کیا نام رکھا ہے، آپ رضی اللہ عنہ، نہایت ہی انکساری سے گذارش کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی حضوری میں کیا طاقت و مجال ہے کہ میں نام رکھوں۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیر یہ تو بتاؤ کوئی نام تمہارے ذہن میں آیا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا میرے ذہن میں "حرب" آیا ہے اور یہ نام حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ، کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لخت جگر کا نام "حسین" ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ بذریعۂ وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ہارون علیہ السلام کے تین بیٹے تھے۔ شبر، شبیر، مبشر جن کا ترجمہ عربی میں، حسن، حسین، محسن ہے، تو یکے بعد دیگرے آپ صلعم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تینوں صاحبزادوں کے نام یہی رکھے۔ چونکہ یہ نام عرب میں اس کے پیشتر کسی کے بھی نہیں تھے۔ اور ایک مرتبہ آپ صلعم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو حضرت ہارون علیہ السلام سے تشبیہ دی تھی۔

عقیقہ آپ رضی اللہ عنہ، کی پیدائش کے ساتویں روز حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کیا جس میں دو مینڈھے ذبح کئے گئے۔ اور بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کی گئی۔ اور سر مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشبو لگائی۔ شواہد النبوہ ولطائف اشرفی میں یوں رقمطراز ہے کہ:۔

وپیدا حال؛ وکہ چوں درتاریکی بنشستے از بیاضِ جبین وبریو رخسارۂ وے بوے راہ بروند وویرا از سینہ تا پا مشابہت بود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ چناں کہ امیرالمومنین حسن رضی اللہ عنہ، از سینہ تا فرق۔

قال الحسن اشبہ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما بین صدری الی الراس والحسین اشبہ

بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ما کان اسفل من ذالک

حضرت سیدنا عالی مقام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر خوبصورت، حسین وجمیل اور شکیل تھے کہ آپ جب تاریکی میں تشریف فرماتے تو رخسارِ مبارک اور بیاضِ گردن کی چمک دمک کی روشنی سے لوگ آپ کو فوراً معلوم کر لیتے کہ آپ ہی تشریف فرما ہیں اور آپ سینہ سے قدم تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ اسی طرح حضرت امیر المومنین امام حسن علیہ السلام سینۂ مبارک سے چہرۂ انور تک مشابہت رکھتے تھے۔ یہاں تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا لوری فرمایا کرتی تھیں انت شبیہ بابی لست شبیھا بعلی (کرم اللہ وجہہ) تم میرے باپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مشابہ ہو اپنے باپ علی کرم اللہ وجہہ سے مشابہ نہیں۔

زبانِ رسالتمآب سے فضیلتِ حسین

آپ رضی اللہ عنہ کی عظمت وعلوِ مرتبت میں کئی احادیث مواقعاً ناطق ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسین منی و انا من حسین، احب اللہ من یحب الحسین حسین سبط من الاسباط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ دوست رکھے جو حسین رض کو دوست رکھتا ہے۔ حسین ایک سبط ہے اسباط سے۔

عن عبد اللہ بن عمر ان النبی قال الحسن والحسین ھما ریحانی فی الدنیا حضرت عبد اللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسن وحسین دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحسن والحسین سید الشباب اھل الجنۃ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن وحسین اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔

پیارے آقا سرورِ کائنات سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حسین میرا ایک ٹکڑا ہے جو میرے حسین کو ناراض کیا جو مجھکو ناراض کیا، جو مجھے ناراض کیا وہ اللہ کو ناراض کیا۔ جو حسین کی اتباع وپیروی کی اور حسین کا ساتھ دیا گویا وہ میری اتباع وپیروی کی اور میرا ساتھ دیا۔

علامہ بدخشی رح نزول الابرار میں فرماتے ہیں:۔

خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بیت ام المومنین عائشہ رض فمر علی باب فاطمہ سلام اللہ علیہا فسمع حسین یبکی فقال الم تعلمی ان بکائہ یوذینی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مکان سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان کی طرف تشریف لے گئے تو امام حسین کے رونے کی آواز سنائی دی۔ آپ نے حضرت فاطمہ رض کو آواز دی کہ کیا تم کو نہیں معلوم کہ اس کے (حسین) رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

دیکھیے کس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسین علیہ السلام کے ساتھ الفت ومحبت، شفقت ومروت تھی۔

حضرت انس رض سے مروی ہے کہ بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ کو اپنے اہل بیت میں سے سب سے زیادہ کون محبوب ہے۔ تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ حسن و حسین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے بیٹوں کو میرے پاس بلاؤ۔ جب وہ دونوں حضرات آتے تو حضور ان دونوں کی خوشبو سونگھتے اور اپنے سینۂ اقدس سے چمٹا لیتے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے اور حضرت امام حسینؓ آپ کی پشت مبارک پر سوار ہو کر کھیلا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ امام عالیمقام حسین علیہ السلام حضور کی پشتِ مبارک پر سوار تھے تو کسی صحابی نے عرض کیا کہ اچھی سواری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اچھا سوار ہے (یہ واقعہ نہایت مشہور ہے اور اس کو متعدد راویوں نے بیان کیا ہے)۔

تعلیم و تربیت

بالائے سرش زہوشمندی
می تافت ستارہ بلندی

بچپن ہی سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی جبین مبارک سے وہ تمام آثار نمودار تھے جو آگے چل کر ظہور پذیر ہوئے اور آپ زمانہ طفولیت ہی سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس تقریباً سات سال رہے۔ اسی دوران آپ نے اپنے پیارے نانا جان سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کے آغوش رحمت و بحر معرفت الٰہی جس کا کا شانہ علوم اولین کا منبع و مخزن اور جس کا سرچشمۂ علم قیامت تک تشنگانِ علوم معرفت و حکمت کی تشنگی کو سیراب کرتا رہے گا مدینۃ العلم کی آغوش حکمت میں تعلیم و تربیت پائی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ رسالت سے جو کچھ حضرت حسینؓ کو منتقل کرنا تھا وہ گنجینۂ معرفت و حکمت کو منتقل فرمایا اور بعدازاں حضرت حسینؓ نے اپنے پیارے نانا جان کی وفات کے بعد اپنے والد بزرگوار شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زیر تربیت رہے۔ جن کے متعلق زبان نبوت نے ارشاد فرمایا تھا انا مدینۃ العلم وعلی بابھا حضرت حسین پر اللہ تبارک تعالیٰ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا بڑا ہی فضل تھا ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اخلاق و عبادت

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حسین منی وانا من حسین، حضرت حسین میں جو حضورؐ کی ظاہری مشابہت پائی جاتی تھی اسی طرح آپ سیرت طیبہ میں اپنے جد امجد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھے۔ آپ میں وہی اخلاق و عادات و اطوار و ذوق عبادت و خوف خدا وہی رحم و کرم وہی حلم و عفو اور وہی جود و سخا موجود تھا جو سرکار دو عالم احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں جلوہ گر تھے، اور آپ نے عشق الٰہی میں پچیس ۲۵ پیدل حج ادا فرمایا۔ آپ نے کسی سائل کو اپنے در سے محروم نہ کیا بلکہ ایک ایک سائل کو چار چار ہزار درہم دیا کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے جو کچھ رقم آتی ویسے ہی اسی وقت سائلوں میں تقسیم فرما دیتے اور پھر سائلوں سے معذرت خواہ ہوتے تھے۔

شہادت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں اپنے فرزند یزید کو اپنا جانشین و ولیعہد بنا چکے تھے اور جو جو دشواریاں، یزید کے دور میں آسکتی تھیں آپ رضی اللہ عنہ نے ایک حد تک راستہ ہموار و صاف کر دیا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یزید حکومت و خلافت کا اہل اور مستحق نہ تھا۔ چونکہ حکمرانی حضرت معاویہ کی

تھی۔ بریں بنا یزید آپ کی وفات کے بعد حکمرانی کرنے لگا۔ اور یزید لعین نے حضرت سیدنا عالیمقام امام حسین رضی اللہ عنہ سے اپنی بیعت کا سختی سے موا غذہ لینے کے لئے عامل مدینہ ولید بن عتبہ کے نام سخت ہدایات جاری کر دیا۔

بعض مورخین کے قول سے حضرت امام حسین کے خلافت و بیعت کو تسلیم نہ کرنے کی صورت میں انہیں قتل کا حکم دے دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا اور مجبوراً مدینہ منورہ سے ہجرت فرماکر مکہ معظمہ میں سکونت پذیر ہوگئے۔ ادھر ہر طرف یزید کا ظلم ہونے لگا تو کوفہ والوں نے سینکڑوں خطوط حضرت امام عالیمقام کے نام لکھا کہ آپ تشریف لائیں۔ ہم آپ کی بیعت سے مشرف ہوں گے اور آپ کا ہم ہر طرح سے ساتھ دینگے۔ چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوفہ کو دارالخلافت قرار دیا تھا اسی لئے حضرت امام حسین نے ان خطوط پر نظر ثانی فرمایا لیکن آپ کے خویش واقارب نے سختی سے اسکی مخالفت کی اور کہا کہ کوفہ کی بے وفائی مشہور ومعروف ہے۔ اور آپ کے اس سفر کی خبر آگ کی طرح مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں پھیلنے لگی تو ہزارہا خطوط آپ کو اس سفر کی مخالفت میں آئے مگر آپ نے حق کی خاطر سفر کی تیاری شروع کر دی۔ قبل ازیں اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل رض کو اہل کوفہ سے بیعت لینے کے لئے اپنا نائب بنا کر بھیجا اور فرمایا کہ وہاں کے حالات سے فی الفور آگاہ کریں۔ مسلم بن عقیل رض کوفہ تشریف لے گئے۔ ہزارہا افراد نے امام عالیمقام کے لئے آپ کے ہاتھ بیعت کی مگر یزید کی طاقت نے انہیں پھیر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم بن عقیل رض شہید کر دئے گئے۔ ادھر امام حسین علیہ السلام اپنے بال بچوں اور ۳۲ سوار اور چالیس پیادوں کو لیکر سفر کو نکل چکے تھے۔ راستہ میں معلوم ہوا کہ چچازاد بھائی مسلم بن عقیل اور ان کے دو نو فرزندوں کو عبداللہ بن زیاد ملعون نے شہید کرا دیا ہے آپ کو اس کا انتہائی صدمہ ہوا اور فرمایا کہ ان کے بعد زندگی میں کوئی مزہ نہیں۔ آخرالامر آپ عراق سے نینوا یعنی کربلا پہنچے اور وہاں کے گورنر ابن زیاد نے کثیر فوج امام علیہ السلام کے مقابلہ میں بھیجی اور فرمان جاری کیا کہ نہر فرات سے ایک قطرہ پانی بھی اہل بیت و معاون امام حسین کو نہ دیا جائے۔

میر انیس نے جنگ کی منظر کشی نہایت دل سوز پیرایہ میں پیش کی ہے جس کے چند اشعار زیب قرطاس کرتا ہوں۔

آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے
ظلم کی چاند پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہے
اس طرف لشکر اعداء پہ صف آرائی ہے
یاں نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے
گیسو آلودۂ خوں لپٹے ہیں رخساروں سے
شانے کٹ کٹ لٹک آئے ہیں تلواروں سے
تیر پیوستہ ہیں خوں بہتا ہے سوفاروں سے
لاکھ آفت میں ہے اک جان دل آزاروں سے
فکر ہے سجدۂ معبود میں سر دینے کی،
وار سے تیغوں کے فرصت نہیں دم لینے کی

جمعہ محرم کی دسویں تاریخ کو جانبین سے صف آرائی ہوی۔ محبان اہل بیت دوپہر تک بہت سے اشقیاء کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور خود بھی لڑتے لڑتے راہ خدا میں اپنی جانیں قربان کر ڈالیں۔ اب صرف عالی مقام تن تنہا مخالفین کا بہت دیر تک جواب دیتے رہے آخر کار آپ

کا جسم مبارک بھی تیروں سے چور چور ہو چکا تھا اور پھر تین دن کے بھوکے پیاسے، اس وقت نہ آپ کا کوئی مددگار و معاون تھا الحت رسولؐ اپنے جنگی جوہر کا مظاہرہ کرتے رہے، یہاں تک کہ نڈھال ہو کر گھوڑے سے اُترے اور زندگی کا آخری سجدہ بارگاہِ الٰہی میں بجا لایا۔ ابھی سجدہ ریز تھے کہ ملعون شمر بن ذی الجوشن نے تلوار کا وار کیا اور بدبخت سنان بن انس نے تیر مار کر شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہٰ است حسینؑ

تاریخ کے اس المناک خونچکاں واقعہ کے بعد دنیا والوں کے سامنے حضور سرکار دو عالمؐ کی وہ پیشین گوئیاں حقیقت بن کر سامنے آگئیں جن کو آپ کئی سال پیشتر بیان فرمایا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو جبرئیل نے خبر دی کہ میرا بیٹا حسینؑ طف کی زمین پر قتل کیا جائے گا اور یہ مٹی لا کر مجھکو دکھلائی کہ اس میں اس کی قبر ہوگی۔

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ٹھیک دوپہر کے وقت باہر تشریف لائے، آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی تھی اس میں مٹی ملا ہوا خون تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ حسینؑ اور ان کے دوستوں کا خون ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں میں ہمیشہ اس کو دیکھا کرتا تھا۔ ایک دن اس کو دیکھا کہ مٹی بالکل خون ہو گئی ہے پس معلوم ہوا کہ آپ شہید کر دیئے گئے۔

حضرت ام سلمہ رض فرماتی ہیں کہ ایک دن جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خواب استراحت سے بیدار ہوئے، آپ کے دست مبارک میں سرخ مٹی تھی جس کو آپ بوسہ دے رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ یہ کیسی مٹی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ حسینؑ سرزمین عراق میں قتل کئے جائیں گے اور یہ وہیں کی مٹی ہے۔

ناظرین حسینؑ کی یہ شہادت عظمیٰ اللہ کی عظمت اور رسولؐ کی سنت اور اسلام کی سربلندی کے لئے ہے۔ بنی امیہ کی اس غیر شرعی حکومت کو مٹانے کے لئے سر کٹوایا تھا۔ جس نے اسلام کی حقیقی اسپرٹ اور جمہوریت کو مٹا کر شخصی اقتدار قائم کیا تھا۔ اللہ کی حاکمیت کی جگہ انسانی سطوت و ثروت کی داغ بیل ڈالی اور حصول اغراض کے لئے ظلم و تشدد جبر و ستم کو اپنا زیور بنایا۔

حضرت حسینؑ نے ایسے وقت میں قربانی پیش کی اور فسق و فجور کو مٹانے کیلئے علم بلند کیا اگر اس وقت ایسا نہ کیا جاتا تو اسلام پہ طاغوتی طاقتیں غالب آجاتیں اور آپ رضی اللہ عنہ کا یہ عظیم کارنامہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اس وقت تک زندہ جاوید رہیگا جب تک یہاں رسولؐ کی صدائیں بلند ہوتی رہینگی، اور منبروں پہ خطبے پڑھے جاتے رہیں گے اور دنیا کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔

شاہ است حسینؑ شہنشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے پیارے محبوب صلعم کے صدقے سے حق و صداقت کی بلندی کیلئے جبر و استبداد کے خلاف مقابلہ کی جرأت عطا فرمائے اور اہلبیت کی سچی محبت و عقیدت اور تعظیم ہمارے قلوب میں جاگزیں فرمائے آمین ثم آمین، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

۲۵

حق جل شانہ نے جس طرح بنی نوع انسان کو تمام مخلوقات میں افضل واشرف بنایا اسی طرح اس میں مراتب و درجات بھی قائم کر دئے۔ جیسے پیغمبروں کے بعد صحابہ اولیائے کرام محدثین، فقہا وعلماء اور صوفیاء کا درجہ ہے، اسی طرح ماں باپ کو بھی خدا و رسول کے بعد کا درجہ دیا گیا۔ قرآنی تعلیمات میں خدا و رسول کی اطاعت کے بعد والدین کی فرماں برداری اور ان کی اطاعت کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے ان کی اطاعت جزو ایمان قرار دی گئی اور ان کے ادب و احترام کو مذہب اسلام میں ایک اونچا مقام حاصل ہوا۔ اور اس کو اخلاق انسانی میں ایک بلند رتبہ عطا کیا گیا۔ ان سے بڑھکر کائنات میں اور کس کا مرتبہ ہو سکتا ہے کہ خود خداوند قدوس نے اَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ کہہ کر شکر میں اپنے ساتھ ان کو بھی شامل کر لیا بھلا اب والدین کی بزرگی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے ہر دانشمند اس بات کا قائل و معترف ہے کہ والدین خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں اور یہ بات مسلمہ ہے کہ انسان کو اپنی جان اور جسم سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں۔ پھر بتاؤ کہ اپنے خون میں حصہ دینے والے اور ہماری جانب سے ہونے والی ہر تکلیف ومصیبت کو بخوشی قبول کرنے والوں کا کس طرح شکریہ ادا کیا جائے ع

کس منہ سے شکر کیجئے اس لطفِ خاص کا

ہماری پیدائش اور پالنے پوسنے میں جو تکالیف انہیں لاحق ہوئیں اور جن مصیبتوں کا انہیں سامنا کرنا پڑا ان کا ذکر کرتے ہوئے خدائے تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے:-

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ط

یعنی ہم نے انسان کو ان کے والدین کے حق میں تاکید کر دی، (کہ ہر حال میں ان کا ادب ملحوظ رکھے) کہ اسکی ماں نے اس کو اپنے پیٹ میں رکھ کر بوجھ پہ بوجھ اٹھایا اور طرح طرح کی تکالیف برداشت کی، یہاں تک کہ جب وہ پیدا ہوا تو اس کے بعد بھی دو سال تک اپنے دودھ سے غذا دیتی رہی۔ چنانچہ شکر ادا کرو میرا (کہ میں نے تم سے اتنی محبت اس کے دل میں دی) اور پھر شکر ادا کرو اپنے والدین کا کہ آخر کار تم میرے ہی طرف لوٹنے والے ہو۔ پھر فرمایا کہ اگر تیرے ماں باپ تجھ کو اس بات پر مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک بنائے، تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ مگر ان دنیا میں ان کے ساتھ نیکی کرنا۔ اور اتباع کرنا ان لوگوں کی جو ہر بات میں

ہماری طرف رجوع کرنے والے ہیں اور ہمارا حکم بجا لاتے ہیں۔ کیونکہ تم کو آخر کار ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے پس تم کو آگاہ کر دیا جائے گا اس وقت جو تم دنیا میں کر لائے ہیں یعنی ہم اس کا بدلہ دیں گے۔

اس آیت شریف میں اللہ تعالیٰ والدین کے مرتبہ کو بیان کرتے ہوئے ان سے ادب کی تاکید فرمایا ہے اور اپنے اور والدین کے درمیان اتنا فرق رکھ دیا ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں تو ان کی اطاعت نہ کرنا اور باقی باتوں میں فرما دیا کہ والدین کی اطاعت میری اطاعت ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اگرچہ وہ مشرک بھی کیوں نہ ہوں چنانچہ:

حدیث قدسی ہے، مَنْ رَضِیَ عَنْهُ وَالِدُهُ فَاَنَا عَنْهُ رَاضٍ، یعنی جس شخص کے والدین اس سے راضی ہوں میں بھی اس سے راضی ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایام جہاد میں ایک شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور جہاد کی اجازت چاہا۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "کیا تیرے والدین بھی زندہ ہیں" جواب ملا "ہاں" تو آپ نے ارشاد فرمایا "جا ان کے حقوق کی حفاظت میں کوشش کر اور ان کے ساتھ نیک سلوک کر یہی تیرے لئے جہاد ہے (بخاری مسلم)

تو یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کے ساتھ نیک سلوک اور ان کے حقوق کو جہاد پر ترجیح دی ہے۔ اور جہاد ایک ایسی عبادت خالصہ ہے جس میں صرف دین کی خدمت مقصود ہوتی ہے اور جس میں اپنی جان کی کچھ پرواہ نہیں رہتی تو اس سے ثابت ہوا کہ والدین کی خدمت بھی ایک بڑی عبادت ہے۔ جس کا ذکر بار بار قرآن پاک میں ہوا ہے اور جس کی اور رسول اللہ صلعم نے تاکید فرمائی ہے اور یہاں تک کہ والدین کی طلب پر نفل نماز کا توڑنا اور ان کے حکم کی اتباع کرنا جائز ہو گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلعم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ اس بات کا زیادہ حقدار کون ہے کہ میں اس کے ساتھ اچھا سلوک کروں۔ ارشاد ہوا تیری ماں، عرض کیا پھر کون۔ فرمایا تیری ماں، عرض کیا پھر کون۔ ارشاد فرمایا تیری ماں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ تین مرتبہ والدہ کا ارشاد ہوا پھر والد کا اس کے بعد رشتہ داروں کا (بخاری مسلم) دیکھئے اس شخص کا حضورؐ سے بار بار عرض کرنا کہ ماں کے بعد پھر کون ہو سکتا ہے لیکن حضورؐ نے ہر مرتبہ ماں ہی کا نام لیا۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ اور پھر جب ارشاد کا طالب ہوا تو زبانِ اقدس سے نکلا پھر تیرا باپ۔ یعنی زیادہ حقدار ہیں تو صرف یہ دونوں ہیں۔ ان کے بعد اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ تمہارا زیادہ قریبی رشتہ دار ہے۔

بہ چوں کہ ایک شفیق ماں اپنی اولاد کے لئے ایسی ہی ہے جیسے ایک نبی اپنی امت کے لئے مہربان ہوتا ہے۔ ایک شخص جس طرح خود کو رنج و غم، دکھ درد سے بچانے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح ماں اپنے بچوں کو ہر طرح کی آفت سے بچانے کی کوشش کرتی ہے۔ جب اسے کوئی تکلیف پہنچے تو بیقرار ہو جاتی اور اپنی جان سے بڑھکر اس کی حفاظت میں لگی رہتی ہے۔ آپ دیکھتے ہوں گے کہ جب اپنے بچہ کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو وہ اس کے لئے ڈھال ثابت ہوتی ہے۔ اس کو خوشحال دیکھ کر خوش اور غمگین دیکھ کر پژمردہ ہو جاتی ہے۔ نہ معلوم اس میں وہ کونسی محبت ہے اور کونسی غیر معمولی شفقت ہے اور وہ اس کی تربیت میں بھی ایسی ہی بےقرار

درسے بے چین نظر آتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ ایک اچھی ماں ہزار اساتذہ سے بہتر ہے یعنی ماں سے اپنے بچوں پر خاص اثر پڑتا ہے۔

گھر میں جو نقش کھنچ جاتا ہے آگے چل کر یعنی مدرسوں میں وہی سنورتا ہے، گھر میں زمین کو تمام برائیوں سے پاک کر کے اس کو جوتنے کے قابل کر دیتے ہیں پھر اسی میں بیج ڈالی جاتی ہے۔ کسی شاعر کا کیا خوب کہنا ہے ؎

گھر کی بگڑی تربیت نے گر بگاڑا ہے تمہیں،
مدرسوں میں جا کے تم ہرگز سنور سکتے نہیں

معلوم ہوا کہ والدین کی گود ایک مکتب ہے جہاں درست ہوئے بغیر مدرسوں میں جا کے سنورنا بہت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ بچپن میں ماں باپ کے اقوال اپنی اولاد کی تربیت میں بے حد کارگر ثابت ہوتے ہیں۔ بچوں کی نظر اپنے ماں باپ کے ہر فعل و عمل پر لگی رہتی ہے۔ بلکہ خود بخود اس پر عمل کرنے کی سعی کرنے لگتے ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ بچے ماں باپ کی ہو بہو تصویر ہوتے ہیں۔

ماں باپ ہر حیثیت سے خدا کی دی ہوئی ایک بہت بڑی نعمت ہے جن کی بزرگی اور عظمت سے کسی کو انکار نہیں۔ جو شخص اپنی حیات میں والدین کو زندہ پا کر ان کی خدمت بجا لایا اور انہیں احسان مندی کا ثبوت دیا تو وہ بہت ہی بانصیب ہے۔ اللہ رب العزۃ نے بھی متعدد مقامات پر اپنے کلام پاک میں ان کے ادب و تعظیم کی تاکید فرمائی ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ؀

یعنی اے پیغمبر تمہارے پروردگار نے قطعی حکم کیا ہے کہ لوگوں کو سمجھا دو کہ اے لوگو! سوائے اس خدائے واحد کے کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا کرو۔ اور جب ان میں سے کوئی بڑھاپے کو پہنچ جائے یا دونوں ہی تو ان کیلئے کلمہ اُف تک زبان پر نہ لایا کرو اور انہیں جھڑکی بھی نہیں دیا کرو بلکہ ان سے نرم بات کہنا اور نرمی سے پیش آنا اور محبت سے خاکساری کا پہلو ان کے آگے جھکائے رکھنا اور ان کے حق میں دعا کرتے رہنا کہ اے پروردگار جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا اور میرے حال پر رحم کیا اسی طرح تو بھی ان پر اپنا رحم و کرم فرما۔

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ اپنے مخلوق کے مقصدِ تخلیق کو سمجھاتے ہوئے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کیا ہے اور اپنی اطاعت کے بعد ان کی اطاعت کا حکم صادر فرمایا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آگے چل کر اپنے حکم میں اللہ عزوجل نے اتنی باریکیاں پیدا کر دی ہیں، کہ ان کے ساتھ کلمہ اُف تک استعمال نہ کریں۔ اور ترشروئی سے پیش نہ آئیں یعنی ان کے حکم پر کلمہ نہ و نہیں تو درکنار بلکہ لفظ اُف تک زبان پر نہ لانا چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر اُف سے بھی کوئی ہلکا کلمہ ایسا ہوتا جو ان کی عدول حکمی کو ثابت کرتا تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ بیان فرما دیتا۔

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتِكُمْ تمہاری ماؤں کے قدموں تلے جنت ہے، مطلب یہ کہ والدہ کی خدمت کا بدلہ جنت ہے ایسی بیشمار احادیث ہیں جو والدین کے حقوق کی تفسیر

بخوبی کرتی ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مراتب جو مجھے ملے ہیں یہ صرف میری والدہ کی خدمت اور فرماں برداری بجالانے کی وجہ اور ان کی دُعا کے اثر سے ہے۔ ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ میری والدہ نے مجھ سے پینے کے لئے پانی طلب کیا لیکن گھر میں پانی موجود نہیں تھا اس لئے میں آبخورہ لئے ہوئے نہر پہ گیا اور پانی بھر لایا۔ رات کا وقت تھا اور نہر گھر سے دُوری پہ تھی۔ چنانچہ جانے اور آنے میں دیری ہوگئی۔ اور میری والدہ سو رہیں۔ اس لئے میں رات تمام پانی لئے ہوئے والدہ صاحبہ کے سرہانے کھڑا رہا۔ سردی انتہائی شدید تھی۔ جب میری والدہ بیدار ہوئیں تو انہیں پانی پلایا۔ والدہ نے کہا کیوں رات تمام کھڑے رہے۔ اگر پانی رکھ دیئے ہوتے۔ میں نے عرض کیا اس خیال سے کہ آپ بیدار ہوں اور پانی نہ پئیں تو آپ کو تکلیف ہوگی اور میں خدا کے پاس پکڑا جاؤں گا تو کیا جواب دوں گا۔ والدہ محترمہ یہ دیکھ کر دُعائیں دینے لگیں۔

ایک اور واقعہ ہے کہ ایکمرتبہ میری والدہ نے دروازہ کے ایک پٹ کو بند کرنے کے لئے کہا۔ میں دروازہ کے پاس جاکر اس تردد میں تمام رات ٹھہرا رہا کہ والدہ نے کس پٹ کو بند کرنے کو کہا ہے۔ اگر میں کسی ایک پٹ کو بند کردوں اور والدہ نے دوسرے کا حکم کیا ہو تو عدول حکمی لازم آئیگی اور میں گنہگار ٹھہرونگا۔ یہی اسباب تھے اور یہی والدہ صاحبہ کی دعاؤں کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مراتب عالیہ عطا کئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ والدہ کی دعا کے اثر سے قسمت بھی بدل سکتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ والدہ کی دُعا اپنے اولاد کے حق میں ایسی ہی موثر ہے جیسے نبی کی دُعا اپنی امت کے لئے۔

اسی طرح سردار اولیاء حضور غوث الثقلین غوث الاعظم دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے آپ کی والدۂ محترمہ نے سفرِ علم کی روانگی کے وقت فرمایا جاؤ میں نے تمہیں خدا کے سپرد کیا۔ مگر بیٹا یاد رکھو کہ کبھی جھوٹ نہ بولنا اسی میں تمہاری کامیابی ہے۔ قارئین کو نظرِ غائر یعنی بصیرت کی ضرورت ہے کہ وہ کون شخص ہوسکتا ہے جو اپنے جان و مال پہ کسی کی نصیحت کو ترجیح دے ایسے نازک موقعہ پہ جبکہ زندگی گھاٹہ میں پڑ گئی ہو، اور بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہے۔ قافلہ لٹ جانے کے بعد اگر آپ چاہتے تو ڈاکوؤں سے کہہ سکتے تھے کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ اور ظاہری حالت سے انہیں یہ گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ ان کا کہنا جھوٹ ہے لیکن اس محبوب خدا مقبول ہر دو جہانی کی اس اطاعت پہ قربان جائیے کہ جنہوں نے والدہ کی نصیحت کو اپنے لئے لائحۂ عمل بنایا اور بغیر کسی خوف کے کہہ دیا کہ میرے پاس چالیس درہم ہیں۔ آخر الامر بہت کچھ تلاش کے بعد آپ کا قول سچا ثابت ہوا۔ اور کل رقم برآمد ہوئی۔ یہ دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اپنی بُری حالت اور آپکے بہترین عمل پہ ان کی پریشان نظر پڑی بے حد شرمندہ ہو گئے۔ فوراً آپ کے دستِ حق پرست پہ اسلام لے آئے، اور لوٹا ہوا مال قافلہ والوں کو واپس کر دیا۔

دیکھئے والدہ کی نصیحت اور آپ کی فرماں برداری نے کتنا جلد ان گمراہوں کو راہِ ہدایت دکھا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ خدا کے محبوب بن گئے اور آج بھی محبوب سبحانی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

ایسے تو بے شمار واقعات تاریخ کے صفحات میں والدین کی اطاعت اور ان کی فرماں برداری کی تاکید سے بھرے پڑے

ہیں، مزید اور چند احادیث والدین کی فضیلت سے متعلق ملاحظہ فرمائیں۔

ایک موقع پر ہادیٔ اعظم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کُلُّ الذُّنُوْبِ یَغْفِرُ اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْھَا مَا شَاءَ اِلَّا حُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ فَاِنَّهٗ یُعَجِّلُ بِصَاحِبِهٖ فِی الْحَیٰوۃِ قَبْلَ الْمَمَاتِ یعنی تمام گناہوں میں سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہیگا بخشدیگا مگر وہ شخص نہیں بخشا جائیگا جس پر اس کے والدین کے حقوق باقی رہ گئے ہوں۔ اس لئے کہ یہ حقوق جلدی کئے جانے والے ہیں، اس کے حقدار کیلئے اس کی حیات ہی میں، موت سے پہلے یعنی موت سے پہلے ہی یہ حقوق اس پر واجب ہو گئے ہیں جن کے احسان کا بدلہ اس کو اپنی حیات میں ہی دینا ہوگا۔

اور پھر کسی نے ماں باپ کے حق کے متعلق آپؐ سے سوال کیا تو آپ صلعم نے بتایا کہ ھُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ (ابن ماجہ) وہ تیری جنت اور دوزخ ہیں مطلب یہ کہ ان کے ساتھ بھلائی کرنے میں تیرے لئے جنت ہے اور برائی کا بدلہ دوزخ۔

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں ابلیس اور عاقِ والدین کے درمیان ایک درجہ کا فرق ہے اور وہ دوزخ میں ابلیس کا ہمسایہ ہوگا اور جنت میں پیغمبر اور محسن والدین کے درمیان ایک درجہ کا فرق ہے، وہ جنت میں پیغمبرؐ کے ساتھ ہوگا۔

حضور اکرمؐ فرماتے ہیں کہ جس رات میں معراج گیا تھا وہاں ایک قوم کو دیکھا جو آتش کی سولی پر لٹک رہی تھی۔ مجھے تعجب ہوا اور جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے بھائی یہ کونسی قوم تھی اور ان کا گناہ کیا ہے۔ جن کو اس طرح کا عذاب دیا جا رہا ہے۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ قوم اپنے ماں باپ کو گالی اور رنج و ایذا پہنچاتی تھی۔ تب مالک فرشتہ نے کہا اللہ تعالیٰ کا مجھ پر حکم ہوا ہے، کہ اس قوم کو آتش کی سولی پر لٹکاؤں اور ان کی زبانوں کو آگ کی کونچل سے گدی کی طرف کھینچ کر تالو سے نکالوں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یاد رکھو! میں تمہیں تین چیزوں کی وصیت کرتا ہوں۔ پہلی وصیت نماز میں کوتاہی نہ کرنا، دوسری والدین کے ساتھ نیکی کرنے میں خطا نہ کرنا۔ تیسری وصیت باندی اور غلام کو ایذا اور رنج نہ دینا۔ تحقیق والدین کے ساتھ نیکی کرنا عمر کی زیادتی کرتا ہے۔

قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جس بندہ کی عمر میں صرف تین سال باقی ہیں اور وہ اپنے والدین کے ساتھ نیکی سے پیش آتا ہے تو حق تعالےٰ اس کی عمر تین سال کو تیس سال کر دیتا ہے اور جس بندہ کی عمر ابھی تیس سال باقی ہو اور وہ اپنے والدین کو رنج و ایذا پہنچاتا ہے تو اس کی عمر بجائے تیس سال کے تین سال کر دیتا ہے۔

علاوہ اس کے والدین کو رنج و ایذا پہنچانے والوں کے لئے خدائے عزوجل کے پاس سوائے عذاب کے کچھ نہیں اور کبھی ان کی مغفرت نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ ان کے ماں باپ ان سے راضی نہ ہوں۔

چنانچہ انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ پیغمبرؐ کے زمانہ میں ایک شخص علقمہ عبادت و سخاوت اور جود و کرم میں بہت مشہور تھا۔ اچانک وہ بیمار ہوا اور بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو اپنی بیوی سے حضورؐ کے پاس جا کر اپنے احوال عرض کرنے کو کہا۔ وہ جا کر تمام احوال پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ

وسلم سے بیان کی اور آپؐ مع چند اصحاب کے علقمہ کے گھر
تشریف لائے اور علقمہ سے دریافت کیا اے علقمہ تیرا کیا
حال ہے؟ وہ جواب نہ دے سکا پھر آپ نے کلمۂ شہادت تلقین
فرمایا لیکن وہ زبان نہ کھول سکا۔ پھر چند دفعہ آپؐ نے تلقین
کی کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ تب پوچھا کیا اس کے والدین بھی زندہ ہیں؟
جواب ملا والد انتقال کر گئے ہیں البتہ ایک بوڑھی ماں موجود
ہے۔ تب آپؐ نے فرمایا۔ اے علقمہ کی ماں! علقمہ کس طرح زندگی
بسر کیا۔ اس نے کہا روزہ رکھتا تھا، نماز پڑھتا تھا اور خیر
وخیرات میں تو بہت مشہور تھا۔ غرضیکہ نیکی کے کاموں میں
ہمیشہ پیش پیش رہتا تھا۔ لیکن اپنی بیوی کو مجھ پر فضیلت
دے رکھا تھا۔ اس لئے میں اس سے ناخوش رہتی تھی۔ یہ سن
کر حضورؐ نے فرمایا کہ اے لوگو! لکڑیاں جمع کرو اور آگ لگاؤ اس
میں علقمہ کو جھونک دو۔ جب اسکی ماں نے سنا تو بیتاب ہو کر کہنے
لگی اے پیغمبر خداؐ اس طرح کیوں! میرا بیٹا میرے دل کا میوہ
اور چین وسکون ہے اور آپ اس کو آگ میں جلانے کا حکم
دیتے ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے بڑھیا۔ خدائے تعالیٰ کا
عذاب اس سے کئی گنا زیادہ اور سخت ہے۔ تو جب تک اپنے
بیٹے سے خوش اور راضی نہ ہوگی خدائے تعالیٰ بھی اس سے راضی
نہ ہوگا۔ اور اس کے روزے نماز اور خیر خیرات کی تمام چیزیں
تیرے ناخوش ہونے تک کچھ فائدہ نہ دیں گے۔ تب اس بڑھیا نے
کہا یا رسول اللہ! تحقیق میں اپنے چشم وچراغ سے راضی ہوگئی۔
پس پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے علقمہ کے پاس
جا کر کلمۂ شہادت تلقین فرمایا۔ علقمہ کلمہ شہادت پڑھا
اور اپنی جان کو مولائے برتر کے سپرد کر دیا۔ تدفین کے
بعد حضور اکرم صلعم نے اس کی قبر کے کنارے کھڑے ہو کر ارشاد
فرمایا اے گروہ مہاجرین وانصار! جو شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں
پر فضیلت دیا۔ حق تعالیٰ اس کی فرض نماز، نفل نماز، روزہ،
اور خیر خیرات غرضیکہ کوئی نیکی قبول نہیں کریگا۔

ان تمام احادیث وواقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے
کہ والدین کی عظمت وبزرگی اسلام میں ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہے
اور یہی سبب ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بار بار اس کی
تاکید فرمائی ہے اور آپؐ نے ان کا مقام بتاتے ہوئے ان کی بزرگی
کی وضاحت کر دی ہے۔ چنانچہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

ماں باپ کا عزیزو مانا نہ جس نے کہنا
دشوار ہے جہاں میں عزت سے اسکا رہنا

الغرض والدین ایک گراں مایہ نعمت ہیں جن کی اطاعت
اور فرماں برداری سعادت دارین کا باعث ہوتی ہے۔ جس
شخص کے والدین اسکی حیات میں ہی دار فانی کو لبیک کہے ہوں
اس پر واجب ہے کہ انہیں ہر دعا میں مقدم رکھے اور خدائے
عزوجل کے پاس ان کی مغفرت چاہے اور ان کے نام پر
خیر خیرات کرے اور قرآن شریف پڑھکر ثواب پہنچاتا رہے۔

اللہ رب العزۃ سے دعا ہے کہ ہمیں والدین کی
خدمت اور ان کے حقوق کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
وما علینا الا البلاغ

غالب اور اقبال دونوں اُردو کے مایۂ ناز فنکار ہیں، دونوں اردو فارسی کے عظیم المرتبت شاعر اپنے اپنے اسلوب کے موجد اور اپنی زبان کے خالق ہیں۔ دونوں ابداع اور اختراع کی بے پناہ قوتوں کے مالک ہیں۔ دونوں کا طرز فکر فلسفیانہ ہے۔ دونوں نے اُردو ادب میں ترقی پسندانہ رجحانات کو رواج دے کر ہماری شاعری کو ایک نیا موڑ عطا کیا۔ اگر غالب اور اقبال کی شخصیتوں کے اس خارجی مماثلت کے اسباب پر غور کریں اور دونوں کے مجموعی کلام کو پیش نظر رکھ کر ان کی فنی علمی اور تحقیقی بصیرتوں کا تقابلی جائزہ لیں، تو ہمیں ان کی طبیعتوں میں عجیب تطابق اور تشابہ نظر آتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اقبال شروع میں زبان کی سادگی، اور بیان کے لوچ کی وجہ سے داغ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ابتدائی غزلیں انہیں کے رنگ میں کہیں۔ لیکن چونکہ اقبال اور داغ میں کوئی ذہنی مناسبت نہ تھی اس لئے وہ بہت جلد داغ کے رنگ سے ہٹ کر غالب کی طرف مائل ہوگئے۔ پروفیسر عبدالقادر سروری مصنف جدید اردو شاعری لکھتے ہیں کہ داغ کی صناعی سے سیر ہو جانے کے بعد فطرت اقبال کی طبیعت کو غالب سے لگاؤ پیدا ہوگیا۔

اقبال کے خیال میں وہی عمیق ہے جس کی اقبال کو ابتدا سے تلاش تھی، چنانچہ اقبال نے ارشد وغیرہ کی صحبتوں سے استفادہ کیا۔ داغ سے اصلاح لی اور غالب سے معنوی فیض حاصل کیا اور یہ آخری اثر ان کی طبیعت کے مناسب تھا۔ اس لئے دیرپا ثابت ہوا اور آخر تک کسی نہ کسی صورت میں ظاہر ہوتا رہا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اقبال اگر کسی اردو شاعر سے متاثر ہوئے ہیں تو وہ صرف غالب تھے۔ "بانگ درا" میں غالب پر جو نظم ہے اس میں کلام غالب کے ان نکات و محاسن کی تفصیل بھی ملتی ہے، جنہوں نے اقبال کو غالب کا گرویدہ بنالیا تھا اور یہ گرویدگی آخر تک قائم رہی۔

جاوید نامہ میں ارواح جلیلہ کے عنوان سے روح غالب اور اقبال کا جو مکالمہ ملتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال آخر تک روح غالب سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے بڑی معقول بات کہی ہے کہ اقبال کے یہاں رومی بھی ہیں، اور برگساں بھی، کارنیل بھی ہیں اور مارکس بھی۔ لینن بھی، بیدل بھی۔ اور غالب بھی۔ لیکن اقبال کے اندر ان سب میں کسی کی حیثیت جوں کی توں باقی نہیں رہی۔ اس نے اپنے تصورات کا قالین بنتے ہوئے کچھ رنگین دھاگے اور بعض خاکے، ان لوگوں سے لئے ہیں، لیکن اس کے مکمل قالین کا نقش کسی دوسرے نقشہ کی ہو بہو نقل نہیں ہے۔ اقبال کے قالین کے ان دھاگوں اور خاکوں کے متعلق جو بقول ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم دوسروں سے لئے گئے ہیں۔ بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن ان دھاگوں اور خاکوں کو تفصیل سے سامنے لانے کی کوشش نہیں کی گئی جو انہوں نے اردو کے ایک

شاعر سے لیا ہے۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان نے "روح اقبال" کے حاشیہ میں غالب و اقبال کے ذوق باطنی کی مناسبت کی طرف کہیں کہیں اشارے کئے ہیں۔

آثارِ غالب کے مصنف نے بھی اردو شاعری سے قطع نظر کرکے غالب و اقبال کے صرف فارسی کلام کا تقابلی جائزہ کیا ہے لیکن ان دونوں کے مجموعی کلام کو پیش نظر کرکے اب تک اس مسئلہ پر تفصیلی قلم نہیں اٹھایا گیا۔ اس وقت ہم کو غالب و اقبال کے ذہنی فنی اشتراک کا ذرا وضاحت سے جائزہ لینا ہے

آرٹ

اقبال قدیم مشرقی فن کاروں کی طرح آرٹ کے سلسلہ میں ایمائیت و رمزیت کو محض واقعہ نگاری پر ترجیح دیتے ہیں اور یوں اظہار خیال کرتے ہیں۔

برہنہ حرف نہ گفتن کمال گویائی ست
حدیث خلوتیاں جز بہ رمز و ایمائی نیست

فنی معاملہ میں غالب بھی اس نقطۂ نگاہ کو محبوب و ملحوظ رکھتے ہیں۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

اقبال آرٹ میں اثر آفرینی کے لئے فن کار کے خلوص اور احساس کی صداقت کو ضروری جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک خلوص کے بغیر الفاظ کی طلسم کاری نہ کوئی لازوال آرٹ پیدا کر سکتی ہے اور نہ کوئی آرٹ اس وقت تک اپنے اظہار میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ تا وقتیکہ اس میں فنکار کے خونِ جگر کا رچاؤ نہ ہو، کہتے ہیں :-

نقش ہے سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

غالب نے اس خیال کو یوں نظم کیا ہے :-

حسن فروغِ شمع سخن دور ہے اسدؔ
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

غالب کے پاس کوئی متعین مقصدِ حیات نہ تھا وہ فلسفی سے زیادہ شاعر ہی رہنے پر فخر کرتے تھے۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

وہ زندگی کے اہم پہلوؤں کو جس طرح محسوس کرتے ہیں نفسیاتی لحاظ سے انہیں اسی طرح بیان کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک زندگی ایک عجیب و غریب نقشہ ہے۔ اس لئے راہِ حیات کی طرح ان کے خیالات میں بھی ناہمواری ملتی ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ غالب کے کلام میں سرے سے کوئی مقصدیت نہیں ہے غلطی ہے بلکہ اقبال نے کہا ہے کہ

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو آنکھ حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

بالکل اسی طرح غالب بھی شاعری میں حقیقت شناسی کے قائل ہیں، جو فنکار الفاظ میں فطرت کے رازِ سربستہ نہ کھول سکے اور جزو میں کل کا۔ قطرہ میں دجلہ کا مشاہدہ نہ کر سکے ان کے نزدیک وہ دیدۂ بینا نہیں رکھتا۔

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

مقصدیت

غرض غالب اور اقبال دونوں کے پیش نظر مقصدیت تھی اور ان میں کوئی فرق ہے تو صرف یہ کہ اقبال کی مقصدیت متعین و منضبط اور حکیمانہ ہے اور غالب کی مقصدیت صرف رندانہ اور شاعرانہ۔

—— اقبال اپنی بات اکثر ذہن کے ذریعہ سے دل میں

اور غالبؔ دل کے ذریعہ سے ذہن میں فن و ادب کی طرح زندگی کے دوسرے مسایل میں بھی اکثر جگہ ذہنی یگانگت ملتی ہے۔ اقبال قدیم صوفی مفکروں کی طرح کائنات کا شاہدِ معنی کا آئینہ بتاتے ہیں اور تخلیق کائنات کی غایت ان کے نزدیک یہ ہے کہ شاہدِ معنی اس آئینہ میں اپنے حسن کا آپ تماشا دیکھے۔ زبورِ عجم میں لکھتے ہیں :۔

صورت گرے کہ پیکر روز و شب آفرید
از نقش این و آں بہ تماشائے خود رسید

غالبؔ نے اس خیال کو اردو میں یوں ادا کیا ہے :۔

دہر جز جلوۂ یکتائیٔ معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں

تصورِ کائنات

اقبال کا خیال ہے کہ انسان کی طرح کائنات اور اس کے تمام مظاہر روزِ ازل سے ارتقا پذیر ہیں اور دعوے کے لئے وہ نیرنگیٔ عالم سے مدد لیتے ہیں۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

غالبؔ کے یہاں بھی کائنات سے متعلق یہی تصور ملتا ہے ان کا تصور اقبال کی طرح فلسفہ تو نہیں لیکن وہ کائنات کی ارتقا کے ضرور قایل ہیں، اپنے دعوے کے ثبوت میں، وہ استدلال سے کام لیتے ہیں۔ ان کا اندازِ بیان خالص غزل کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔

زمانہ عہد میں اس کے ہے محوِ آرائش
بنیں گے اور ستارے اب آسماں کیلئے

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

خودی کی تکمیل

اقبال خودی کی تکمیل کے لئے سرگرداں ہیں اور خالقِ کائنات سے بصد شوخی لکھتے ہیں کہ :۔

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر

بالکل اسی مفہوم کو غالبؔ یوں ادا کرتے ہیں :۔

خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اب تک
رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہیں

اقبال کی طرح غالبؔ نے کوئی رجائی فلسفہ تو پیش نہیں کیا پھر بھی انہیں قنوطی شاعر کہنا درست نہیں۔ ہر چند کہ ان کے یہاں ایسے اشعار مل جاتے ہیں جو انہیں قنوطی ثابت کرنے کے لئے پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن ان کی مجموعی شاعری کا نفسیاتی تجزیہ کریں اور عمل کی کسوٹی پر اس کے تاثرات کو پرکھیں تو پھر انہیں رجائی شاعر کہنے کے سوا چارہ نہیں۔ اقبال کی طرح غالب بھی فطرت کی تضاد پسندی کو فروغِ حیات کے لئے ضروری جانتے ہیں۔ وہ اس بات کو واعظانہ یا ناصحانہ انداز میں پیش نہیں کرتے بلکہ بڑے وثوق و دلیل کے ساتھ تضاد پسندیوں کی برکتوں کا ذکر اس طرح کرتے ہیں :۔

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
کشاکش ہائے ہستی سے کرے کیا سعیٔ آزادی
چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا
ہوئی زنجیر، موجِ آب کو فرصت روانی کی
ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

رجائیت کا فرق

دونوں کی رجائیت میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف یہ کہ غالبؔ زندگی

کے صرف عملی پہلوؤں پہ نظر رکھتے ہیں اور اقبال نظری بحث کو اصل حیات پہ حاوی کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ غم کو یکسر نظر انداز کر جاتے ہیں اور مجرد رجائیت کی تلقین فرماتے ہیں۔ غالب زندگی میں چولی دامن کا ساتھ بتاتے ہیں اور موت سے پہلے غم سے نجات پانا مشکل سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں غم سے یکسر نجات پانے کی کوشش کرنا یا ہر رنج سے مسکراتے رہنے کی تلقین غیر نفسیاتی و غیر فطری ہے۔ دانستہ رنج و غم کا اظہار نہ کرنا اور ہر حالت میں گیت گاتے رہنا ذہنی حیثیت سے ممکن ہے عملی حیثیت سے ممکن نہیں، چنانچہ غالب اپنے اس دعوے کے لئے نفسیاتی دلیل پیش کرتے ہیں۔

کیوں گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

غالب کے ان خیالات سے یہ نتیجہ نکالنا کہ غالب یاس و قنوط کی تقلین کرتے ہیں کسی طرح درست نہیں۔ ہر چند کہ وہ غم کا تذکرہ کرتے ہیں ان کا یہ مطلب نہیں کہ وہ غم کی تاب نہیں کرتے۔ اقبال کی طرح وہ بھی زندگی کے ہر رنج کو خوشی میں، ہر تلخی کو حلاوت میں اور ہر اضطراب کو سکون میں تبدیل کر دینے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ البتہ وہ انسانی نفسیات کے حدود سے آگے بڑھ کر فوق البشر بننے کی کوشش نہیں کرتے۔ ذیل کے چند اشعار سے ان کی رجائیت کا صحیح اندازہ ہو سکیگا۔

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

چمن میں مجھ سے روداد قفس کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خونچکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے،

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

کر گیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی
یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا

اقبال کے نزدیک خودی

اقبال کے نزدیک خودی جسے وہ احساس یا یقین ذات سے تعبیر کرتے ہیں، زندگی کا سرچشمہ ہے۔ اقبال کا خیال ہے کہ خودی جس قدر محکم و توانا ہوتی ہے شخصیت بھی اسی قدر قوی و مستحکم ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک کائنات کے تمام نامی و غیر نامی مظاہر خودی کے رہین منت ہیں۔

غالب کی خودی

خودی کیا ہے رازِ درونِ حیات
خودی کیا ہے بیداریِ کائنات

خودی میں ڈوب جا غافل یہ سرِ زندگانی ہے
نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہو جا

غالب کے یہاں اقبال کی سی فلسفیانہ خودی تو نہیں مگر ہاں احساس نفس یا ادراک ذات جسے اقبال خودی کہتے ہیں غالب بھی عزیز رکھتے ہیں، اور ان کے اثرات، ان کی عملی زندگی میں بھی پورے طور سے نمایاں ہیں۔ مولانا حالی کا بیان ہے، کہ مرزا غالب اپنی خودداری اور وضع داری کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ امراءِ عمائد سے برابری کی ملاقات رکھتے تھے۔ جو کوئی ان کے مکان پہ نہ آتا وہ بھی اس کے یہاں نہ جاتے وہ وقار و عزت کو سب پہ مقدم جانتے۔

مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ جب دہلی کالج نئے اصول پہ قائم کیا گیا اور فارسی لکچرار کے لئے مرزا غالب اور امام بخش صہبائی کا نام لیا گیا تو مسٹر TAMSLIEN سکرٹری

از جناب افضل العلماء مولوی
ابو المکارم سید مصطفیٰ حسین بخاری
کڈپوی مدرس دار العلوم لطیفیہ
و جنرل سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف
مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

مخزن السلاسل اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے جس میں حضرت مولانا سید شاہ ابو الحسن قادری بیجاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایکسو اکانوے (۱۹۱) سلاسل کو اکٹھا کر دیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صاحب کتاب کو ان تمام سلسلوں میں اجازت حاصل ہے اور آپ نے اپنے ہمشیر زادہ سید شاہ کریم اللہ قادری قدس سرہٗ کو مذکورہ تمام سلاسل میں اجازت و خلافت عطا کرتے ہوئے آداب بیعت و ارشاد سے روشناس فرمایا ہے۔ کتاب معلومات سے بھرپور اور بے حد اہمیت کی حامل ہے۔ شاید ہی آج تک ایسی کتاب لکھی گئی ہو۔ آپ علیہ الرحمہ نے یہ کارنامہ انجام دیکر دنیائے تصوف پر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔

زیر نظر کتاب قلمی ہے جس کے اگلے دس صفحوں میں تمام سلاسل کو اجمالاً پیش کرنے کے بعد ہر ایک سلسلہ کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ یہ کتاب درمیانہ سائز کے ایک سو چھہتر (۱۷۶) صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ صاحب کتاب نے اختتامیہ میں سنِ تصنیف ۱۰۹۲ھ تحریر کیا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ اس کتاب کو لکھے ہوئے تقریباً تین (۳) صدیاں ہو گئیں۔

بزرگانِ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کی علم دوستی و علم پروری کا نتیجہ ہے کہ وہ اکثر اہل علم و دانش کے ذوق کی تسکین کے لئے بزرگانِ دین کے علمی ذخیرے سے نادر و نایاب کتابیں منظرِ عام پر لاتے رہے ہیں۔ لہٰذا اس نادر و انمول کتاب کا ایک حصہ سلیس ترجمہ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا سید شاہ ابو الحسن قادری بیجاپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید شاہ عبد اللطیف قادری قدس سرہٗ کے حقیقی نانا ہوتے ہیں۔ موخر الذکر بزرگ شہر بیجاپور سے ویلور تشریف لائے اور بحکم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہیں جو آج مکان حضرت قطب ویلور سے مشہور ہے سکونت پذیر ہو گئے اور جنوب کی تاریکیوں کو روشنی سے بدل ڈالا۔ آپ کے مقدس ہاتھوں سے لگائے ہوئے چمنستانِ علم سے آج بھی ایک عالم خوشہ چیں ہے ہمیشہ کے لئے رہین منت رہیگا۔

کتاب مذکور جس میں ایک سو اکانوے سلاسل کا ذکر ہے ان

تمام کی اجازت خانوادۂ اقطاب ولیور کے تمام بزرگوں کو حاصل ہے لیکن بیعت صرف سلسلۂ عالیہ قادریہ میں لی جاتی ہے۔ البتہ خلافت کے مستحقین کو تمام سلاسل میں اجازت و خلافت عطا ہوتی ہے۔

انشاء اللہ تعالیٰ اس دُرِ نایاب کو افادۂ انام کے لئے منظر عام پر لایا جائے گا جس کے لئے سعی بلیغ جاری ہے۔

هوالله الموفق والمعين

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله الذی کرم الانسان بالخلافة والهداية والارشاد الشريفة وقال فی حقه تعظيمًا وتفخيمًا "انی جاعل فی الارض خليفة" وارشده الی ذاته وصفاته بالشريعة والطريقة والحقيقة۔ واجلسه علی سرير المراقبة والمشاهدة والمعرفة۔

والصلوة والسلام علی نبيه الخليفة الذی هو مجاز لان يطلب للمريدين اليه الشفاعة وعلی آله واصحابه الذين يکونون خليفة من بعده الی يوم القيامة۔

اما بعد فيقول الفقير المفتقر الی الله المنان ابوالحسن بن السيد عبد القادر بن شاه ابوالحسن القادری غفر الله ذنوبهم وستر عيوبهم ان هٰذا الکتاب المبارک المسمّیٰ "بمخزن السلاسل الحسنية فی الباس خرق فرق المشائخ الصوفية" مشتمل علی مأة واحدی وتسعين سلسلة

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے

تمام تعریفیں اللہ تعالےٰ کیلئے ہیں جس نے انسان کو خلافت ہدایت اور ارشاد شریفہ کے ذریعہ عزت عطا کی اور اس کی عظمت اور شان میں انی[1] جاعل فی الارض خلیفۃ فرمایا اور اس (خلیفہ) کی اپنی ذات وصفات کی طرف شریعت، طریقت اور حقیقت کے ذریعہ رہنمائی کرتے ہوئے اسکو مراقبہ، مشاہدہ اور معرفت کے تخت پر جلوہ فرو زکیا۔

اور صلوٰۃ وسلام اس کے نبیٔ خلیفہ پر کہ آپ کو اللہ کے نزدیک مریدین کے لئے شفاعت چاہنے کی اجازت دی گئی ہے اور آپ کی آل واصحاب پر جو قیامت تک آپ کے جانشین بنتے رہیں گے۔

یہ فقیر جو محتاج ہے خدائے محسن کا ابوالحسن ابن سید عبد القادر ابن شاہ ابوالحسن قادری معاف کرے اللہ انکے گناہوں کو اور چھپائے ان کے عیوب کو بے شک یہ مبارک کتاب جس کا نام "مخزن سلاسل حسنیہ مشائخ صوفیہ کی جماعتوں کو خرقہ جات پہنانے میں ہے۔ ایک سو ۱۹۱ اکانوے سلسلوں پر مشتمل ہے۔

---

[1] بے شک میں زمین میں خلیفہ (یعنی نائب) بنانے والا ہوں ۱۲

اثنا عشر منها فی بیت القادریة
التی صاحبها القطب الربانی الغوث
الصمدانی المحبوب السبحانی السلطان
السید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنه وارضاہ

جن میں سے بارہ[12] بیت قادریہ میں ہیں جس
کے سرپرست قطب ربانی غوث صمدانی
محبوب سبحانی سلطان سید عبدالقادر جیلانی
ہیں، راضی ہو اللہ ان سے اور خوش رکھے ان کو۔

وستة عشر منها فی بیت الچشتیة
التی صاحبها خواجہ ابو اسحاق الشامی
الچشتی قدس اللہ روحه

سولہ[16] بیت چشتیہ میں ہیں جس کے
سرپرست خواجہ ابو اسحٰق شامی چشتی
قدس اللہ روحہ ہیں۔

وستة منها فی بیت الشطاریة التی
صاحبها سلطان العارفین بایزید بسطامی
قدس اللہ روحه وستة منها فی بیت البخاریة
التی صاحبها السید جلال الحق والحقیقة
والشرع والدین الحسین الحسینی البخاری
مخدوم جهانیان قدس اللہ روحه

چھے[6] بیت شطاریہ میں جس کے سرپرست
سلطان العارفین بایزید بسطامی قدس
اللہ روحہٗ ہیں۔ چھے[6] بیت بخاریہ میں جس کے
سرپرست سید جلال الدین الحسین الحسینی
بخاری مخدوم جہانیان قدس
اللہ روحہٗ ہیں۔

وثمانية وعشرون منها فی
بیت السهروردیة التی صاحبها الشیخ
ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاهر
السهروردی قدس اللہ روحه۔

اٹھائیس[28] بیت سہروردیہ میں جس کے
سرپرست شیخ ضیاء الدین ابو النجیب
عبد القاہر سہروردی قدس
اللہ روحہ ہیں۔

وتسع منها فی بیت الرفاعیة
التی صاحبها السلطان السید احمد
کبیر ابی الحسن الرفاعی
قدس اللہ روحه۔

نو[9] بیت رفاعیہ میں جس کے سرپرست
سلطان سید احمد کبیر،
ابو الحسن رفاعی قدس اللہ
روحہ ہیں۔

وثمانية عشر منها في بيت الكبروية التي صاحبها الشيخ ابو الجناب احمد بن عمر الصوفي المشهور بنجم الدين الكبرى قدس الله روحه.

اٹھارہ ١٨ بیت کبرویہ میں جس کے سرپرست شیخ ابو الجناب احمد بن عمر صوفی ہیں جو نجم الدین کبریٰ کے نام سے مشہور ہیں قدس اللہ روحہ۔

واحدى عشر منها في بيت الكازرونية التي صاحبها العارف بالله الشيخ ابي اسحاق ابراهيم ابن شهريار الكازروني قدس الله روحه.

گیارہ ١١ بیت گازرونیہ میں جس کے سرپرست عارف باللہ شیخ ابو اسحاق ابراہیم ابن شہریار گازرونی قدس اللہ روحہ ہیں۔

وثلثه منها في بيت المدينة التي صاحبها الشيخ الكبير المشهور بشيخ ابي مدين شعب المغربي قدس الله روحه.

تین بیت مدنیہ میں جس کے سرپرست شیخ کبیر ہیں۔ جو ابو مدین شغب المغربی کے نام سے مشہور ہیں۔ قدس اللہ روحہ۔

وواحدة في بيت النقشبندية التي صاحبها الشيخ بهاؤ الدين المشهور بنقشبند قدس الله روحه

ایک ١ بیت نقشبندیہ میں جس کے سرپرست شیخ بہاؤالدین ہیں جو نقشبند کے نام سے مشہور ہیں۔ قدس اللہ روحہ۔

واربعة منها في بيت اويسية التي صاحبها سلطان السالكين قطب العالمين اويس القرني قدس الله روحه.

چار ٤ بیت اویسیہ میں جس کے سرپرست سلطان السالکین قطب العالمین اویس قرنی قدس اللہ روحہ ہیں۔

وسبعة منها في بيت سلطان ابي الخير قدس الله روحه

سات ٧ بیت سلطان ابو الخیر قدس اللہ روحہ میں ہیں۔

وثنتان منها فی بیت الشیخ ابی علی دقاق قدس الله روحه

دوؔ بیت شیخ ابو علی دقاق قدس اللہ روحہ میں ہیں۔

وثنتان منها فی بیت الشیخ عبد الله الحموی قدس الله روحه

دوؔ بیت شیخ عبد اللہ حموی قدس اللہ روحہ میں ہیں۔

وسبعة منها فی بیت الشیخ ابی الخیر اقبال الملقب من رسول الثقلین بطاؤس الحرمین قدس الله روحه۔

ساتؔ بیت شیخ ابو الخیر اقبال میں ہیں۔ آپ کو بارگاہ رسول الثقلین سے طاؤس الحرمین کا لقب عطا ہوا ہے، قدس اللہ روحہ۔

وواحدة منها فی بیت الشیخ شمس الدین التبریزی قدس الله روحه

ایکؔ بیت شیخ شمس الدین تبریزی ہیں، قدس اللہ روحہ میں ہے۔

وواحدة منها فی بیت الشیخ ابی السلطان ابراهیم بن ادهم البلخی قدس الله روحه

ایکؔ بیت شیخ ابو اسحٰق سلطان ابراہیم ابن ادھم بلخی قدس اللہ روحہ میں ہے۔

وواحدة منها فی بیت الشیخ الکبیر ابی عبد الله الخفیف قدس الله روحه

ایکؔ بیت شیخ کبیر ابو عبد اللہ خفیف قدس اللہ روحہ میں ہے۔

وواحدة منها فی بیت الشیخ مومل بن محمد علی البنا قدس الله روحه۔

ایکؔ بیت شیخ مومل بن محمد علی البنا قدس اللہ روحہ میں ہے۔

وواحدة منها فی بیت الشیخ الحسین المنصور الحلاج قدس الله روحه

ایکؔ بیت شیخ حسین منصور حلاج قدس اللہ سرہٗ میں ہے۔

وواحدة منها فی بیت الشیخ ابی محمد احمد بن محمد بن الحسین الحریری قدس اللہ روحہ

ایک[1] بیت شیخ ابو محمد احمد ابن محمد ابن الحسین حریری قدس اللہ روحہ میں ہے۔

وواحدة منها فی بیت الشیخ فرید الدین العطار قدس اللہ روحہ۔

ایک[1] بیت شیخ فرید الدین عطار قدس اللہ روحہ میں ہے۔

وواحدة منها فی بیت الشیخ ابی عبد اللہ محمد بن الحسین بن عبد الملک الخلال قدس اللہ روحہ

ایک[1] بیت شیخ ابو عبد اللہ محمد بن حسین بن عبد الملک خلال قدس اللہ روحہ میں ہے۔

وواحدة منها فی بیت الطبقاتیة التی صاحبها بدیع الدین شاہ مدار قدس اللہ روحہ

ایک[1] بیت طبقاتیہ میں ہے جس کے سرپرست بدیع الدین شاہ مدار قدس اللہ روحہ ہیں۔

وواحدة منها فی بیت خیر النساء عصمة الدین صدیقة الحمیراء قدس اللہ روحہا

ایک[1] بیت خیر النساء عصمت الدین صدیقہ حمیرا قدس اللہ روحہا میں ہے۔

وواحدة منها فی بیت الشیخ الامام عبد اللہ یافعی قدس اللہ روحہ۔

ایک[1] بیت، شیخ امام عبد اللہ یافعی قدس اللہ روحہ میں ہے۔

وواحدة منها فی بیت ابی المقدم قاضی شریح ابن شریح الھانی قدس اللہ روحہ

ایک[1] بیت ابو المقدم قاضی شریح ابن شریح الھانی قدس اللہ روحہ میں ہے۔

فھذہ مائة اربعة واربعون سلسلة کلہا تتصل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ جملہ ایک سو چوالیس[144] سلسلہ ہیں جو امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے

بواسطة امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم الله وجهه ۔

واسطے سے حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں ۔

اربعة وستون منها من طريق اشرف الشهداء الامام ابی عبد الله الحسین واحدی وستون منها من طريق الحسن البصری وثلثه عشر منها من طریق کمیل بن زیاد وخمسة منها من طریق اویس القرنی وواحدة منها من طريق ابی المقدم قاضی شریح ابن شریح الهانی ۔

چونسٹھ [64] اشرف الشہداء امام ابوعبداللہ حسین کے طریق سے ایکسٹھ [61]، حضرت حسن بصری کے طریق سے، تیرہ [13] حضرت کمیل ابن زیاد کے طریق سے، پانچ حضرت اویس قرنی کے طریق سے اور ایک ابو المقدم قاضی شریح ابن شریح الہانی کے طریق سے ۔

(یہاں تک ایک سو چوالیس [144] سلسلے ہوگئے ۔ مترجم)

واما ثنتان متصل الی النبی صلی الله علیه وسلم بواسطة امیر المومنین ابی محمد الحسن رضی الله عنه وتسعة منها بواسطة اشرف الشهداء الامام ابی عبد الله الحسین رضی الله عنه وعشرة منها بواسطة امیر المومنین ابی بکر الصدیق رضی الله عنه ۔ وسبعة منها بواسطة امیر المومنین عمر الفاروق رضی الله عنه وواحدة منها بواسطة عثمان بن عفان رضی الله عنه وواحدة منها بواسطة عبد الله ابن عباس رضی الله عنهما وثمانية منها بواسطة ابی العباس حضر رضی الله عنه ۔ وواحدة منها بواسطة الیاس رضی الله عنه وثلثة منها بواسطة ابی الدرداء رضی الله عنه وخمسة منها بواسطة اربع اولیاء الله تعالیٰ وهی حصلت ایاهم من النبی صلی الله علیه وسلم

لیکن دو امیر المومنین ابو محمد حسن رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں ۔ نو [9] اشرف الشہداء امام ابو عبداللہ حسین رضی اللہ عنہ کے واسطے سے،
دس [10] امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ۔
سات امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ۔ ایک [1] امیر المومنین عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ایک [1] عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطے سے ۔ آٹھ [8] ابو العباس حضر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ۔ ایک [1] الیاس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے تین [3] ابو درداء رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اور پانچ [5] چار اولیاء اللہ کے واسطے سے جن کو حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر کسی واسطے کے

بلا واسطة، وهم ابوالبیان والشیخ
شمس الدین محمد بن المحمود الحنفی الخوارزمی
والشیخ احمد ابن رداد والسید جلال الدین
ابی عبداللہ الحسین الحسینی البخاری مخدوم
جہانیان فعلی ھذا یکون اربعۃ عشر شخصًا
ممن سمعوا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فاذا وصلت الی بحمد اللہ ھذہ النعمۃ
المتعددۃ المذکورۃ من جانب ابائی
واجدادی ومن بعض المشائخ معنعنۃ
ومسلسلۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
لولد اختی الصالح التقی الزکی العالم
العامل والسالک الناسک الواصل الذے
خصالہ رضیۃ وفعالہ مرضیۃ الشمول،
بعنایات اللہ الباری السید کریم اللہ ابن السید
درویش ابن سید کریم اللہ القادری نفع اللہ
بطول بقائہ المسلمین وجعلہ اماما ھادیا
للمتقین۔ بعد تحقیق الارادۃ الصوریۃ و
المواصلۃ المعنویۃ خرقۃ الخلافۃ والاجازت
بالباس مأۃ واحدی وتسعین خرقۃ مذکورۃ
واذنت لہ ان یلبس ایۃ خرقۃ من ھذہ الخرق
المسندۃ المعنعنۃ المسلسلۃ المتصلۃ بحضرۃ
النبویۃ من کان اھلا لہا من الطالبین
الصادقین والتائبین العابدین۔
واجزت لہ ایضًا ان یبالغ من اراد
بہ صدقا واعتقادا واعلمہ کیفیۃ الباس

حاصل ہوا ہے، وہ ابوالبیان، شیخ شمس الدین محمد
ابن محمود حنفی خوارزمی، شیخ احمد
ابن رداد اور سید جلال الدین ابوعبداللہ
الحسین الحسینی بخاری مخدوم جہانیان ہیں۔
اس صورت میں چودہ ۱۴ شخصیتیں ایسی ہونگی جنہوں نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر کسی واسطہ کے سنا ہے۔
الحمد للہ جب یہ کثیر نعمت مذکورہ جس کا تعلق
معنعنہ، مسلسلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے میرے
آبا و اجداد اور بعض مشائخ سے
پہنچی ہے۔
میرے ہمشیر زادہ جو صالح، متقی، ذہین عالم عامل
سالک عابد اور واصل ہیں، جن کی عادتیں عمدہ
اور کام پسندیدہ ہیں اور عنایات الٰہی جن کی شامل
حال ہیں سید کریم اللہ ابن سید درویش ابن سید
کریم اللہ قادری نفع بخشے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان
کی درازی عمر سے اور ان کو پرہیزگاروں کا امام و
ہادی بنائے۔ میں نے ظاہری ارادت اور باطنی مواصلت
کی تحقیق کے بعد مذکورہ ایک سو اکانوے خرقوں
کی اجازت کے ساتھ خرقۂ خلافت پہنایا
اور میں نے ان کو اجازت دی کہ وہ ان خرقہ جات
کو جو بارگاہ نبوت سے مسند معنعن مسلسل
اور متصل ہیں کسی بھی خرقہ کو جو اس کے اہل ہیں طالبین
صادقین، تائبین اور عابدین میں سے انکو پہنائیں۔
اور میں نے ان کو یہ بھی اجازت دی کہ یہ چیز اس
شخص کو عطا کریں جس نے سچائی اور اعتقاد کے ساتھ انکی

خرق الخلافة بان یعطی من کان مستحقًا له بان البست فلان خرقة الخلافة والاجازة وانی لبست من فلان وهو لبس من فلان حتے تنتهی الی امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم الله وجهه والی النبی صلی الله علیه وسلم و اعلمه طریقة البیعة والارادة بان یجلس المرید مستقبل القبلة ویاخذ یدہٗ بیدہ الیمنی، ویقول معه عقد الارادة والارشاد ویلقنه الاستغفار ثلث مراة بهٰذہ العبارة۔

استغفر الله الذی لا اله الا هو الحی القیوم واتوب الیه۔ ثم یقول اللهم اقبل توبته ثم یقرأ الاٰیة الکریمة، ان الذین یبایعونك انما یبایعون الله الی قوله اجرًا عظیما ثلث مراتٍ۔

ثم یقصر شعرہ ویقول اللهم قصر امله وحسن عمله ویضع یدہ علی صدرہ ویقول اللهم اشرح صدرہ وارزقه علمًا نافعًا وثبته علی التوبة السعادة ثم یلبسه الطاقیة و یقول اللهم البسه لباس التقوی ولباس المعرفة فیامرہ ان یصلی رکعتین یقرأ فی کل رکعة بعد الفاتحة "قل هو الله احد" خمس مرات ثم یوصیه بما قرأ به عن مولےٰ تعالےٰ

خواہش کی ہے اور اس کو خرقۂ خلافت پہنانے کی کیفیت بتادیں کہ جو اس کا مستحق ہے اسی کو دے (اس کی صورت یوں ہے کہ وہ کہے) میں نے فلاں کو خرقۂ اجازت و خلافت پہنایا فلاں سے میں نے پہنا اور فلاں نے ان سے پہنا۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور اس کو بیعت وارادت کے طریق سکھلائے۔ اس طرح کہ مرید قبلہ رُو ہو کر بیٹھے اور اس کا ہاتھ اپنے سیدھے ہاتھ میں تھامے اور اس کے ساتھ ارادت وارشاد کا عہد باندھے اور (مرشد) اسکو تین مرتبہ اس عبارت کے ذریعہ تلقین کرے،

مغفرت چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ سے نہیں کوئی معبود مگر وہی حی وقیوم ہے اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں، پھر کہے اے اللہ قبول فرما اسکی توبہ کو اس کے بعد یہ آیت کریمہ ان[1] الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ سے اجرًا عظیما تک تین مرتبہ پڑھے۔

بعد ازاں اس کے بال تراشے اور کہے اے اللہ اسکی خواہش کو کم کر، اس کے کاموں کو نیک فرما اور اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہے اے اللہ اس کے سینے کو کھول دے اور علم نافع عطا فرما اور اس کو اچھی توبہ پر ثابت رکھ۔ پھر اس کو ایک کپڑا پہنا کر کہے اے اللہ اسکو تقوےٰ اور معرفت کا لباس پہنا اس کے بعد اس کو دو[2] رکعت نماز پڑھنے کا حکم دے۔ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قل ھو اللہ احد پانچ مرتبہ پڑھے۔ مولا تعالیٰ کے بارے میں

---

[1] بے شک وہ لوگ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں یقیناً وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں ۱۲ [2] دوگانہ شکرانہ ۱۲

و یوصله الیه عزوجل من التوبة وانواع العبادات
واصناف القربات وخدمة الفقراء والمساکین
والواردین[1] والصادرین[2] بخلوص نیته و
قدر حاله وطاقته واعانة العابدین بما
حصل لهم للعبادة۔ وعمل الجفاء من الاهل
والاولاد والاخوان والاصحاب لنیل اجر
الشهداء کقوله علیه الصلوٰة والسلام۔
"من حمل کلمة من جفاء اهله فله
ثواب سبعین شهیداً۔"

والنصیحة والرعایة والاخلاص لهم
طالباً رضاء الله تعالیٰ غیر مشوبة بالریاء والسمعة
ویؤثر الباقیة علی الفانیة فان الله تعالیٰ یحب
معالی الهمم ویکره سفاهتها ویکظم الغیظ
و یعفو عن الناس فان الغضب یفسد الایمان
کما یفسد الصبر العسل ویذکر الله تعالیٰ
ذکراً کثیراً بعد کل فریضة کما ورد فی الحدیث
منفرداً فی الخلوت ومع جماعة الفقراء فی الخلقة
لاسیما فی لیلة الجمعة ویحفظ الجمعة و
الجماعات ویشغل فی یوم الجمعة بانواع
العبادات ویقبل الفتوح ویرفع العلم وقت
السفر والاجتماعات۔

ویجعل عرائس المشائخ الذین فی هذا

[1] واردین چشمہ پر آنے والے پیاسے ۱۲
[2] صادرین چشمہ سے سیراب ہوکر جانے والے

جو کچھ پڑھا ہے اس کے ساتھ اس کو وصیت کرے اور جوڑ
دے اس کو اللہ عزوجل سے توبہ، مختلف عبادات،
ریاضات، فقراء مساکین بغرض استفادہ آنیوالے اور مستفید ہوکر
جانے والوں کی خالص خدمات سے حسب استطاعت اور قوت
اور عبادت گزاروں کی اعانت کے ساتھ جو کچھ کہ حاصل ہوا ہے
انہیں عبادت سے، اور برداشت کرنے کے ساتھ سختی، بیوی
بچوں، بھائیوں اور دوستوں سے شہدائے کرام کے اجر کے مستحق
ہونیکے لئے جیسا کہ ارشاد نبوی صلعم ہے :-

جس نے اپنے اہل سے سخت کلامی کو برداشت کیا اس کے
لئے ستر شہیدوں کا ثواب ہے۔

خدائے تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کو نصیحت
اور رعایت واخلاص سے پیش آئے جس میں ریا اور دکھاوا کا
شائبہ نہ ہو۔ فانی شئی پر باقی کو ترجیح دے کیونکہ اللہ تعالیٰ
عالی ہمتوں کو پسند کرتا ہے اور بزدلی کو ناپسند کرتا ہے۔ اپنے
غصہ کو پی جائے اور لوگوں سے درگذر کرے اس لئے کہ غصہ
ایمان کو اسطرح خراب کر دیتا ہے جیسا ایلوا شہد کو۔ ہر فرض کے
بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ سے زیادہ کرے۔ ایسا ہی حدیث
میں آیا ہے، عالم خلوت میں تنہا اور خلقت میں فقراء کی جماعت کے
ساتھ، خاص کر جمعہ کی شب میں، نماز جمعہ اور جماعتوں کی حفاظت
کرے۔ جمعہ کے دن مختلف عبادتوں میں مشغول رہے۔
فتوحات کی طرف متوجہ رہے۔ سفر اور اجتماعات کے
وقت عَلَم کو بلند رکھے۔

اور اپنی طاقت کے مطابق ان بزرگوں کا عرس[1] کرتا ہے
جن کے اسماء اس کتاب میں درج ہیں۔

[1] فاتحہ خوانی ۱۲

الکتاب بقدر حالہ لا سیما عرس محمد ن المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم وشیخ الارادۃ وشیخ البیعۃ ان انتقل من الدنیا والا فعرس شیخ شیخیہ۔ ویسرج المصابیح والقنادیل ویسمع سماع المغنین فیھا ان یجعل فی عرائسھم مجالس الفقراء والمشائخین والصالحین ویحترز عن ارباب الکسل والضال ویفر عن ارباب الدنیا ومجالستھم۔

خصوصًا حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس مبارک اور شیخ ارادت وشیخ بیعت کا اگر وہ دنیا سے انتقال کر گئے ہوں ورنہ ان کے شیخین کا عرس منائے۔ اس میں چراغاں کرے، قندیلیں روشن کرے اور سماع[1] کا بھی استلزام رکھے اور ان کے عرسوں میں فقراء، مشائخین اور صالحین کی مجالس منعقد کرے۔ کاہلوں اور گمراہوں سے پرہیز کرے، دنیا والوں اور ان کی مجلسوں سے بھاگے۔

ویعلمہ انما یستحق الخرقۃ اذا یکسر النفس ویخالف ھواھا ویستر عیوب البرایا ولا یجالس احداً غفل عن عمارت قلبہ ونسی عھود ربہ وشغل بالفانیۃ وترک الباقیۃ۔

(مرشد) اس کو معلوم کرائے کہ خرقہ خلافت کا اسی وقت مستحق ہوتا ہے جبکہ وہ نفس کو توڑے، اس کی خواہش کی مخالفت کرے اور لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرے، کسی ایسے آدمی کے ساتھ نہ بیٹھے جو اپنے دل کی تعمیر سے غافل ہوگیا اور اپنے پروردگار کے وعدوں کو فراموش کر دیا۔ اور باقی رہنے والی چیز کو چھوڑ کر فانی کے ساتھ مشغول ہوگیا۔

ولا یصاحب من کان فی قلبہ انکار فی حق شیخہ ومرشدہ۔ ومن کان اعتقادہ خلاف اعتقاد المشائخ الصوفیۃ۔

کسی ایسے آدمی سے دوستی نہ کرے جس کا دل اس کے شیخ ومرشد کا منکر ہے اور جس کا اعتقاد مشائخ صوفیہ کے اعتقاد کے خلاف ہو۔

ویعلم شرائط الخلوۃ والعزلۃ وطریق السلوک وملازمۃ اوراد الشیخ الذی لبس خرقتہ۔ ویخیرہ ان یعطی لمعوذات لاصحاب الامراض وارباب الاغراض ویرخصہ ان یلقن للذین یریدون الذکر کما روی عن امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجھہٗ انہٗ قال یا رسول اللہ دلنی علی اقرب الطریق الی اللہ تعالٰی وافضلھا عند اللہ

اور (مرشد) اس کو خلوت، عزلت، طریق سلوک اور اس شیخ کے اوراد کی ملازمت جس نے اسے خرقہ پہنایا ہے ان کے شرائط سکھلائے۔ بیماروں اور حاجتمندوں کو معوذات عطا کرنے کا اختیار دے اور ان لوگوں کو جو ذکر کے خواہشمند ہیں اسے تلقین کرنے کی اجازت دے جیسا کہ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ سے روایت ہے کہ آپ نے دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ مجھے ایسا راستہ بتائیے جو اللہ سے بہت قریب ہے

[1] سلسلہ قادریہ میں سماع کا سننا جائز نہیں ۱۲

واسھلھا علی عباد اللہ۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیک بمداومة الذکر فی الخلوة والجلوة۔

فقال علی رضی اللہ عنہ یا رسول اللہ اھکذا فضیلة الذکر وکل الناس ذاکرون۔

فقال علیہ الصلوٰة والسلام یا علی لا تقوم الساعة وجہ الارض من یقول اللہ، اللہ، اللہ،

فقال علی رضی اللہ عنہ کیف اذکر

قال علیہ الصلوٰة والسلام غمض عینیک واسمع منی حتی اقولھا ثلثًا۔

فقال علیہ الصلوٰة والسلام لا الہ الا اللہ رافعا صوتہ مغمضًا عینیہ وعلی رضی اللہ عنہ یسمع

ثم قال علی رضی اللہ عنہ لا الہ الا اللہ ثلث مرات والنبی علیہ الصلوٰة والسلام یسمع۔

فقال علی رضی اللہ عنہ مثل ما سمع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابی محمد ن الحسن وابی عبد اللہ الحسین وحسن البصری وغیرھم

فقال الحسین مثل ما سمع من ابیہ للامام زین العابدین۔

فقال مثل ما سمع من ابیہ للامام جعفر الصادق

فقال مثل ما سمع من ابیہ للامام موسیٰ کاظم

فقال مثل ما سمع من ابیہ للامام علی موسیٰ رضا

فقال مثل ما سمع من ابیہ للشیخ معروف الکرخی

فقال مثل ما سمع من شیخہ للشیخ سری سقطی

فقال مثل ما سمع من شیخہ للشیخ السید الطائفة

اس کے نزدیک زیادہ فضیلت والا اور بندوں کے پاس زیادہ سے زیادہ آسان ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (اس کیلئے) تم پر ضروری ہے کہ ہمیشہ خلوت وجلوت میں ذکر کرتے رہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ذکر کی اتنی فضیلت ہے حالانکہ تمام لوگ ذکر کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علیؓ جب تک کوئی زمین پر اللہ اللہ اللہ کہتا رہیگا اس پر قیامت قائم نہ ہوگی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ علیہ السلام سے دریافت فرمایا ذکر کا طریقہ کیا ہے۔

آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اپنی دونوں آنکھیں بند کرلیں، تین مرتبہ کہنے تک سنتے رہیں۔

پس حضور علیہ السلام نے آواز بلند بند آنکھوں سے لا الہ الا اللہ کہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سنتے رہے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ لا الہ الا اللہ کہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سماعت فرماتے رہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جسطرح سنا ابو محمد حسن وابو عبد اللہ حسین اور حسن بصری وغیرہ کو سنایا[1]

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے امام زین العابدین کو

امام زین العابدین نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو

امام جعفر صادق نے امام موسیٰ کاظم کو

امام موسیٰ کاظم نے امام علی موسیٰ رضا کو

امام علی موسیٰ رضا نے شیخ معروف کرخی کو

شیخ معروف کرخی اپنے شیخ امام علی موسیٰ رضا سے جس طرح سنا تھا حضرت شیخ سری سقطی کو سنایا

حضرت شیخ سری سقطی نے سید الطائفہ ابو القاسم جنید بغدادی کو

[1] تمام حضرات نے اپنے مرشدوں سے جیسا سنا تھا اسی طرح اپنے متعلقین کو سنایا

ابی القاسم الجنید البغدادی
فقال مثل ماسمع من شیخہ للشیخ
ابی بکر شبلی۔
فقال مثل ماسمع من شیخہ للشیخ ابی الفضل عبدالواحد
الیمنی۔
فقال مثل ما سمع من شیخہ للشیخ ابی
الفرح یوسف الطرطوسوی۔
فقال مثل ما سمع من شیخہ للشیخ ابی الحسن
القریشی الھنکاری
فقال مثل ماسمع من شیخہ للشیخ ابی
سعید مبارک المخرمی
فقال مثل ماسمع من شیخہ للسلطان
السید عبدالقادر الحسنی الحسینی الجعفری الجیلانی
فقال مثل ما سمع من شیخہ للسید
تاج الدین عبدالرزاق۔
فقال مثل ماسمع من ابیہ للسید عماد الدین
ابی صالح نصر
فقال مثل ماسمع من ابیہ للسید ابی
نصر محی الدین
فقال مثل ماسمع من ابیہ للسید محمد ضوء احمد
فقال مثل ماسمع من ابیہ للسید احسن الدین
فقال مثل ماسمع من ابیہ للسید یوسف حاجی الحرمین
فقال مثل ماسمع من ابیہ للسید یونس شرف جہاں
فقال مثل ماسمع من ابیہ للسید عبدالرحمن اشرف جہانگیر
فقال مثل ماسمع من ابیہ للسید یونس الثانی

سیدالطائفہ جنید بغدادی نے شیخ ابوبکر شبلی کو

شیخ ابوبکر شبلی نے شیخ ابوالفضل
عبدالواحد یمنی کو
شیخ ابوالفضل عبدالواحد یمنی نے شیخ ابوالفرح
یوسف طرطوسی کو
شیخ ابوالفرح طرطوسی نے شیخ ابوالحسن
قریشی ہنکاری کو
شیخ ابوالحسن قریشی ہنکاری نے شیخ
ابوسعید مبارک مخرمی کو۔
شیخ ابوسعید مبارک نے السلطان سید
عبدالقادر حسنی حسینی، جعفری جیلانی کو۔
حضرت سید شاہ عبدالقادر جیلانی نے اپنے
فرزند دلبند سید تاج الدین عبدالرزاق کو
حضرت سید تاج الدین عبدالرزاق نے سید عماد الدین ابو
صالح نصر کو
سید عماد الدین ابوصالح نصر نے سید ابونصر
محی الدین کو
سید ابونصر محی الدین نے سید محمد ضوء احمد کو
سید ضوء احمد نے سید احسن الدین کو
سید احسن الدین نے سید یوسف حاجی الحرمین کو
سید یوسف حاجی الحرمین نے سید یونس شرف جہاں کو
سید یونس شرف جہاں نے سید عبدالرحمن اشرف جہانگیر کو
سید عبدالرحمن اشرف جہانگیر نے سید یونس ثانی کو

فقال مثل ما سمع من ابیہ للسید
شمس بہاؤ الدین عارف
فقال مثل ما سمع من ابیہ السید
عبدالقادر یوسف الثانی
فقال مثل ما سمع من ابیہ للسید بدرالدین
حبیب اللہ
فقال مثل ما سمع من ابیہ للشاہ ابی الحسن
فقال مثل ما سمع من ابیہ لابی السید عبدالقادر
ولعمّی الاکبر السید نعمت اللہ ولعمّی
الاصغر السید بدرالدین
فقالوا مثل ما سمعوا من ابیہ للفقیر الشاہ
ابی الحسن
فقلت ما سمعت منھم لولد اختی العزیز
السید کریم اللہ لازالت اطناب خیم ارشادہ
وھدایتہ مربوطۃ باوتاد الخلود وبدرعینہ
وقلبہ منورًا بضیاء التجلی والشھود۔
وشرط التلقین ان یصوم المرید ثلثہ ایام
اذا اراد ان یتلقن الذکر من الشیخ ویکون
فیھا دایم الوضوء ودائم الذکر قلیل الطعام
قلیل الکلام قلیل المنام قلیل الاختلاط مع الانام
ثم یغتسل وینوی نیۃ الغسل الخروج من الغفلۃ
الی الحضور والمراقبۃ مع اللہ تعالےٰ۔

ویقول فی غسلہ ھٰذا "اللھم انی طھرت
البدن الذی یصل یدی الیہ بتوفیقک فطھر

سید یونس ثانی نے سید شمس بہاؤ الدین
عارف کو
سید شمس بہاؤ الدین عارف نے
سید عبدالقادر یوسف ثانی کو
سید عبدالقادر یوسف ثانی نے سید بدرالدین
حبیب اللہ کو
سید بدرالدین حبیب اللہ نے سید شاہ ابوالحسن کو
سید شاہ ابوالحسن نے میرے والد بزرگوار سید عبدالقادر
بڑے چچا سید نعمت اللہ اور
چھوٹے چچا سید بدرالدین کو سنایا۔
ان بزرگوں نے اپنے والد بزرگوار سے جیسا سنا اس فقیر
شاہ ابوالحسن کو سنایا۔
میں نے ان بزرگوں سے جو سنا میرے ہمشیر زادے
سید کریم اللہ جن کے ارشاد وہدایت کے خیموں کی
طنابیں ہمیشگی کی میخوں سے بندھی رہیں، اور
آنکھ اور دل کا ماہ کامل ہمیشہ تجلی اور شہود سے منور رہے انکو سنایا۔
تلقین کی شرط یہ ہے کہ مرید تین دن روزہ رکھے۔
جس وقت سے کہ شیخ سے ذکر حاصل کرنے کا ارادہ کیا ہے
ان دنوں میں دائم الوضو، دائم الذکر، قلیل الطعام، کم
سخن، قلیل النوم رہے اور لوگوں کے ساتھ میل جول کم
رکھے غسل کرے اور غسل میں غفلت سے حضور (یعنی
بیداری) کی طرف آنے کی اللہ تعالیٰ سے مراقبہ اور
ما سوی اللہ سے انقطاع کی نیت کرے۔
غسل کرتے ہوئے یہ دعا پڑھے، اے اللہ میں
نے تیری توفیق سے اس بدن کو پاک کر لیا جس تک میرے

انت قلبی الذی حکمه بید قدرتك وانت مغسله بماء نور معرفتك.

فاذا فرغ من الغسل یذهب الی الشیخ ویجلس بین یدیه باذنه علی رکبتیه ویسکت ویحضر قلبه مع قلب الشیخ. وینتظر حتی یقول الشیخ مرةً لا اله الا الله مدّاً صوته وهو یاخذ بقلبه متفهما معانیهما بحیث ینفی "بلا اله" الخواطر کلها ویثبت "بالا الله" الحضرة الالٰهیه - ای لا مطلوب لی ولا مقصود ولا معبود ولا محبوب الا الله تعالیٰ.

ثم یقول المرید رافعاً صوته مادّاً نفسه حاضراً قلبه عند النفی والاثبات. ثم یقول الشیخ مرة "ثانیة" ثم یقول المرید هکذا ثم یقول الشیخ مرة ثالثه، ثم یقول المرید کذا.

ثم یرفع الشیخ یدیه ویدعوله ویقول اللهم خذ منه وتقبل منه وافتح علیه ابواب کل خیر کما فتحت علی انبیائك واولیائك و صلی الله علی خیر خلقه محمّد واٰله واصحٰبه الطیّبین الطاهرین برحمتك یا ارحم الرّاحمین.

ہاتھ پہنچتے ہیں، اب تو ہی میرے دل کو پاک فرما جس کا معاملہ تیرے دستِ قدرت میں ہے اس کو اپنی معرفت کے نور سے دھونا تیرا ہی کام ہے۔ غسل سے فراغت کے بعد شیخ کے پاس جائے، اس کی اجازت سے دو زانو ہو کر اس کے روبرو خاموش بیٹھا رہے اور شیخ کے قلب کے ساتھ اپنا حضورِ قلب پیدا کرے۔ انتظار کرے یہاں تک کہ شیخ بآوازِ بلند ایک مرتبہ "لا الٰہ الا اللہ" کہے اور وہ (مرید) ان دونوں کے معانی سمجھتے ہوئے دل سے اخذ کرے اس طرح کہ لا الٰہ کے ذریعہ تمام خطرات کی نفی کرے، اور الا اللہ سے حضرت الٰہیہ کو ثابت کرے۔ یعنی میرا مدّعا میرا مقصود، میرا معبود اور میرا محبوب سوائے اللہ کے کوئی نہیں۔ اسکے بعد مرید سانس کھینچتے ہوئے بآوازِ بلند دلکو نفی و اثبات کے پاس حاضر رکھتے ہوئے لا الٰہ الا اللہ کہے، مرید ویسا ہی کہے۔ پھر شیخ تیسری مرتبہ کہے ویسا ہی مرید بھی کہے۔

بعد ازاں شیخ اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور کہے اے اللہ اس کے گناہوں کو درگزر کرتے ہوئے نیکیوں کو قبول فرما اور کھول دے اس پر ہر بھلائی کے دروازے کو جیسا کہ تو نے انبیاء و اولیاء پر کھول دیا ہے۔

وصلی الله علی خیر خلقه محمد واٰله واصحٰبه الطیبین الطاهرین برحمتك یا ارحم الراحمین۔

گورنمنٹ ہند نے سب سے پہلے غالب کو بلایا۔ مرزا غالب پالکی سے اتر کر اس انتظار میں بیٹھے رہے کہ دستور کے مطابق سکریٹری صاحب ان کو لینے آئیں گے۔ جب بہت دیر ہوگئی اور سکریٹری کو معلوم ہوا کہ اس سبب سے نہیں آئے تو سکریٹری خود باہر چلے آئے اور مرزا غالب سے کہا کہ جب آپ دربار گورنری میں تشریف لائیں گے تو آپ کا اسی طرح استقبال کیا جائے گا لیکن اس وقت تو آپ نوکری کے لئے آئے ہیں' اس موقعہ پر وہ برتاؤ نہیں ہوسکتا۔ مرزا غالب نے کہا گورنمنٹ کی ملازمت کا اندازہ اس لئے کیا ہے کہ اعزاز زیادہ ہو نہ اس لئے کہ موجودہ اعزاز میں فرق آئے۔

چنانچہ ذیل کے اشعار میں خودی کی وہی روح کام کر رہی ہے جو اقبال کے یہاں ملتی ہے' فرق یہ ہے کہ اقبال کا بیان حکیمانہ ہے اور غالب کا شاعرانہ۔

زندگی میں بھی وہ آزاد و خود بیں ہیں کہ ہم
الٹے پھر آئے درِ کعبہ' اگر وا نہ ہوا

وصال کا تصور

اقبال عشق میں ایسے وصال کے قائل ہیں جو ان کے وجود کو محو کردے' ان کے خیال میں قطرہ دریا کے وصال سے فنا نہیں ہوتا بلکہ اس کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ فرد جماعت میں شریک ہو کر اپنی انفرادی توانائی کو نہیں کھوتا بلکہ اس میں اجتماعی توانائی کے آثار رونما ہونے لگتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں :-

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

غالب کے یہاں وصال کا یہ تصور موجود ہے۔

قطرہ دریا سے جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہی جس کا مآل اچھا ہے

اقبال انسانی تسخیر کو لامحدود تصور کرتے ہیں اور وہ صرف اس عالم رنگ و بو پر قانع نہیں بلکہ انسانی تصرفات کے امکان کی طرف اردو کی مسلسل منزل میں یوں اشارہ کرتے ہیں۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں

غالب و اقبال کے ان چند مماثل پہلوؤں کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دونوں میں بڑی حد تک فکری یگانگت تھی۔ سر عبدالقادر "بانگ درا" کے دیباچہ میں یوں رقمطراز ہیں کہ غالب و اقبال میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ اگر میں مسئلہ تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسد اللہ خان غالب کو اردو فارسی شاعری سے جو عشق تھا اس نے ان کی روح کو عدم میں بھی چین لینے نہ دیا اور مجبور کیا کہ وہ پھر کسی جسد خاکی میں جلوہ افروز ہوں اور شاعری کے چمن کی آبیاری کریں اور اس نے پنجاب کے ایک گوشہ میں جسے سیالکوٹ کہتے ہیں دوبارہ جنم لیا اور اقبال نام پایا۔

اس اقتباس کا صرف یہ جملہ کہ "غالب و اقبال میں بہت سی باتیں مشترک ہیں" بڑی بات ہے' لیکن یہ کہنا کہ اقبال کی شاعری میں غالب کی روح کام کر رہی ہے' یا یہ کہ اقبال کی صورت میں غالب نے دوبارہ جنم لیا ہے کسی طرح درست نہیں۔ بات یہ ہے کہ غالب و اقبال دونوں بالکل متضاد ماحول کے ترجمان ہیں۔ ان کی طبیعتوں کو متاثر کرنے والے خارجی حالات تو ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔

تہنیت نامے

بتقریب الباس خرقۂ خلافت واعطائے اسناد از اعلیٰحضرت

مولانا و مرشدنا الحاج مولوی حافظ ابوالفتح

سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری ادام اللہ فیوضاتہم

بہ برادران عزیزان آں قبلۂ محترم و معظم

یعنی

حضرت مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری المعروف بہ پیر پاشاہ صاحب

حضرت مولوی ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قادری المعروف بہ میراں پاشاہ صاحب

حضرت مولوی ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری المعروف بہ حضرت پیر صاحب ایے

حضرت مولوی سید شاہ احمد صاحب نبیرۂ قادری المعروف صاحب پاشاہ صاحب دامت برکاتہم

بوالفتح عبد قادر سر آمدِ سیادت — سلطاں چو محی دین ہست در موطن ولایت
بنہادہ گام خود را بر نقش پائے آبا — او خلفِ صدق آمد در معنی و عبارت
بر راہِ صدقِ ایشاں چنداں قدم فشردہ — حبلِ متین و محکم شد رشتہائے نسبت
او بوریانشیں کو بوئے ریا نہ دارد — در جملہ کار ہائیش اخلاص و حسنِ نیت
نزدِ ملیک داور او راست مقعدِ صدق — زانگہ کہ او نشستہ بر منصبِ خلافت
آں صوفئے کہ گاہے از حد بروں نہ رفتہ — سرِّ حقیقت ایں جا شد جمع با شریعت
ظاہر برنگِ باطن، باطن بہ شکلِ ظاہر — دارد دو روئے معنی چو ظہر و بطن آیت
مانندِ مہرِ تاباں ہر ذرۂ درخشاں — ہر فرد دودمانش رکنِ رکینِ عترت
امروز خرقہ در بر مردانِ حق چہار اند — گردیدہ اند فائز بر منصبِ ہدایت
آں باقر است و ناصر ہم طاہر است و احمد — ہم چوں عناصر چار ایشاں برائے خلقت
گر تو معاف داری گویم مثالِ دیگر — در یک زباں چہار اند بر منصبِ خلافت
چوں تو بغور بینی، بینی ہمہ صفت ہا — صدق ہست و عدل اینجا دیگر حیا شجاعت
چوں فضل تو الٰہی پائندہ کن ہمہ را — تو کردگارِ مائی کن مستجاب دعوت
ایں منبعِ رواں را فیاضِ دہر گرداں — از تو چناں کہ آمد ایں وعدہ و بشارت

شاکر چرا دریں جا در پیچ و تاب فکری
بنگر بدستِ ایشاں پروانۂ خلافت

۱۳۰۵ھ

گذارِ بندۂ ابو صالح محمد غضنفر حسین شاکر ناٹطی کان اللہ لہ خاکپائے اقطاب ویلور قدس اللہ اسرارہم

تہنیت نامہ

رند تیرا آج ساقی بے پیئے مست و خراب
عرش والوں سے کمالی کا ہے مستانہ خطاب

یادگارِ محوی و ذوقی و قربی زندہ اد
آسمانِ خانقہ پر اک درخشاں آفتاب

نیّرِ برجِ شرافت گوہرِ درجِ صفا
قبلہ شاہ عبد القادر عالیجناب

سایہ گستر قبلہ دادا پیر و مُرشد پیر ہیں
اسم کو اپنے مسمی سے ہے کامل انتساب

پیر پاشا زندہ دل خوشخو عزیز خاص و عام
اور میراں پاشا ہیں وصاف و شانِ بوتراب

سر بمہر اسرار حضرت پیر کی فطرت میں ہیں
جن کے اخلاق و فراست کے ہیں قائل شیخ و شاب

خرقہ پوشی و مسند یابی مبارک ہو انہیں
چھوٹے بھائی ہوں باعزازِ خلافت کامیاب

ہوں مُعاون روز و شب ہر خانقاہی امر میں
جادۂ تسلیم میں سجادہ کے ہوں ہمرکاب

ہیں زمین و آسماں شاہد، زمانہ مُعترف
فیض سے اس در کے قطرہ بحر ذرّہ آفتاب

آستانِ پاک کا کرتے ہیں روز و شب طواف
بے سبب چمکیں کب ہیں آفتاب و ماہتاب

ذرّہ پرور آفتابوں کا کمالی شکریہ
پڑ گئی ناچیز پر ان کی نگاہِ انتخاب

اب تہِ دل سے دُعا ہے اے کریم کارساز
ہیں ترے پیارے۔ پیارے برگزیدہ مُستطاب

دل محمد کے گھرانے والوں کے ہم سے ہوں شاد
درحقیقت ان کی الفت ہے بڑا کارِ ثواب

یہ مکانِ قطبِ ویلور اور بھی آباد ہو
کچھ اثر ڈالے زمانے کا نہ ان پہ انقلاب

ہوں برادر متفق اربعہ عناصر کی طرح
یہ ستوں ہوں چار قصرِ عافیت کے لاجواب

پیش کردہ: ناچیز عبد السلام کمالی ویلوری منشی مشن ہائی اسکول ارکونم

التأثرات

هو القادر الغنی الفتاح

۱۹۵۸ء

رثاء المغفور له مولانا ومخدومنا الحاج الحافظ السید
ابو الفتاح عبد القادر القادری قدس سره العزیز سجادة الزاویة اللطیفیة
بویلور صانه الله عن الآفات والشرور المتوفی صبح یوم الاربعاء ۲ المحرم الحرام سنة ۱۳۷۸ الهجری ۳۰ لیولیو سنة ۱۹۵۸ المیلادی

المدفون فی مقبرة الاسلاف الاقطاب الانجاب
بیراع العبد الکئیب عبد الباری الخطیب حاوی المعدنی

إنما الدنیا فناء کل ما فیها خراب ... إنما الدنیا وما فیها کقیعان السراب
کل من یأتی إلیها یبتغی منها الرجوع ... إنما الدنیا طریق للذهاب وللإیاب
قد أصبنا الیوم لما جاء نعی شیخنا ... إن عند الله أجرا کل حین للمصاب
شیخنا المفضال بو الفتاح عبد القادر ... کان أواها منیبا راجیا حسن الثواب
کان زینا للعلوم فائقا فی فقره ... قانتا لله حنیفا فی المشیب وفی الشباب
آب بالحق إلی الله بورع سارع ... آوبه کان إلی من عنده حسن المآب
فارق الدنیا مجیبا دعوة الرب الکریم ... أرخ لحاوی نعیا عقد قطب الهند غاب

۱۳ ۷۸ ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرثیہ بر وفاتِ حسرت آیات

صدر نشین بزمِ عرفاء و خسرو محفلِ شرفاء سید السادات صاحب مقامات مرجع شیخ و شاب

اعلحضرت فضیلت انتساب مولانا الحاج

ابو الفتح سلطان محی الدین السید شاہ عبد القادر قادری علیہ رحمۃ اللہ

سجادہ نشین مکانِ حضرت قطبِ ویلور قدس سرہ العزیز

رشحۂ کلکِ گہر سلک

علامۂ زماں شاعرِ نازک خیال و شیریں مقال مولانا مولوی الحاج

ضیاء الدین احمد صاحب المتخلص بہ آمانی پلیگنڈوی دام مجدہ و زید فیضہ

صدر المدرسین و ناظم مدرسہ منبع الانوار لال پیٹ جنوبی ہند

ریختۂ کلکِ گہر سلکِ امانی

عرش اعظم لرزه براندام و حیران آفتاب
بزم انجم منتشر ہر سو گریزاں شیخ و شاب

ساکن از ہیبت زمین و خونچکاں چشم شفیق
سوئے ویلور آمده فوجِ ملک با اضطراب

حلِّ این مشکل شده از حدِّ امکانم بروں
گفت ہر کس علّتے واللہ اعلم بالصّواب

در تلاشِ امرِ حق گردِ جہاں گشتم بسے
فضلِ حق شد رہنموں آمد دعایم مستجاب

یافتم بر کوہِ لبناں جمع اقطابِ زمن
صدرِ محفل خواند این مرثیہ بہ چشمِ پُرآب

حسرتا آں صدرِ بزم قطبِ ویلوری نماند
این مگر باشد نشانِ اکبرِ یوم الحساب

سیّد السادات شاہم **عبد قادر قادری**
محی دیں سلطان بو فتح و ظفر والا خطاب

صاحبِ تقوی حلیم و با وقار و زنده دل
صرف گشتہ عمرِ پاکش جملہ در کارِ ثواب

یادِ احمد تازه بود از رؤیتِ سبطِ رسولؐ
صادق ہست این قول بوئے گل بجویم از گلاب

رحمۃ للعالمیں آں مہبطِ روح الامینؑ
مژدۂ عیسیٰؑ دعائے حضرتِ خلّت مآب

بر روانش باد از خالق درودِ بے عدد
ہم بر آلِ پاک و اصحاب سعادت اقتراب

حبِّ خالق لازمِ حبِّ رسولِؐ ہاشمی ہست
حبِّ آلِ پاک حبِّ سیّدِ عالی جناب

قطبِ ویلور آنکہ روشن گشت ملکِ ہند ازو
ذرّہا از نورِ فیضش آفتاب و ماہتاب

قطبِ تکوین چند از ان و قطبِ ارشاد ہست چند
چند ثابت چند چوں سیّار اندر انقلاب

چند چوں صدیقؓ چوں فاروقؓ باقی چند را
مثلِ ذوالنورینؓ چند و چند مثلِ بوتراب

بود مہرِ بزمِ دیں، میرِ قلم، میرِ سخن
بدہمن ذاتش ز آفات و بلا در اجتناب

ہر نفس سلکِ جواہر ہر ادا سرِّ وجود
ہر قدم حکمِ شریعت ہر نظر رفعِ حجاب

معہدِ علم و ادب روشن ز نامِ پاکِ او
(مدرسہ لطیفیہ)
قطرۂ آب آید دریں بحر و بر آید دُرِّ ناب

نیست جز صبر و توکّل اہلِ غم را چارهٔ
انّا للّٰہ خواں و برخواں سورۂ امّ الکتاب

در ندائے پاک رضواں ہیر امانی سالِ وصل
بر لبش یا اہلِ غفراں بود و کرده فتحِ باب
۱۳۷۸ھ

گفتار کے غازی بن تو گئے کردار کے غازی بن نہ سکے

از مولوی محمد ابو بکر ملیباری
منشی فاضل
مدراس یونیورسٹی
جامعہ لطیفیہ
ویلور

کبھی تاریخ عالم کا ہمیں سے نام روشن تھا

ہمارے نام سے شرمندہ اب تاریخ عالم ہے

اس میں شک نہیں کہ آج ہم جبکہ بڑے بڑے مصلحان قوم و رہنمایان ملک و ملت قوم مسلم کی پستی کے اسباب کی تلاش و جستجو میں مصروف ہیں، پیش نظر عنوان پر مجھ جیسا ہیچمدان کا قلم اٹھانا غالباً خالی از تعجب ہوگا لیکن اس کے ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس پُر آشوب زمانے میں جبکہ مسلمانوں کی مذہبی، اخلاقی، تمدنی، معاشرتی اور اقتصادی حالت حد درجہ تباہ و برباد ہو چکی ہے۔

ضرورت ہے کہ قوم مسلم کا ہر فرد اپنی زبوں حالی و بدحالی کو پیش نظر رکھ کر اپنے اپنے گریبان میں سر ڈال کر سوچے اور غور کرے کہ آخر ہم وہی تو ہیں جن کے جاہ و جلال، شوکت و اقبال، سطوت و حشمت کا خورشید ترقی کی انتہائی بلندیوں تک پہنچا ہوا تھا جس کا دنیا اور دنیا والوں پہ رعب چھایا ہوا تھا جن کی قوت و طاقت کے سامنے بڑے بڑے جابر سلاطین کے ایوانوں میں زلزلہ آجاتا تھا، فتح و کامرانی جن کے قدم چوما کرتی تھی، محکومی اور غلامی جن کے خواب خیال میں بھی نہیں آتی تھی لیکن آج ہمارا وہ جاہ و جلال اور ہماری سطوت و عظمت کہاں گئی اور یہ ذلت و نکبت کے تباہی و بربادی کے منحوس ایام کیوں دیکھنے پڑ رہے ہیں۔ ہماری زبوں حالی و بدحالی کے دواعی و محرکات کیا ہیں، ہم کیوں اور کس وجہ سے دن بدن قعر ذلت میں گرے جا رہے ہیں۔ ہماری وہ کونسی خطا ہے جس کی پاداش میں خستہ و بدحالی کی زنجیروں میں مقید ہیں۔ ملت اسلامیہ کے روحانی طبیب و مہربان مسیحا نے جہاں قوم مسلم کی پستی اور ذلت و خواری جیسے مہلک امراض کی تشخیص فرمائی وہاں ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب و خوف نکال دیگا، تمہارے مخالفین پہ کوئی رعب و دبدبہ نہ ہوگا اور تمہارے دلوں پہ سستی و غفلت کے پردے ڈال دئے جائیں گے جس کی وجہ سے تم ذلت و خواری کے حالت میں ظلم و ستم کے تختۂ مشق بنے رہوگے۔

باہوش حضرات اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ماضی میں مسلم قوم کس وجہ سے عروج و کامیابی کے منازل طے کر رہی تھی اور آج قعر مذلت میں گرتی جا رہی ہے۔ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ قانون شریعت کی پابندی اور اصول زندگی میں پوری قوم ایک ہی طریقہ پر تھی، تبلیغ و جہاد ہر فرقہ کے ذمہ تھا۔ ایام سکون قومی تعمیر میں گذرتے تھے اور ہر خاندان کی اساس اصولِ شرعی پہ رکھی گئی تھی چنانچہ ہر طبقہ میں روحانیت جلوہ فرما تھی۔

ہم مسلمان ہیں، اللہ وحدہٗ لاشریک کے پجاری ہیں اور اس کا یہ عہد ہے کہ ہم مومنوں ہی کو زمین کا خلیفہ اور بادشاہ بنائیں گے چنانچہ قرآن ناطق ہے۔ وعد اللہ الذین

آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

(پ ۱۸ سورۂ نور ع ۷)

(ترجمہ) "تم میں جو لوگ ایمان لائینگے اور نیک عمل کرینگے ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو بھی اس نے حکومت دی تھی اور جس دین کو ان کے لئے پسند فرمایا ہے اس کو ان کیلئے قوت دیگا۔ اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدّل بامن کر دیگا۔ بشرطیکہ وہ میری عبادت کرتے رہیں گے۔ اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں گے۔ اور جو شخص اس کھلے حکم کے بعد ناشکری کرے گا وہ فاسقوں میں سے شمار کیا جائے گا۔"

اور یہ بھی مسلّم بات ہے کہ اللہ کا وعدہ کبھی جھوٹا نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم لوگ ذلت وخواری کے عمیق غار میں افتادہ ہیں۔ لہٰذا ہمیں قرآن کو کسوٹی بنا کر یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم اس کے قانون پر استوار ہیں کہ نہیں، اور نیز اسلام ہمیں دعوت دے رہا ہے کہ تم اپنے درمیان اخوت وہمدردی، اتفاق واتحاد اور مساوات کا پرچم لہراؤ اور کینہ وکپٹ اور بغض وحسد دلوں سے دور کرو۔

لیکن جب ہم باہم متحد بھی نہ ہوں گے تو پھر ہم کس طرح ترقی کر سکتے ہیں بلکہ مسلمانوں کی موجودہ حالت تو یہ کہ وہ اپنے مسلم بھائیوں سے دشمنی اور غیروں سے میل جول رکھتے ہیں حالانکہ اس کے متعلق ارشاد باری ہے يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا (پ ۴ سورۂ آل عمران ع ۱۲)

(ترجمہ) "اے ایمان والو! نہ دوست بناؤ کسی کو اپنوں کے سوا وہ کمی نہیں کرتے تمہارے خرابی کو۔"

میں اللہ رب العزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم لوگ اپنے وعدہ میں مضبوط اور مستحکم ہوتے تو اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اپنے وعدہ کو پورا کر دکھاتا اور ہم اسفل السافلین کی جگہ آج بام ثریّا پہ ہوتے۔

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم نے اللہ سے کیا وعدہ کیا تھا۔ قرآن ہمیں یاد دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ جب اللہ نے تم سے پوچھا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تو تم نے اس کے جواب میں کہا تھا (بلیٰ ضرور ہے) یعنی پروردگار نے روز ازل میں ہم سے وعدہ لے لیا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سبھوں نے بیک زبان بلیٰ کہا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ ہم تجھے اپنا رب جانتے ہیں اور تو ہمیں جو کچھ بھی کرنے کو فرمائے گا ہم فوراً تعمیل کرینگے مگر ہم نے اپنے عہد کو توڑ دیا۔

کیا لوگ اس بات کو نہیں جانتے ہیں کہ جب بیٹا اپنے باپ کی۔ وزیر اپنے بادشاہ کی۔ غلام اپنے آقا کی، خادم اپنے مولا کی فرماں برداری کرتا ہے تو وہ بھی اس کا خیال اور اس کی عزت کرتے ہیں اور یہ تو بشر فانی کا حال ہے۔ مگر وہ خدا جو شہنشاہ عالم ہے وہ کیوں نہ اپنے غلام اپنے بندے کی ترقی چاہے گا۔ چنانچہ حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ؎

بچوں خسرو لفرمان داور بود
خدا لیش نگہبان و یاور بود
محال است چوں دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گذارد ترا
رہ ا نیست رواز طریقت متاب
بنہ گام و کامے کہ خواہی بیاب

مسلمان پھر ساری دنیا میں عروج و اقتدار اور عزت وعظمت حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے عزت وعظمت کا وعدہ کیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اور تاریخ گواہ ہے' یہ فرمان الٰہی پورا ہوا ہے۔

مسلمانوں نے قیصر وکسریٰ کے تخت الٹ دیئے تھے' ان کے ایوانوں میں زلزلے ڈال دئے تھے۔ ان کی فوجوں کو شکست دی تھی' اور آسمان کو چھونے والے دشمنان اسلام کے محلات پر اسلام کا پرچم لہرا دیا تھا اور آج بھی وہی مسلمان ہیں جن کو دنیا میں عزت و اقتدار حاصل نہیں بلکہ جہاں ان کی اپنی حکومتیں ہیں وہاں بھی' وہ غیروں ہی کے دست نگر ہیں۔ کوئی نکبت ومصیبت ایسی نہیں ہے جو ان کا حصہ نہ بن گئی ہو۔

پھر آج اللہ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے۔ ہاں وہ مسلمان وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا پر گامزن تھے جنہیں بڑے بڑے جابر سلاطین خراج عقیدت پیش کرتے تھے' اور خدائے واحد کے فرمانوں کو اپنے اصول زندگی کا اہم حصہ قرار دئے تھے۔ ہم بھی وہی خاندان اسلام کے سپوتوں میں سے ہیں۔ ہمارے بھی رگوں میں انہیں متوالوں کا خون سیلان ہے اور خدا کا وہی وعدہ جس کا ایفاء ہم پر بھی ہو سکتا ہے۔ مگر کب جبکہ ہمارے متقدمین کے پیکر خوب بنے رہیں اور ان کے اصول زندگی کا کچھ حصہ بھی اپنا لیں اور دنیا کو یہ بتا دیں کہ اسلام اتحاد واتفاق کے پرچم کو رہتی دنیا تک سرنگوں ہونے نہیں دیگا۔ قرآن ناطق ہے

ذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔

(ترجمہ) یہ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنا انعام واکرام اس وقت تک نہیں ہٹاتا جب تک وہ خود اپنے حالات نہیں بدل لیتی کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

کہ ہم نے بگاڑا انہیں کوئی اب تک
وہ بگڑا انہیں آپ دنیا میں جب تک

تو گویا جو کچھ بھی مصائب ہمارے اوپر ٹوٹ پڑے ہیں وہ محض ہمارے ہی اعمال کی بدولت ہے۔ اگر آج بھی ہم اپنی حالت سدھاریں تو یقیناً ترقی کے بام ثریا تک پہنچ سکتے ہیں۔

؎

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

نعتِ شریف

از
جناب پروفیسر ایم۔ احمد باشاہ صاحب ایم۔ اے۔ پرنسپال
ہی ایم بیم کالج الحکیم میل وشارم ۔

جوابِ عرش ہے شانِ محمدؐ
کتابِ حق ہے فرمانِ محمدؐ

فلک رفعت ہے ایوانِ محمدؐ
کہ ہے جبرئیلؑ دربانِ محمدؐ

بنا آدمؑ جو مسجودِ ملائک
نہاں تھا نورِ ذیشانِ محمدؐ

ہیں توریت و زبور انجیل منسوخ
ہے افضل سب سے قرآنِ محمدؐ

شہنشاہوں کو خاطر میں نہ لائیں
بہادر ہیں غلامانِ محمدؐ

زمین و آسماں کیا؟ لامکاں کیا
نہیں ہے کس پر احسانِ محمدؐ

یہ ہے شاداب تیرہ سو برس سے
سدا رُت ہے گلستانِ محمدؐ

جہاں کا ذرہ ذرہ فتنہ خو ہے
اماں ہے زیرِ دامانِ محمدؐ

تیری رحمت کا یارب مستحق ہے
کہ احمد ہے ثنا خوانِ محمدؐ

فصیح الملک حضرت ذوق دہلوی رح

از
بنتِ مریم کمال اللہ ظہوری
متعلم زمرۂ سادس
دارالعلوم لطیفیہ
مہکماں حضرت قطب ویلور قدس سرہ

قسمت ہی سے لاچار ہوں اے ذوق وگرنہ
ہر فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

مضامین نگار، اور شعراء سے زبان پھلتی پھولتی اور پروان چڑھتی ہے۔ ان کا وجود زبان کی حیات اور ان کا عدم زبان کی موت کہلاتا ہے اور کسی بھی زبان کی اہمیت، ان کے مضامین نگار اور شعراء سے ظاہر ہوتی ہے۔

ہمارے شعراء نے زبان کو فروغ دینے اور اس کو مرتبۂ کمال تک پہنچانے میں جو پاپڑ بیلے ہیں، یہ کسی ذی شعور انسان سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ان میں سے کسی نے میدان تغزل میں شہسواری کی تو کوئی شہنشاہ رباعی کہلایا اور کسی نے مرثیہ نگاری میں انتہا کردی تو کوئی مثنوی میں شہرت کے علم گاڑ دئے۔

غرض ہر شاعر نے فطری مذاق کے تحت طبع آزمائی کی اور اپنی شاعری نے آسمان ادب میں ایسے روشن ستارے چمکائے کہ جس کی ضیا باریوں سے آج بھی ادبی دنیا ضوفگن ہے، اسی طرح اصنافِ ادب میں" قصیدہ نگاری بھی ایک لطیف صنف سخن ہے۔ اس کو ادب اردو میں نمایاں کامیابی حاصل ہے۔ بہت سے شعراء نے اس صنفِ خاص کو اپنا کر طرح طرح کے گل کھلائے ہیں، جس کی خوشبو آج بھی ادبی محفلوں کو معطر کرتے ہوئے سامانِ مسرت مہیا کررہی ہے۔

حضرتِ ذوق بھی قصیدہ گوئی میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ قصیدہ نگاری کو آپ ہی کے فیض ادب نے دائمی زندگی عطا کی۔

یہ وہی شاعر باکمال ہیں جن کا نام محمد ابراہیم تخلص ذوق ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۷۸۹ء میں بمقام دہلی ہوئی۔ آپ کے والدِ محترم جناب شیخ محمد رمضان نہایت غریب سپاہی تھے۔ ذوق نے جب ذرا ہوش سنبھالا تو ابتدائی تعلیم حافظ محمد غلام رسول کے سپرد ہوئی۔ حافظ صاحب کو شاعری سے دلچسپی تھی۔ اور تخلص ویران تھا۔ بہت شوق سے شاعری کرتے تھے۔ اکثر مشاعروں میں شرکت کرتے۔ ذوق بھی کبھی کبھی استاد کے ہمراہ مشاعروں میں شریک ہوجاتے۔ اس سے آپ کو بھی شاعری سے ایک گونہ دلچسپی ہوگئی۔ اور بہت کم عمری میں اشعار کہنے لگے، اس وقت شاہ نصیر صاحب کا طوطی بول رہا تھا اور یہی ولیعہد سلطنت بہادر شاہ ظفر کے اشعار کی اصلاح کررہے تھے۔

اسی زمانے میں ذوق کے ہم جماعت میر کاظم حسین بے قرار نے شاہ نصیر کی شاگردی اختیار کرلی تو ذوق کو یہ خیال دامنگیر ہوا کہ میں بھی شاہ نصیر سے شرف تلمذی کیوں نہ حاصل کروں۔ چنانچہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے اور اپنی غزلوں کو استاد شاہ نصیر سے اصلاح لینے گئے۔ لیکن نصیر صاحب نے

بغیر اصلاح کئے برافروختہ ہوکر اس کو واپس لوٹا دیا اور کہا کہ ٹھیک لکھ کر لے آؤ۔ وجہ یہ کہ شاہ نصیر نے ذوق کی ذکاوت سے بخوبی آشنا ہوگئے جس سے دل میں یہ خلش پیدا ہوگئی کہ کہیں شاگرد استاد کا مقام حاصل نہ کرلے۔

ذوق نے جب یہ بے اعتنائی دیکھی تو اپنے اشعار کی اصلاح خود کرنے لگے یہاں تک کہ بہت قلیل مدت میں شہرت دوام حاصل کی اور مقبول خاص و عام شاعر ہوگئے۔

مرزا ابوالمظفر ولیعہد سلطنت کے ہاں مشاعرے کی مجلس منعقد ہوتی جس میں شاہ نصیر، میر کاظم حسین بیقرار۔ احسان۔ فراق قاسم وغیرہ شعراء جمع ہوتے اور اپنے اشعار سنا کر حاضرین سے دادِ تحسین پاتے۔ ذوق بھی میر کاظم حسین کی وساطت سے مشاعروں میں داخل ہونے لگے۔ ذوق بزمِ مشاعرہ کے ایک فردِ خاص متصور کئے جاتے تھے جب مشاعرہ میں آپ کے سامنے شمع لائی جاتی اس وقت اپنا کلام ایسے مؤثر انداز میں پڑھتے کہ لوگوں پر ایک سکوت کا عالم چھا جاتا اور بہتر اشعار سن کر دادِ تحسین کی صدا سے بزمِ مشاعرہ گونج اٹھتی۔ یہاں تک کہ آپ کے قصائد و غزلیں لوگوں کی زبان زد ہوگئیں اور اتنے معیار کے ہوتے کہ محفلوں و انجمنوں میں پڑھی جاتی تھیں۔

اتفاقاً ایکمرتبہ نصیر صاحب دہلی چھوڑ کر دکن گئے ہوئے تھے تو بادشاہ کے اشعار کی اصلاح میر کاظم حسین بیقرار کے سپرد ہوی۔ کچھ دنوں بعد یہ بھی بہ حیثیت میر منشی شہر دہلی سے چلا گئے۔ اب یہ خدمت کا شرف حضرت ذوق کو حاصل ہوا اور بادشاہ ظفر کے غزلوں کی اصلاح کرنے لگے۔ اس کے صلہ میں ولاً ماہوار چار روپیہ تنخواہ پائی۔ رفتہ رفتہ شاہ ظفر ذوق سے بہت مانوس ہوگئے اور شاہی دربار سے رابطہ ہوگیا اور درباری شاعر کا اعزاز ملا۔ جب شاہ نصیر سفر دکن سے دہلی لوٹ آئے۔ اس وقت اپنی شہرت کا پرچم پھر سے اڑانا چاہا اور دہلی کے ایک مشاعرہ میں غزل سنائی جو دکن میں کسی کی فرمائش پر کہی گئی تھی جسکی ردیف "آتش و آب و خاک و باد" تھی اور یہ چیلنج کیا کہ جو اس "زمین" میں غزل کہے گا میں اسکو اپنا استاد تسلیم کرلوں گا۔ حضرت ذوق نے یہ سنا تو خم ٹھونکتے ہوئے استاذ کے ادبی مقابلہ کے لئے تیار ہوگئے۔ بہترین ایک غزل اور مزید تین قصائد لکھے اور بطور تائید سندیں بھی پیش کردئے آخر اس ادبی چشمک میں ذوق کو نمایاں کامیابی نصیب ہوئی۔ اور باقاعدگی سے استاذ تسلیم کرلئے گئے۔

ذوق نے ایسے ماحول میں آنکھ کھولی جبکہ شاعری کا بازار گرم تھا معنی آفرینی کی جگہ الفاظ کی نشست اور قافیہ پیمائی نے لے لی تھی۔ ہر شاعر اس طریقہ سے مشق سخن کرتا اور یہی عادت ذوق کی طبیعت میں بھی رچ گئی اور اس انداز میں اشعار کہنے لگے لیکن تخئیل کی بلند پروازی، الفاظ کی روانگی، محاورات کا برمحل استعمال غرض ان تمام خصوصیات نے ذوق کو شاعری کے عروج پر پہنچا دیا۔

ذوق نے زبان اردو پر بہت بڑا احسان کیا کہ ہندی الفاظ متروک کرکے اس کے بجائے فارسی ترکیبیں استعمال میں لے آئے اور غالب کی غزلوں، ذوق کے قصائد کو شہرت عام حاصل ہو رہی تھی۔

حضرت ذوق کو بحور پر کامل دسترس حاصل تھی۔ ہر بحر میں شعر گوئی آسان تھی۔ جس سے خود ان کے معاصرین مثلاً شاہ نصیر۔ غالب۔ مومن۔ ظفر وغیرہ اس امر میں عاجز آگئے تھے۔

قارئین بزم اللطیف کی دلچسپی کو برقرار رکھتے ہوئے شاعرِ بذلہ سنج مرزا اسداللہ خان غالبؔ کا وہ سہرا جو شہزادہ ظفرؔ کی شادی کے موقع پر لکھا گیا تھا اور ساتھ ہی وہ سہرا کہ جس کو استاد ذوقؔ نے سہرۂ غالبؔ کے جواب میں قلم بند کیا تھا سپردِ قلم کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمایئے:۔۔۔

سہرۂ غالب

خوش اے بخت! کہ ہے آج ترے سر سہرا
باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پر سہرا

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے
ہے ترے حسنِ دل افروز کا زیور سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے، پر اے طرفِ کلاہ
مجھ کو ڈر ہے، کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہوں گے موتی
ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

سات دریا کے فراہم کئے ہوں گے، موتی
تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا

رخِ دولہا کے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا:
ہے رگِ ابرِ گہر بار سراسر سہرا

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز
چاہیئے پھولوں کا بھی ایک مقرّر سہرا

جب کہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے مارے
گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

رخِ روشن کی دمک، گوہرِ غلطاں کی چمک
کیوں نہ دکھلائے فروغِ مہ و اختر سہرا

تار ریشم کا نہیں، ہے یہ رگِ ابرِ بہار
لائے گا تابِ گرانباریِ گوہر سہرا

ہم سخن فہم ہیں غالبؔ کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

بادشاہ ظفرؔ کی نظر جب مقطع پر پڑی تو انہوں نے یہ محسوس کیا کہ ہمارے استاذ شاعر ذوقؔ پر چوٹ کی گئی ہے۔ لہٰذا بادشاہ نے اپنے درباری شاعر ذوقؔ سے ایک جوابی سہرا لکھنے کی فرمائش کی تو ذوقؔ نے فی البدیہہ ایک دلکش و پُر معنی سہرا تحریر کیا۔

جوابی سہرا بجانب ذوق

اے جواں بخت مبارک تجھے سر پہ سہرا
آج ہے یمن و سعادت کا ترے سر سہرا

آج وہ دن ہے کہ لائے دُرِ انجم سے فلک
کشتی زر میں مہِ نو کی لگا کر سہرا

تابشِ حسن سے مانندِ شعاعِ خورشید
رخِ پُر نور پہ ہے تیرے منوّر سہرا

وہ کہے صلِّ علیٰ یہ کہے سبحان اللہ
دیکھیں مکھڑے پہ جو تیرے مہ و اختر سہرا

تا بنی اور بنے میں رہے اخلاص بہم
گوندھیے سورۂ اخلاص کو پڑھ کر سہرا

دھوم ہے گلشنِ آفاق میں اس سہرے کی
گائیں مرغانِ نوا سنج نہ کیونکر سہرا

رُوئے فرخ پہ جو ہیں تیرے برستے انوار
تار بارش سے بنا ایک سراسر سہرا

ایک کو ایک پہ تزئین ہے دمِ آرائش
سر پہ دستار ہے دستار کے اوپر سہرا

ایک گھر ہی نہیں صدف کان گہر میں چھوڑا
تیرا بنوایا ہے لے لے کے جو گوہر سہرا

بھرتی خوشبو سے ہے اترائی ہوئی بادِ بہار
اللہ اللہ رے پھولوں کا معطر سہرا

سر پہ طرہ ہے مزین تو گلے میں بدھی
کنگنا ہاتھ میں زیبا ہے تو سر پہ سہرا

دُرِ خوش آب مضامیں سے بنا کر لایا
واسطے تیرے ترا ذوق ثنا گر سہرا

جس کو دعوئے ہو سخن کا یہ سنا دے اس کو
دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

یہ سہرا سادگی اور روانی کے اعتبار سے ایک بحرِ بیکراں ہے۔ استاد ذوق نے تو اس میں الفاظ کی موتیوں کو اس طرح نظم کیا ہے کہ جس سے ان کی قادر کلامی و شگفتہ بیانی کی بخوبی تصدیق ہوتی ہے۔

غالب نے ایک بہتر سہرا تو کہہ دیا مگر مقطع سے بات بڑھتی گئی اور جواباً ذوق نے بھی سہرا لکھ کر مقطع کچھ ایسا تحریر کیا کہ جس سے غالب گھبرا گئے۔ انہیں خوف ہُوا کہ کہیں بادشاہ ظفر مجھ پہ عتاب کر بیٹھیں فوراً معذرتاً چند اشعار لکھ کر اپنی براءت ظاہر کی :—

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

آزاد رَو ہوں اور مرا مسلک ہے صلحِ کُل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے

اُستادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
یہ تاب، یہ مجال، یہ طاقت نہیں مجھے

جامِ جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

میں کون، اور ریختہ! ہاں اس سے مدعا
جز انبساطِ خاطرِ حضرت نہیں مجھے

سہرا لکھا گیا، زرہِ امتثالِ امر
دیکھا کہ چارہ غیرِ اطاعت نہیں مجھے

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

رُوئے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ
سودا نہیں، جنوں نہیں، وحشت نہیں مجھے

قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہیں
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ، کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

محمد ابراہیم ذوق نے بہت سے قصائد کہے ہیں، مگر ایک قصیدہ اکبر بادشاہ ثانی کی خدمت میں پیش کیا تو اس کے صلہ میں "خاقانی ہند" کا خطاب ملا جس کا مطلع یہ ہے :—

جبکہ سرطان و اسد مہر کا ٹھہرا مسکن
آب و ایلولہ ہوئے نشو و نمائے گلشن

ذوق طبعاً منکسر المزاج تھے اور خوف خدا ہمیشہ آپ کے دل میں موجزن رہتا تھا۔ نماز روزہ کے ساتھ ساتھ اوراد و ظائف پر بھی کاربند تھے اور آپ علم تفسیر، حدیث، تاریخ تصوف، فقہ، علم نجوم اور موسیقی سے کافی واقفیت حاصل تھی۔

وطن کی انسیت ذوق کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی جس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ حیدر آباد کے راجہ چندو لال جن کا شاداں تخلص تھا اور کئی شعراء کی زندگی آپ کی دامن عاطفت سے وابستہ تھی، ذوق کو بھی اپنے ہاں آنے کی دعوت دی لیکن آپ نے وطن کی محبت میں دہلی کو خیرباد کہنا پسند نہ فرمایا بلکہ صاف طور سے انکار کر دیا اور یہ شعر لکھ بھیجا ؎

ان دنوں گرچہ دکن میں ہے بڑی قدر سخن
کون جائے ذوق! یہ دلی کی گلیاں چھوڑ کر

ذوق کے بہت سے قصائد غزلیں، مثنویاں سہرے وغیرہ کے مطالعہ سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ آپ کو کامل عبور قصائد اور غزلوں ہی پر تھا۔ در اصل قصائد ہی سے آپ کا نام متوسطین شعراء کے طبقہ میں "ملک الشعراء" سے موسوم کیا گیا۔

حضرت ذوق کے اکثر قصائد بہادر شاہ ظفر کی توصیف میں ہیں۔ اس صنف کو آپ نے بام عروج پر پہنچایا۔

مشاعرے میں آپ نے کسی کی تقلید نہیں کی۔ صرف قصائد میں سودا کا تتبع کیا ہے۔ ذوق کا نام بحیثیت قصیدہ نگار کے آسمان شاعری میں ستارۂ تابندہ کے مانند درخشاں رہیگا۔ مگر افسوس کہ سارا کلام ۱۸۵۷ء کے غدر میں ضائع ہو گیا۔ اب جو کچھ بچا رہا اس کو مولانا محمد حسین آزاد جیسے شاگرد رشید نے بڑی کد و کاوش سے یکجا کیا اور "دیوان ذوق" کی شکل میں منظر عام پر لے آئے۔

ذوق کے بہت سے شاگرد تھے مگر ان میں داغ، ظفر، ظہیر، آزاد مشہور ہیں۔ آخر عمر میں آپ بہت نحیف و کمزور ہو گئے۔

مسلسل کئی دن تک مرض تپ میں مبتلا رہے۔ ۱۶ نومبر ۱۸۵۴ء بروز جمعرات، مرنے سے تین گھنٹے قبل یہ شعر کہا اور راہیٔ ملک عدم ہوئے۔

؎

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گذر گیا
کیا خوب آدمی تھا، خدا مغفرت کرے

از
حافظ سید محمد اللہ
ضیا بختیاری
لطیفی

غزل

جلوۂ حسن کو مجبور سرِ بام نہ کر
دیکھ اے ذوقِ نظر عشق کو بدنام نہ کر

سایۂ گیسوئے جاناں جو میسّر ہو تجھے
شکوۂ سلسلۂ گردشِ ایّام نہ کر

حسن اک خاص حقیقت ہی محبّت کی قسم
اس حقیقت کو کبھی بھول کے بھی عام نہ کر

جنبشِ لب ہے حدیثِ غمِ دل کی توہین
شوق کو مائلِ ہنگامۂ پیغام نہ کر

عمر بھر اپنی وفاؤں پہ بھروسہ کر کے
حسن کا ذوقِ جفا موردِ الزام نہ کر

اے ضیا دل کی لطافت کا تقاضہ ہے یہی
روحِ پاکیزہ کو وقفِ طلبِ جام نہ کر

از جناب
فضل العلماء مولانا الحاج
الحاج مولوی
محمد یوسف صاحب کوکن
(M.A. M. LIT.)
صدر شعبۂ عربی فارسی
و اردو
مدراس یونیورسٹی

دنیا کی تمام بڑی بڑی قومیں کسی نہ کسی ایک مذہب کی پابند ہیں۔ ان میں سے بعض مذہب ایسے ہیں جو محض اس کے مذہبی رہنماؤں اور مصلحوں کے اقوال و ارشادات کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ مثلاً ایرانی مذہبی رہنما زردشت (۶۶۰-۵۸۳ ق م) نے ژند اوستا کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اپنے خیالات کو قلمبند کیا ہے۔ چینی کنفوشیس (۵۵۱-۴۷۸) کو مانتے ہیں اس کی نو کتابیں ہیں جن کو مقدس کتابوں کا درجہ دیا گیا ہے۔ ہندوستان میں رگ وید، یجروید، سام وید اور اتھروید کے نام سے چار مذہبی کتابیں موجود تھیں جو درحقیقت یہاں کے مشہور رشیوں اور منیوں نے مرتب کی تھیں۔ دو اور رہنما یعنی وردھمنا مہاویرا (۵۴۹-۴۶۸ ق م) اور گوتم بدھ (۵۶۳-۴۸۳ ق م) پیدا ہوئے جنھوں نے ویدوں کی تعلیمات کے بالمقابل اپنی تعلیمات پیش کیں۔ ان کی تعلیمات کو ہندوستان سے زیادہ بیرونی ممالک میں زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ رام اور سیتا کی مذہبی روایات رامائنا کے نام سے مرتب ہوئی اور یہاں کی آپس کی لڑائیوں کا حال مہابھارت کے نام سے قلمبند ہوا۔ ان کتابوں پہ آسمانی ہونے کا اسی وقت اطلاق ہو سکتا ہے جبکہ خود ان کے مرتبین کو یہ دعویٰ ہو کہ یہ سب کتابیں خدا کی طرف سے ان پہ نازل ہوئی ہیں۔ نیز تمام انبیاء کی بنیادی تعلیمات توحید الٰہی، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج پہ مبنی رہی ہیں۔ ہر ایک نبی کی تعلیم یہی تھی کہ ایک اللہ کو مانو، اس کے ساتھ کسی اور شریک نہ بناؤ۔ یقوم اعبدوا اللہ ما لکم من الٰہ غیرہ اے میرے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں ہے۔

حضرت نوحؑ نے ساڑھے نو سو برس تک اسی توحید کی دعوت دی، حضرت ابراہیمؑ نے بُت پرستی سے منع کیا اور جب لوگوں نے نہیں مانا تو ان کے سارے بت توڑ پھوڑ کر رکھ دیئے ان کی اولاد نے ہر وقت توحید الٰہی کی تبلیغ کی۔ اس سلسلہ میں پوری تکلیفیں اٹھائیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ ماجدہ ھاجرہؑ کو محض عزلی تعمیر کی۔ پھر مکے میں بسایا۔ خدا کی عبادت کے لئے۔

حج کا اعلان کروا دیا۔ حضرت اسمٰعیل اپنے اہل و عیال کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کرتے تھے۔ (۲) بنی اسرائیل سے خدا کی تائید کریں بنیا جہرہ عدہ کیا گیا تھا کہ وہ نماز کو قائم کریں گے زکوٰۃ ادا کرینگے، رسولوں پہ ایمان لائیں گے اور ان کی

تائید کریں گے اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دیتے رہیں گے (مائدہ ۳)

حضرت شعیبؑ سے کافروں نے پوچھا تھا کہ کیا تمہاری نماز تم کو ہمارے آباء و اجداد کی بتوں کی پرستش سے روکتی ہے یا اپنے مالوں کو اپنی خواہش کے مطابق خرچ کرنے سے منع کرتی ہے (ھود ۵)

حضرت عیسیٰؑ نے گہوارے سے آواز دی اور کہا اے لوگو! میں خدا کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اور مجھے جہاں کہیں بھی رہوں مبارک بنایا ہے۔ اور مجھے زندگی بھر نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی ہے (مریم ۲) اسی طرح روزے کا بھی کئی جگہ ذکر ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاءؑ کی بنیادی تعلیمات ایک تھیں۔ البتہ ان کی ادائیگی کا طریقہ جداگانہ تھا۔ یہ تمام انبیاء مسلمان تھے۔ لوگوں کو نیک کاموں کا حکم دیتے تھے اور برے کاموں سے ان کو منع کرتے تھے۔ اگر ہند و چین و جاپان و ایران کی مذہبی کتابیں ان بنیادی تعلیمات کی حمایت کرتی ہیں۔ تو ان کے آسمانی ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ان میں ان کے آسمانی ہونے کا ادعا کوئی نہ ہو اور مذکورہ بالا بنیادی تعلیمات کی حمایت سے خالی ہوں تو ان کے آسمانی ہونے کا اعتراف نہیں کیا جا سکتا۔

وحی الٰہی

قرآن مجید سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ تین طرح سے بات کرتا ہے (۱) وہ اپنے بندوں نیک کے دلوں میں سچی باتیں ڈالتا ہے۔ (۲) پردے کی اوٹ سے ان سے بات کرتا ہے۔ (۳) یا کسی فرشتے کے ذریعہ اپنا پیغام پہنچاتا ہے۔ ارشاد باری ہے:-

وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء (شوریٰ)

کوئی انسان اللہ سے بات نہیں کر سکتا مگر یہ کہ وہ وحی کے ذریعہ ہو یا پردے کے پیچھے سے ہو یا کسی فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ جو چاہے وحی کرتا ہے۔

حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت شعیب حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ذکریا، حضرت یحییٰ، حضرت یونس، حضرت عیسیٰ، اور ہمارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی تین طریقوں سے وحی آیا کرتی تھی۔

قرآن مجید میں چار کتابوں کا ذکر ہے یعنی تورات، زبور، انجیل، اور فرقان جن کا آج بھی وجود ہے۔ ایک جگہ صحفِ ابراہیم، اور صحفِ موسیٰ کا بھی ذکر ہے۔ غالباً یہ دونوں مرورِ زمانہ کی بدولت تورات ہی کا جز بن گئے ہیں۔ ان کو ہم منزّل من اللہ مانتے ہیں۔ کیونکہ خود ان کتابوں کو منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ ہے اور ان میں انبیاء کی بنیادی تعلیمات پائی جاتی ہیں۔

توریت

توریت ایک عبرانی لفظ ہے جس کا اطلاق ابتداءً ان دس احکام پہ ہوتا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پہ نازل ہوئے تھے۔ بعد میں رشد و ہدایت اور قانونِ شریعت پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ توریت کی ابتدائی پانچ کتابیں یعنی پیدائش، خروج، احبار، گنتی اور استثناء حضرت موسیٰ کی طرف منسوب ہیں۔ پیدائش میں ابتدائے آفرینش سے لیکر تخلیق آدم و حوا و قابیل و ہابیل و نوح و سام و حام و یافث و ابراہیم و لوط و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب و یوسف تک کا ذکر ہے۔ خروج میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے کس طرح پھلے اور پھولے کس طرح

بنی لاوی میں حضرت موسیٰ و ہارون پیدا ہوئے اور پھر حضرت موسیٰ فرعون کے گھر پل کر جوان ہوئے۔ پھر ایک غیر اسرائیلی کو مکّے سے ہلاک کر کے کنعان فرار ہوئے اور شادی کر کے مصر واپس ہوئے۔ راستہ میں نبوت ملی۔ مصر آ کر فرعون اور اس کی قوم کو خدا کی طرف بلایا۔ پے در پے معجزے دکھائے اور جب مصریوں نے نہیں مانا تو اپنی قوم کو لیکر نکلے۔ فرعون نے ان کا پیچھا کیا اور بحر احمر میں اپنی فوج کے ساتھ ڈوب مرا۔ اس میں جابجا احکام الٰہی کا ذکر ہے جو وقتاً فوقتاً حضرت موسیٰ پر نازل ہوتے رہے، مثلاً خروج کا بیسواں باب اس طرح شروع ہوتا ہے۔

اور خدا نے یہ سب باتیں فرمائیں کہ (۱) خداوند تیرا خدا جو تجھے ملک مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں۔ (۲) میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا (۳) تو اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا۔ نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے (۴) تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں اور جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں، ان کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پشت تک باپ دادا کی بدکاری کی سزا دیتا ہوں (۵) اور ہزاروں پر جو مجھ سے محبت رکھتے اور میرے حکموں کو مانتے ہیں، رحم کرتا ہوں (۶) تو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ نہ لینا کیونکہ جو اس کا نام بے فائدہ لیتا ہے خداوند اسے بے گناہ نہ ٹھہرائے گا۔

تیسری کتاب احبار ہے جس میں بہت سے چھوٹے موٹے قصّے اور خدائی احکام درج ہیں۔ چوتھی کتاب گنتی ہے جس میں بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا ذکر ہے۔ جابجا احکام الٰہی کا بھی بیان ہے۔ پانچویں کتاب استثنا ہے۔ اس میں بھی مختلف احکام درج ہیں۔

یہ پانچوں کتابیں قرآن مجید کی طرح آیتوں میں تقسیم ہیں۔ ہر کتاب میں باب ہیں جو رکوع کے قائم مقام ہیں۔ ہر ایک باب ۲۷ سے ۳۰ آیتوں پر مشتمل ہے۔ پیدائش میں پچاس خروج میں چالیس احبار میں ستائیس گنتی میں ۳۶ اور استثنا میں تیتیس (۳۲) باب ہیں۔ ان کے بعض قصّے اور احکام قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید ان کی پوری تصدیق کرتا ہے اور جہاں کہیں اختلاف ہو قرآن اسکو ظاہر بھی کر دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ اگر ذرا بھی خیال فرماتے تو خدائی الفاظ کو علیحدہ قلمبند کر دیتے تھے۔ مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ وحی الٰہی کو اکثر اپنے الفاظ میں بیان کیا۔ اس طرح کلام الٰہی کلام موسیٰ سے خلط ملط ہو گیا ہے۔ گمان غالب یہ ہے کہ یہ پانچوں کتابیں حضرت موسیٰ کے بعد قلمبند ہوئی ہیں۔ اس کا ایک بیّن ثبوت یہ ہے، کہ پانچوں کتاب کے آخر میں حضرت موسیٰ کی وفات کا واقعہ درج ہے۔ کہ انہوں نے ایکسو بیس سال کی عمر میں موآب کے میدان میں وفات پائی، توریت کے الفاظ یہ ہیں :-

"پس خداوند کے بندہ موسیٰ نے خداوند کے کہے کے موافق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی۔ اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغفور کے مقابل دفن کیا۔ پر آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں۔ اور موسیٰ اپنی وفات کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا اور نہ تو اس کی آنکھ دھندلانے پائی اور نہ اسکی طبعی قوت کم ہوئی۔ اور بنی اسرائیل اس کے لئے موآب کے میدانوں میں تیس دن تک روتے رہے، پھر موسیٰ کے لئے ماتم کرنے اور رونے پیٹنے کے دن ختم ہوئے اور نون کا بیٹا یشوع دانائی کی

روح سے معمور تھا۔ کیونکہ موسیٰ نے اپنے ہاتھ اس پہ رکھے تھے۔

(استثنا ۳۴: ۵ تا ۹)

اس عبارت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے بہت بعد یہ کتابیں مرتب ہوئی ہیں مگر زبان حضرت موسیٰ اور ان کے بعد کے پیروؤں کی ہے۔ اس لئے استناد کا درجہ نہیں حاصل کرسکتیں۔

قرآن مجید سے بھی اس کا اظہار ہوتا ہے کہ تورات میں ہدایت ونور ہے۔ اس کے تمام حصے ہدایت اور نور نہیں ہیں۔ قرآن کہتا ہے:-

انا انزلنا التوراة فیها هدی ونور یحکم بها النبیون الذین اسلموا للذین هادوا والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب الله۔ (المائدہ)

بے شک ہم نے تورات اتاری جس میں ہدایت اور نور ہے اسی کے مطابق وہ انبیاءؑ جو خدا کے فرماں بردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں، اور وہ ربانی اور علماء بھی جو کتاب الٰہی کی حفاظت اور نگہبانی پر مقرر کئے گئے تھے۔

حضرت موسیٰ کے شاگرد حضرت یوشع بن نون تھے جو ان کے بعد نبی بنا کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے، انہوں نے بھی بنی اسرائیل کو خدائی پیغام پہنچایا۔ لوگوں کو نیک کاموں کی تاکید کی اور برے کاموں سے منع کیا۔ اپنی وفات کے وقت اپنی اولاد کو اسی طرح کی نصیحت کی جس طرح یعقوب نے اپنی وفات کے وقت کی تھی کہ ایک خدا کو مانو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ حضرت یوشع کے ارشادات بھی کتاب کی صورت میں مرتب ہوئے اور تورات کا جزو بن گئے۔

حضرت یوشع کے بعد بہت سے قاضی، بادشاہ اور مصلح آتے رہے جن کے نام سے بھی کتابیں مرتب ہوتی رہیں اور تورات کا جزو بنتی چلی گئیں جیسے قضاۃ، روت، اسموئیل ۱، اسموئیل ۲، سلاطین ۱۔ سلاطین ۲۔ تواریخ ۱۔ تواریخ ۲۔ عزرا، نحمیاہ، آستر، ایوب، زبور، امثال، واعظ، غزل الغزلات، یسعیاہ، یرمیاہ، نوحہ، حزقی ایل، دانی ایل، ہوسیع، یوایل، عاموس، عبدیاہ، یوناہ، میکاہ، ناحوم، حبقوق، صفنیاہ، حجی، زکریاہ، ملاکی، غرض ان میں سے ہر ایک کتاب مرتب ہوتی اور تورات کا جزو بنتی چلی گئی۔ آج پورے مجموعہ کو تورات یا عہد عتیق کا نام دیا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض یعنی ایوب، یونس اور زکریا کا مختصر ذکر قرآن میں بھی موجود ہے۔

حضرت داؤد اور سلیمان کی بہت سی تاریخی روایات قرآن میں آگئی ہیں۔ بہت سی روایتیں ایسی ہیں جن کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کہاں تک مستند ہوسکتی ہیں۔ ان کے متعلق یہی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ نہ تو ان کی تصدیق کی جاسکتی ہے اور نہ ان کی تکذیب۔

زبور

یہ درحقیقت حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک سو پچاس نغموں اور گیتوں کا مجموعہ ہے جن میں اللہ جل شانہ کی حمد بیان کی گئی ہے۔ اکثر حضرت داؤد ہی کے تصنیف کردہ ہیں یعنی مزامیر کے ساتھ ان کو سنایا کرتے تھے۔ ان کی حیثیت محض دعاؤں کی سی ہے مثلاً پہلا مزمور یہ ہے:-

"مبارک ہے وہ آدمی جو شریروں کی صلاح پر نہیں چلتا اور خطاکاروں کی راہ میں نہیں کھڑا ہوتا اور ٹھٹھا بازوں کی مجلس میں نہیں بیٹھتا (۱) بلکہ خداوند کی شریعت میں اس کی خوشنودی ہے اور اس کی شریعت پر اس کا دن رات دھیان رہتا ہے (۲) اور وہ اس درخت کے مانند ہوگا جو پانی کی ندیوں کے پاس لگایا گیا ہے جو اپنے وقت پہ پھلتا ہے اور جس کا پتہ بھی نہیں مرجھاتا سو جو کچھ وہ کرے

بارآور ہوگا (۳) شریر ایسے نہیں بلکہ وہ بھوسے کی مانند ہیں جسے ہوا اُڑا لے جاتی ہے (۴) اس لئے شریر عدالت میں قائم نہ رہیں گے نہ خطاکار صادقوں کی جماعت میں (۵) کیونکہ خدا صادقوں کی راہ جانتا ہے۔ پر شریروں کی راہ نابود ہو جائے گی۔"

انہی کے ہم معنی الفاظ محاورے اور فقرے ہم کو قرآن مجید احادیث اور کلام صحابہ و تابعین میں ملیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اگرچہ ایک کتاب کی حیثیت سے زبور کا نام لیا ہے مگر قرآن سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی کوئی مستقل حیثیت نہیں تھی۔ اسی لئے قرآن نے جہاں مومنین کے مالوں اور جانوں کے خریدنے کا ذکر فرمایا کہ ان کے بدلے ان کو جنت ملیگی اور کہا ہے کہ تورات، انجیل اور فرقان میں سب سے اسی قسم کا وعدہ کیا گیا ہے (توبہ)۔

آج زبور بھی تورات کا ایک جزء ہے۔ اس میں بہت سی بہترین اور عمدہ نصیحتیں بھی کی گئی ہیں جو ہر زمانہ میں قابل عمل ہو سکتی ہیں۔ قرآن اس کی کہیں مخالفت نہیں کرتا۔

انجیل

انجیل ایک یونانی کلمہ ہے جس کے معنی "بشارت" کے ہیں۔ یہ اس تصور کی بنا پر ہے کہ جو بھی حضرت عیسیٰ پر ایمان لائیں گے ان کو وہ نجات اخروی کی بشارت دینگے۔ انجیل ایک کتاب نہیں بلکہ چار کتابوں کا مجموعہ ہے جن کو حضرت عیسےٰ کے چار حواریوں اور شاگردوں نے مرتب کیا۔ یعنی متی، مرقس، لوقا اور یوحنا۔ ان چاروں نے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات و ارشادات قلمبند کئے ہیں۔ واقعات و حالات وارشادات قریب قریب یکساں ہیں مگر زبان مختلف ہے۔

ان میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح اور انسانوں کا کلام ایک دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ ان کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کے تمام حالات اور ارشادات قلمبند نہ ہو سکے، چنانچہ انجیل یوحنا کا آخری جملہ یہ ہے:-

" اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے، اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں ان کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی "

ان انجیلوں میں بعض واقعات محض سن کر لکھے ہیں۔ واقعہ کے وقت کوئی موجود نہیں تھا۔ ان حواریوں کو جیسی روایت ملی اور جس پر انہوں نے اعتبار کیا قلمبند کر دیا۔ انہوں نے اپنی طرف سے قصداً جھوٹ نہیں لکھا بلکہ جیسی روایت معتبر نظر آئی اسے اپنی کتاب میں نقل کر دیا۔ چنانچہ ان انجیلوں میں ہے کہ حضرت مسیح کو سولی دی گئی، پھر انہیں دفن کیا گیا۔ تین دن کے بعد آپ کی لاش غائب ہوگئی اور وہ خدا کی طرف اٹھا لئے گئے۔ اسی لئے قرآن نے صاف الفاظ میں ظاہر کر دیا۔

وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم | اور نہ انہوں نے ان کو قتل کیا اور نہ انہیں سولی دی بلکہ وہ سب شبہ میں پڑ گئے۔

حضرت مسیح کے بعد آپ کے حواریوں اور شاگردوں، اور خاص کر پولس، لیعقوب، پطرس اور یوحنا نے احکام الٰہی کی تبلیغ شروع کی اور حضرت مسیح کے ارشادات کی روشنی میں انسانی زندگی کے مسائل کی تشریح کی۔ جو "رسولوں کے اعمال" کے نام سے بعد میں قلمبند ہوئے اور ان چار انجیلوں کے ساتھ ملا دئے گئے۔ پولس نے مختلف لوگوں کے نام خطوط لکھے ہیں۔ نیز لیعقوب

پطرس اور یوحنا نے بھی چند خطوط لکھے ہیں۔ آخر میں یوحنا کو مکاشفہ ہوا ہے۔ یہ سارے خطوط اور مکاشفہ بھی انجیلوں کا جز بنا دئے گئے۔ ان کو بھی یکساں مرتبہ دیا گیا۔ حالانکہ ان کی حیثیت کلام الٰہی کی نہیں تھی۔ وہ صرف انسانی کلام کا درجہ رکھتے تھے۔ جن کو بھی تقدس کا درجہ دے دیا گیا۔

قرآن مجید

قرآن مجید ایک آخری اور نہایت ہی مستند آسمانی کتاب ہے۔ جو تیئیس ۲۳ برس کے عرصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ آنحضرت اگرچہ لکھنا یا پڑھنا نہیں جانتے تھے مگر ابتدا ہی سے آپ نے کلام الٰہی کو زبانی یاد کیا۔ بار بار اس کو دہرایا۔ نماز ول میں اس کو سنایا۔ اپنے پیرووں کو اس کے یاد کرنے اور نمازوں میں بار بار تکرار کے ساتھ اس کو پڑھنے کی ترغیب دی۔ اسطرح سارا کلام خود بخود محفوظ ہوتا چلا گیا۔ اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوسکتی تھی۔ اگر کوئی بھول کر بھی غلط پڑھے تو اس کی فوراً ہی تصحیح ہو جاتی تھی۔

آنحضرتؐ نے اپنے ساتھیوں کو آپ کے ارشادات کو قلمبند کرنے سے منع کر دیا تھا۔ تاکہ آپ کے الفاظ قرآن مجید کے الفاظ سے خلط ملط نہ ہو جائیں اور مسلمان اسی قسم کی غلطی نہ کر بیٹھیں جس طرح بنی اسرائیل یا حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی امت نے کی تھی۔ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا۔ ابتدا میں توحید اور صفات باری کی توضیح ہوتی رہی، عقائد کو مضبوط اور پختہ بنانے کی طرف توجہ رہی، پھر دھیرے دھیرے احکام نازل ہونے شروع ہوئے۔

مکیؔ آیتوں اور مدنی آیتوں میں ایجاز و اعجاز اور طول و قصر کے لحاظ سے بہت فرق ہے۔ مکی آیتیں چھوٹی چھوٹی اور بہت زوردار ہیں۔ اور مدنی آیتیں جن میں زیادہ تر احکام ہیں ذرا لمبی ہیں مگر بہت ہی فصیح و بلیغ ہیں۔ بسم اللہ کی ب سے سورۂ الناس کی س تک پورا کلام کلام الٰہی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ قرآن کی ترتیب نزول کے مطابق نہیں ہے بلکہ آنحضرتؐ نے اس کو ترتیب دیا ہے۔ یہ کلام اپنی اصلی صورت میں اب تک موجود ہے۔ کوئی ان میں ذرا بھی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ اس کا ہر ہر حرف اور ہر ہر لفظ مستند ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن مجید کا یہ امتیازی وصف ایسا ہے جس میں دنیا کی کوئی آسمانی کتاب شریک نہیں ہوسکتی۔

مسلمانوں نے سو سال کے بعد اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات قلمبند کئے جبکہ ان کو اس بات کی پوری تمیز ہو چکی تھی کہ فلاں کلام اللہ کا ہے اور فلاں کلام رسولؐ کا۔ اگر پچھلے انبیاء بھی اپنے اپنے زمانہ میں کلام الٰہی کی اسی طرح حفاظت کرتے تو بعد میں کسی کو ان میں کانٹ چھانٹ یا گھٹانے بڑھانے کا کوئی موقعہ نہیں مل سکتا تھا۔ اس کی وجہ سے ان کی کتابوں کو دوام کا درجہ نصیب نہیں ہوسکا۔ چونکہ قرآن مجید بالکل محفوظ ہو گیا اس لئے کسی نئے کلام الٰہی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

توریت، زبور اور انجیل والوں نے اصل زبان عبرانی یا سریانی میں اپنے ان آسمانی صحائف کی حفاظت کرنے کی کوئی فکر نہیں کی، انہوں نے ان کے ترجموں کو عام کرنے کی کوشش کی تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں۔ ان کے مقصد کی اہمیت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ مگر اس کی وجہ سے اصل تمام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ لوگ اصل سے دور جا پڑے کسی کو آج اصل

کی طرف رجوع کرنے کی فکر نہیں ہے۔ ان کا اعتماد ان ترجموں پر ہو گیا ہے جو وقتاً فوقتاً کئے جاتے رہتے ہیں۔ ترجموں کی عمدگی پر ان کی نظر رہتی ہے مگر اصل سے کلی مطابقت پیدا کرنے کا کسی کو خیال نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن مجید کے ساتھ یہ معاملہ پیش نہیں آیا۔ ترجمہ کی اجازت ہونے کے باوجود کوئی مسلمان اصل کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اصل ہر ایک کے ہاتھ میں ہے۔ اگر کوئی ترجمے میں غلطی کر بیٹھے تو ایک عامی عربی داں بھی اس پر گرفت کر سکتا ہے۔ اصل کے نہ ہونے کی وجہ سے اہل کتاب علماء مترجمین کی غلطیوں کو پہچاننے کی قوت نہیں رکھتے۔

قرآن مجید میں پچھلی امتوں کے واقعات دئے گئے ہیں مگر صرف اس حد تک جن سے پڑھنے والوں کو موثر نصیحت مل سکتی ہو۔ وہ توریت یا انجیل کی طرح طویل واقعات سے لبریز نہیں ہے جن کے پڑھنے سے ایک انسان اکتا جائے۔ ان دونوں کی حیثیت ایک تاریخی کتاب کی ہے۔ قرآن مجید تیس پاروں میں منقسم ہے۔ ہر پارہ کے پڑھنے کے لئے صرف بیس منٹ درکار ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف توریت اور انجیل میں چھیاسٹھ صحیفے ہیں جن کے پڑھنے کے لئے ایک طویل وقت درکار ہے۔

قرآن مجید ایجاز و اعجاز اور فصاحت و بلاغت کا ایک نادر نمونہ ہے۔ اس کے ہر ہر لفظ سے استدلال کیا جا سکتا ہے، اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ان سے تازہ روشنی حاصل کی جا سکتی ہے لیکن تورات زبور اور انجیل کا یہ حال نہیں ہے۔ قرآن کی بنیاد پر فقہ و ادب کے بہت سے علوم مدوّن ہوئے اور یہ امتیازی شان توریت و انجیل کی نہیں حاصل ہو سکی۔

قرآن مجید کا ایک بہت بڑا وصف یہ ہے کہ وہ پرانی کتابوں کے اندر جو اختلاف ہو گیا ہے ان کو کھول کر بتاتا ہے۔

لیبین لهم الذین یختلفون فیه ولیعلم الذین کفروا انهم کانوا کاذبین (نحل ۳۹)	تاکہ ان کو وہ چیزیں کھول کر بتا دے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور تاکہ وہ لوگ جو منکر ہیں یہ جان لیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔

قرآن نے صاف ظاہر کیا ہے کہ جو بھی رسول بنا کر بھیجے گئے وہ توحید کے علمبردار تھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت۔ (نحل ۳۶)	بے شک ہم نے ہر ایک امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی پرستش کرو، اور طاغوت سے پرہیز کرو۔

آنحضرتؐ سے پہلے کے تمام انبیاء کو کھلی نشانیاں اور صحیفے دئے تھے اور آنحضرتؐ کو بھی ایک کتاب دی گئی تھی تاکہ لوگوں کو یہ بتائیں کہ ان کی طرف کیا اتارا گیا ہے، اور اس میں وہ غور و فکر بھی کریں۔

وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحی الیهم فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۝ بالبینٰت والزبر و انزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم ولعلهم یتفکرون ۝ (نحل ۴۳-۴۴)	اور ہم نے آپ سے پہلے آدمی نہیں بھیجے تھے مگر ان کی طرف وحی بھیجی تھی۔ پس تم اہل ذکر سے پوچھو اگر تم خود نہیں جانتے ہو۔ ہم نے انہیں نشانیاں اور صحیفے دئے تھے اور ہم نے آپ کی طرف بھی ذکر اتارا تاکہ لوگوں کو وہ باتیں کھول کر بتا دو جو ان کی طرف اتاری گئی ہیں اور شاید وہ ان میں غور و فکر کریں۔

توحید الٰہی اور وحدت ادیان کا کھلا ہوا تصور قرآن نے پیش کیا۔ توریت اور انجیل میں بھی یہ تصورات ملتے ہیں مگر انسانی کلام کے پردے ان پر پڑے ہوئے تھے، ان کی غلط تشریح کی جا رہی تھی۔ خدا کی ذات اور اس کی صفات کا صحیح تصور نہیں تھا۔ بعض الفاظ کی آڑ لے کر ان کی غلط تشریح کی جاتی تھی۔ قرآن نے ان کی غلط فہمیوں کا پردہ ایسا چاک کیا کہ اس کے بعد کسی کو کوئی غلط فہمی نہیں ہو سکتی۔ اگر اہل کتاب خود سوچتے تو ہدایت کی راہ پا سکتے تھے۔ مثلاً بیٹا کا لفظ حضرت عیسیٰ کے سوا اور کے متعلق استعمال کیا گیا ہے۔

حضرت یعقوب خدا کے اکلوتے بیٹے بتائے گئے ہیں، جب حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت المقدس تعمیر کیا تو ان کو اللہ کا بیٹا ظاہر کیا گیا ہے۔ چونکہ یعقوب اور سلیمان کے باپ موجود تھے اس لئے بیٹے کے لغوی معنی اختیار نہیں کئے گئے۔ اس کے برخلاف حضرت عیسیٰ کے متعلق چونکہ ان کے باپ موجود نہیں تھے اس لئے بیٹے کے لغوی معنی مراد لئے گئے۔ قرآن نے ان کی غلطیوں سے آگاہ کیا اور کہا کہ خدا ایک ہے بے نیاز ہے نہ تو اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی کو پیدا ہوا۔ اس کی برابری کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے (سورۃ الاخلاص)

خدا کا جتنا صحیح تصور قرآن نے پیش کیا ویسا کسی آسمانی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔

قرآن ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ اس کے اصول و احکام انسانی زندگی کے ہر ہر گوشہ میں رہنمائی کا کام دیتے ہیں۔ آنحضرتؐ کی زندگی مختلف قسم کے انسانوں کو مثالی زندگی کا کام دے رہی تھی۔

قرآن جیسا ہمہ گیر آسمانی پیغام ہے، اسی طرح آنحضرتؐ کی زندگی ہر لحاظ سے ہمہ گیر ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم قرآن مجید کا دوسری آسمانی اور مقدس کتابوں سے مقابلہ کر کے اس کے فضائل و مناقب کو دنیا والوں کے سامنے پیش کریں۔

از
محمد شوکت حسین شاکر
متعلم دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

(۱) جو شخص جھوٹی قسم کھائے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔ (سرور کائنات صلعم)

(۲) دنیا کی بہترین متاع نیک بخت بیوی ہے۔ (سرور کائنات صلعم)

(۳) غیبت کرنے والا خدا کی بدترین مخلوق ہے۔ (سرور کائنات صلعم)

(۴) عمارتوں میں حرام مال لگانا بنیاد کی خرابی ہے۔ (سرور کائنات صلعم)

(۵) غریب وہ ہے جس کا کوئی دوست نہ ہو۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ)

(۶) انسان کتنا ہی مفلوک الحال بنے لیکن مغلوب الحالی نہ بنے۔ (حضرت عثمان رضہ)

(۷) جھگڑا بڑھنے سے پہلے تم اس سے الگ ہو جاؤ۔ (حضرت سلمان فارسی رضہ)

(۸) جو اپنے آپ کو دوسروں پر فضیلت دیتا ہے وہ متکبر ہے۔ (حضرت سفیان ثوری رضہ)

(۹) احمق اپنا قہر اگل دیتا ہے اور دانا اسے پی جاتا ہے۔ (حضرت سلیمان علیہ السلام)

(۱۰) اہل علم و دانش اپنے عیوب پر نظر رکھتے ہیں، اور اپنے ساتھی کے عیوب سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ (حضرت امام شافعی رحمہ)

(۱۱) حق وہ ہے جو دلیل و برہان سے آراستہ ہو۔ (جمال الدین افغانی)

(۱۲) مرد کو آنکھ تصور کیا جائے تو عورت اسکی بینائی ہے۔ اگر پھول تصور کرلیا جائے تو عورت اسکی خوشبو ہے۔ (سقراط)

معراج عقل و نقل کی روشنی میں

حافظ محمد ابراہیم لطیفی
ادھونی (ادیب فاضل)
زمرۂ مولوی عالم دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

تعلیمات اسلامی کے اہم اور قابل قدر واقعات میں واقعۂ معراج بھی باعظمت و بلند رفعت واقعۂ معراج بھی باعظمت و بلند رفعت واقعہ شمار کیا جاتا ہے۔ آج اس کو عالمِ دنیا پہ نمودار ہوئے تقریباً چودہ سو سال کا عرصہ ہو رہا ہے۔ اس وقت سے لیکر ابتک اس کے اسرار و رموز پہ بصیرت افروز مقالے لکھے گئے اور لکھے جارہے ہیں اور لکھے جائیں گے۔ میں بھی اس سعادتِ عظمیٰ سے ہمکنار ہونے کے لئے مذکورہ عنوان پہ کچھ روشنی ڈال رہا ہوں ۱۲

معراج کی لغت در حقیقت معراج اس آلہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ اوپر چڑھا جانا ہے۔ جس کو ہماری اصطلاح میں سیڑھی کہتے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج کے سلسلہ میں یہ روایت مشہور و معروف ہے کہ آپؐ منصبِ نبوت پہ فائز ہونے کے بعد سے پردہ فرمانے تک کل ۳۴ مرتبہ اس شرف سے مشرف ہوئے۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا وہ تمام کے تمام روحانی تھیں یا جسمانی۔

بعض نے اس معراج کے متعلق جو نبوت کے بارہویں سال پیش آئی تھی اس کو جسمانی کہا ہے اور بعض نے اس کو بھی روحانی کہا ہے اور اپنے قول کے تقویت پہونچانے کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو نقل کیا ہے جس میں آپ کی معراجِ روحانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

جسمانیت کے قائلوں نے اپنے دلائل و براہین پیش کرتے ہوئے مذکورہ حدیثوں کے ضعیف ہونے کا رد اس طرح کیا ہے۔

" نبوت کے بارہویں سال جو سفر معراج آپ کو درپیش ہوا یہ زمانہ آپ کے قیام مکہ کا تھا اور حضرت معاویہؓ اس وقت تک شرفِ اسلام سے مشرف نہیں ہوئے تھے ممکن ہے اور قرین قیاس بھی یہی ہے کہ آپ کو اس معاملہ میں جو معلومات حاصل ہوئی ہیں وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ تو اس واقعہ کے ظہور کے وقت بالکل کمسن تھیں۔ یہ وصف بھی ایسا ہے جو آپ کی روایت کے ضعف پہ اثر انداز ہو رہا ہے۔"

مگر وہ آیات قرآنی اور وہ احادیث نبویہ جو آپ کی جسمانیت پہ دال ہیں علی الاعلان اس بات کا قطعی ثبوت دے رہے ہیں کہ اس میں روحانیت کا بالکل شائبہ نہیں۔

سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا

ولہ لنوبہ من ایاتنا انہ ھو السمیع البصیر
آیت مذکورہ میں لفظ عبد اس بات کی نشان دہی کر رہا ہے کہ آپ کی یہ معراج جسمانی تھی چونکہ عربی زبان میں یہ لفظ جسم اور روح سے مرکب اشیاء پر بولا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن میں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے جیسا کہ :-

"ارأیت الذی عبداً اذا صلّی"

"وانہ لما قام عبد اللہ"

علاوہ ان آیات کے ایک اور مقام پر خود خدائے عزوجل صاف و صریح الفاظ میں انسانوں کے لئے ایک حتمی فیصلہ فرما رہے ہیں وما جعلنا الرویا التی ارینٰک الا فتنۃ للناس

"اس مشاہدۂ معراج کو ہم نے لوگوں کے لئے آزمائش بنایا ہے۔ اگر یہ خواب ہوتا تو آزمائش ایمان کی کیا چیز تھی اور اس پر ایمان لانا کیا مشکل تھا۔"

اور خود سید سلیمان ندوی صاحب نے بھی پندرھویں پارے کی آیت پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنا یہ منشاء ظاہر کیا ہے کہ :-

میرے نزدیک معراج کے بحالتِ بیداری کے ثبوت کا صاف و صحیح طریقہ یہ ہے کہ کلام کا فطری قاعدہ یہ ہے کہ جب تک متکلم اپنے کلام میں یہ ظاہر نہ کرے کہ یہ خواب تھا تو طبعاً یہی سمجھا جائے گا کہ یہ واقعہ بحالت بیداری پیش آیا۔ قرآن پاک کے ان الفاظ میں سبحان

الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو ایک رات لے گیا) میں کسی خواب کی تصریح نہیں۔ اسی طرح حضرت ابوذرؓ کی صحیح ترین روایت میں بھی اس کی تصریح نہیں۔ اس لئے یہ بیداری ہی کا واقعہ سمجھا جائے گا اور یہی جمہور امت کا عقیدہ ہے اور وہ بھی مجسم، اسی طرح صحیح احادیث میں بھی خواب کی تصریح نہیں۔ اس لئے زبان کے محاورۂ عام کی بنا پر اس کو بیداری کا واقعہ سمجھا جائے گا (از سیرت النبیؐ)

مزید وضاحت کے لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس تفسیر کو ملاحظہ فرمائیے جس سے مذکورہ قول کی حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے وما جعلنا الرویا التی ارینٰک الا فتنۃ للنّاس ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، جو رویا آپ کو دکھایا گیا اس کو ہم نے لوگوں کے لئے ایک آزمائش بنایا۔ چونکہ یہ آنکھ کا مشاہدہ تھا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا جب کہ آپ کو رات کے وقت بیت المقدس کی طرف لے آیا گیا تھا۔"

جس قدر قرآنی آیات اس موضوع پر بکثرت دستیاب ہوتی ہیں اسی قدر احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود ہیں معراج ہی کے متعلق ایک حیثیت پر تبصرہ کرتے ہوئے امام نوویؒ شارح مسلم رقمطراز ہیں :-

اختلف الناس فی الاسراء برسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقیل انما کان جمیع ذلک فی المنام والحق الذی علیہ اکثر الناس ومعظم السلف وعامۃ المتاخرین من الفقہاء و المحدثین والمتکلمین انہ اسریٰ بجسدہٖ صلے اللہ علیہ وسلم والاثار تدل علیہ لمن طالعھا وبحث عنہا فیہا ولا یعدل عن ظاہرھا الا بدلیل ولا استحالت فی حملہا فیحتاج الی تاویل"
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی معراج میں لوگوں کا

اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ سارا واقعہ خواب میں پیش آیا' اور حق یہ ہے جس پہ اکثر لوگ اور سلف صالحین کا بڑا حصہ' اور متاخرین میں سے فقہا و محدثین اور متکلمین سب متفق ہیں' کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جسم کے ساتھ معراج ہوی' اور جو شخص تمام آثار و احادیث کا غائر مطالعہ اور تحقیق کریگا' اس پہ یہ حق واضح ہو جائے گا اور اس ظاہر سے بغیر کسی دلیل کے انحراف نہیں کیا جائیگا اور نہ ظاہر پہ ان کو محمول کرنے میں کوئی محال لازم آتا ہے جو تاویل کی حاجت ہو"۔

امام مسلم کے علاوہ ابن جریر اور امام رازی نے احادیث صحیحہ پہ قیاس کرتے ہوے یہ چار دلیلیں قائم کی ہیں جن سے بھی معراج جسمانی کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) آپ کا براق پہ سوار ہونا۔ دودھ کا پیالہ نوش فرمانا۔ اور کفار مکہ کا تکذیب کرنا' اور لفظ عبد کا اطلاق کرنا جو جسم و روح پہ بولا جاتا ہے۔

اگر عقل سلیم سے اس پہ غور و خوض کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ کفار مکہ کا تکذیب کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ باوجود اس کے کہ یہ واقعہ اس سے قبل کئی مرتبہ معرض وجود میں آچکا تھا لیکن اس وقت ان کا اچنبھا کرنا ضرور کوئی ایسی انوکھی صورت پیش آئی ہو گی جس کا غلط پروپیگنڈہ کرنے کے لئے انہوں نے اس واقعہ کو اپنے لئے حربہ بنایا مگر ناکامی و نامرادی کا منہ دیکھنا پڑا۔

مولانا سید مناظر حسن صاحب گیلانی نے واقعہ معراج پہ تبصرہ کرتے ہوے کہا ہے :۔

" معراج کے متعلق خواب و خیال والی باتوں کے سوچنے والے مسلمانوں کی ذہنیت تو قریش کے ان کفار سے بھی زیادہ قابل رحم ہے جنہوں نے انکار جو کیا ہو لیکن نوعیت تو واقعہ کی ان کے ذہن میں جو بھی وہی آئی تھی جس سے ان کے انکار کا تعلق ہکیں تھا۔ جو کچھ دیکھا گیا خواب میں دیکھا گیا[1] اگر مسئلہ کی یہی صورت ان کی دماغ میں بھی ہوتی تو وہ انکار ہی کیوں کرتے۔ خواب میں تو دیکھنے والے کیا کچھ نہیں دیکھتے ہیں یا نہیں دیکھ سکتے اسی لئے خواب والی باتوں کو تو عقلی بدخوابوں کے مریضوں کا کابوسی وسوسہ خیال کرتا ہوں"۔

حقیقتاً آج کے اختراعات و ایجادات بھی اس بات کی شہادت پیش کر رہے ہیں کہ انسان کی رسائی آسمان تک ہو سکتی ہے کیونکہ امریکی خلا بازوں نے اپالو ۱۲ کو چاند پہ اتار کر دنیا کو اس بات کا ثبوت دیا کہ انسان مادیات کے ذریعہ آسمان تک رسائی کر سکتا ہے۔ کیونکر نہ ممکن ہو جبکہ خود قرآنی نظریہ کے مطابق جنات آسمان تک پہنچتے رہتے ہیں۔

وانا لمسنا السماء فوجدناها ملئت حرسا شديدا وشهبا اور ہم نے آسمانوں کو چھو کر دیکھا' تو اس کو سخت نگہبانوں اور انگاروں سے بھرا پایا۔

آیت مذکورہ تو اس بات کا ثبوت دے رہی ہے کہ جب جنات کی رسائی وہاں تک ہو سکتی ہے تو پھر انسان کی رسائی بدرجۂ اولیٰ ہونی چاہیئے کیونکہ انسان کی برتری و فضیلت

---

[1] ایک حالت ہے کہ سوتے ہوے آدمی کو لائق ہوتی ہے اسی طرح کہ آدمی کوئی شکل ڈراونی یا کوئی ہنگامۂ آفت کا خواب میں دیکھ کر ڈرتا ہے اور تمام جسم اس کا بوجھل ہو جاتا ہے اور باوجودیکہ سونے میں غل مچاتا ہے مگر آواز نہیں نکلتی ۱۲

ہر اعتبار سے دیگر مخلوقات پر ثابت شدہ ہے۔

انسانی پرواز کی تصریح خود آیت قرآنی سے ثابت ہے۔

یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطن۔

درحقیقت انسان کا چاند پر قدم رکھنا تعلیمات اسلامی کے منافی نہیں بلکہ عین موافق ہے جس کا ثبوت قرآن کی اکثر وبیشتر آیتیں دے چکی ہیں۔ جب یہ ثابت ہوا کہ انسانی رسائی بذریعہ مادیات کے آسمان تک ہو سکتی ہے تو پھر آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا معراج کو بصورت جسمانی تشریف لے جانا کیونکر درست نہیں جبکہ آپ میں بھی قوت پرواز کے وہ تمام صفات بذریعۂ اتم موجود تھے۔

آپ کے صفات کو پیش کرنے سے پہلے ایک قاعدہ کلیہ پیش کرتا ہوں جس سے مضمون کے سمجھنے میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔ روح ایک کیفیت لطیف کا نام ہے جس کے اوصاف خوشبو اور گندگی سے اجتناب اور عکس کا عدم وغیرہ ہیں، ان اوصاف کا متحمل پرواز کو مقتضی ہوتا ہے جیسا کہ ہمارا شاہدہ اسکی تائید کرتا ہے مثلاً انسان سوتا ہے، ایک مقام پر مگر کبھی وہ امریکہ کی پرُفضا شاہراہوں کی سیر کرتا ہے تو کبھی یورپ کے حسین وجمیل عمارتوں کا معائنہ کرتا ہے یہ سب روح کا نتیجہ ہے اسی طرح جب انسان مرجاتا ہے تو اسکی روح بدن انسانی سے منفصل ہو کر ملاء الاعلیٰ کی طرف چلی جاتی ہے۔ اگر بندہ مومن ہے تو اسکی روح کا مرکز ومحور ان الابرار لفی نعیم بتایا گیا ہے اور اگر کافر ومشرک ہو تو اس کا مرجع ومستقر وان الفجار لفی جحیم کہا گیا ہے۔

مذکورہ قاعدہ کے پیش نظر اگر ہم سرور عالم کی شخصیت کا بغور مطالعہ کریں تو یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ آپ میں بصورت جسم تمام خصائل روح کے تھے جیسے آپ کے پسینہ میں خوشبو کا ہونا، اور چلتے وقت جسم اطہر کا عکس زمین پر نہ واقع ہونا۔ چنانچہ آپ بصورت جسم ایک روحانی مجسمہ تھے، لہذا جب رب کو اشتیاق پیدا ہوا کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپ مع جسم ودیگر خواص کے یہ سفر طے فرما دیا۔

اس قدر دلائل وبراہین کی شہادت کے باوجود اگر کوئی آپ کی جسمانیت کا قائل نہ ہو تو اس کے لئے بھی وہی کہا جا سکتا ہے جو فلسفیوں کے لئے شاہ عبدالحق محدث دہلوی رح اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں لکھا ہے۔

فلاسفہ خود در اصل منکر انبیاء اند، مارا باین شان چہ کار و پیغمبر ایشاں عقل ایشان است۔

حقیقت یہ ہے کہ فلاسفہ اصل میں انبیاء ہی کے منکر ہیں اسی لئے ایسے حقائق میں ان کا اختلاف ضرور ہوتا ہے لہذا ہم کو ان کی اس ہرزہ سرائی پر کان نہ دھرنا چاہئے۔ انہوں نے تو اپنی عقل کو اپنا راہنما بنا چھوڑا۔ اسی لئے مبتلائے تذبذب وانکار رہوئے۔ اور مخالفین کا معراج جسمانی کے ابطال پر یہ بھی ایک اعتراض رہا کہ آپ کا تمام آسمان اور عرش وکرسی کا معائنہ کرکے واپس لوٹنا اس حال میں کہ دروازے کی زنجیر ہل رہی ہے اور آپ کا بستر گرم ہی ہے یہ کیسے ممکن ہے"۔

اس اعتراض کے جواب کے لئے مولانا سید حسین احمد صاحب کا مضمون (فلسفۂ معراج سائنس جدید کی روشنی میں) کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں جس میں مذکورہ سوال کا دفعیہ کیا گیا ہے۔

سائنس قدیم آفتاب کے لئے علاوہ حرکت وضعی حرکت اپنی قسری غیر قسری دونوں قسم کی تسلیم کرتی ہے، اور قسم اول یعنے قسری کا دورہ ۲۴ گھنٹہ میں اور قسم دوم یعنی غیر قسری (طبعی) کا دورہ سال بھر میں تمام ہوتا ہے اس لئے اگر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی معراجی حرکت کو آفتاب کی قسم اول (قسری) والی حرکت پر قیاس کرتے ہیں تو استحالہ تو درکنار تعجب واستبعاد بھی رفو چکر ہو جاتا ہے علم مساحت اور ریاضی میں تسلیم کیا گیا ہے کہ قطر کرہ مساحت میں محیط کی ایک تہائی سے کچھ کم ہوتا ہے اور چونکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حرکت قطر پر تھی محیط پر نہ تھی اور چونکہ ابتدائی حرکت مرکز عالم کے بعد سے تھی اور چونکہ زمین کی سطح ظاہری پر سے ابتدا واقع ہوی یعنی مرکز عالم سے حسب تصریحات سائنس قدیم (۳۸۱۷½) میل اوپر سے واقع ہوی اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرکت معراجی کی مسافت چھٹے حصے سے بھی کم ہوی۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک اگر آفتاب کی ساخت جسم کے برابر ہوتا تو حسب قانون حرکت شمس بہ جملہ ساخت فقط تین گھنٹے میں قطع ہوسکتی تھی جس میں آمد ورفت میں چھے گھنٹے خرچ ہوتے مگر جرم کی بڑائی کا مانع حرکت ہونا اور چھوٹائی کا مؤید حرکت ہونا بدیہی اور مسلّم مسئلہ ہے اس لئے جب اس نسبت کو جو کہ جسم نبوی کو جرم آفتاب کے ساتھ ہے خیال کرتے ہوئے دونوں کی حرکت اور سرعت وبطوء پر تقسیم کریں تو شاید دونوں حرکتیں (عروجی ونزولی) ایک سکنڈ کی بھی متحمل نہ ہوسکیں گی۔ اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسافت حرکت فقط محیط فلک شمس تک محدود نہ تھی مگر فلک الافلاک جو کہ اپنی طبعی حرکت سے تمام ماتحت افلاک کو حرکت دے رہا ہے اور چوبیس گھنٹہ میں اپنا دورہ پورا کرتا ہے اسکی حرکت محیطی اور قطری کا بھی وہی حال ہوگا جو فلک شمس اور شمس کا ظاہر ہوا۔"

غرض بہتر اور عمدہ صورت یہی ہوسکتی ہے کہ جہاں عقل کی باگ ڈور کمزور پڑ جاتی ہے وہاں شریعت کو مضبوطی سے تھام لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عقل دی ہے اس میں صرف اتنی طاقت واستطاعت ہے کہ چیزوں کو حواس سے معلوم کرکے اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرلے اور جو چیز عقل انسان سے ماوراء ہے وہاں عقل کا گذر نہیں۔ چونکہ معراج جسمانی کی سیر کا تعلق عالم ملکوت سے ہے جس کا ادراک ہماری سمجھ سے بالاتر ہے لہٰذا اس کا فیصلہ شریعت کے سپرد کردیں اور اس کے بتلائے ہوئے راستے پر چلنے کی کوشش کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقبال ایک اسلامی شاعر

از
ادیب فاضل مولوی سید شبیر احمد
بلمنیر لطیفی
متعلم دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت
قطب ویلور قدس سرہ العزیز

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ میخانہ

شاعر کو تو ہم لوگ ہمیشہ سے ایسا شخص سمجھتے آئے ہیں جو ہر وقت عالم خیال میں رہتا ہو، کھویا کھویا سا اپنی دنیا الگ بنائے، الفاظ کی بندش کے لئے پریشان محاورات کی چکر میں گم، مضمون کی تلاش میں دیوانہ، باتیں جب کرے تو کوشش یہ ہو کہ منہ سے پھول جھڑیں۔ کلام جب سنائے تو خواہش یہ کہ سامع کوثر و تسنیم کی موجوں میں ڈوب جائے جس چیز کی وہ تصویر کھینچے بڑی رنگین، بڑی خوبصورت و دلفریب معلوم ہو۔

یہ سچ ہے کہ رسمی طور پر اقبال شاعر تھے لیکن بغور دیکھا جائے تو وہ شاعر سے زیادہ کچھ اور نظر آتے ہیں اور ان کی شاعری میں ایک "محرم راز ہائے درونِ میخانہ" کا دل دھڑکتا ہوا نظر آتا ہے۔ ان کے شاعرانہ بربط و رباب سے وہ نغمے پھوٹتے ہوئے سنائی دیتے ہیں جن میں انسانیت کا رس ہوتا ہے۔

اقبال کے شعر و سخن کی دنیا دوسری تھی۔ اس کا رنگ دوسرا تھا اس کا مذاق دوسرا تھا۔ اس کا کام ملی و وطنی جذبے کو ابھارنا تھا۔ انسانیت کو خوب سے خوب تر بناتا تھا۔ کم حوصلگی اور فکر کی بے مائگی کا قلع قمع کرنا۔ بزدلی اور سست خرامی کے رجحانات کو ختم کر دینا ان کی شاعری کے خاص عناصر ہیں۔ (ماخوذ از ادیب)

اقبال کی شاعری پر خامہ فرسائی کرنے سے پیشتر ان کے حالات زندگی کا احاطہ ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر ان کی شاعری تشنۂ تکمیل رہ جائیگی۔ اس لئے پہلے میں ان کی حیات جاوداں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔

علامہ اقبال کی پیدائش ۱۸۷۳ء سیالکوٹ میں ہوئی۔ آپکے والد کا نام نور محمد تھا جو اعلیٰ کردار کے انسان تھے اور آپ ہی کی حسن تربیت نے اقبال کو اقبال بنایا۔ اقبال کی ابتدائی تعلیم قدیم طرز پر مکتب سے شروع ہوئی۔ اس کے بعد آپ انگریزی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے سیالکوٹ کے مشن اسکول میں داخل ہوئے۔ مدرسہ فوقانیہ کی تعلیم ختم کرنے کے بعد کالج میں داخلہ لئے۔ کالج میں انہیں مولوی میر حسن صاحب جیسا شفیق اور اعلیٰ قابلیت والا استاد ملا۔ جو عربی فارسی کے ماہر تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت نے اقبال کو چار چاند لگا دی۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ علامہ اقبال طالب العلمی کے زمانے میں کسی وجہ سے کلاس میں دیر سے داخل ہوئے تو استاد نے کہا کہ اقبال دیر سے آئے ہو تو آپ نے فوراً جواب دیا "اقبال دیر ہی سے آتا ہے" اس حاضر جوابی پر سب دنگ رہ گئے۔ علامہ اقبال نے فارسی و عربی میں مہارت تامہ حاصل کی یہاں تک کہ فارسی زبان کو شاعری زبان کا ذریعہ بنا لیا۔ آپ استاذ کا بہت ادب و احترام کرتے تھے۔

گورنمنٹ نے جب انہیں سر کا خطاب دینا چاہا تو سر سے انکار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ جب تک میرے استاذ مولوی میر حسن صاحب کو شمس العلماء کا معزز خطاب نہ مل جائے اس وقت تک

میں قبول نہ کروں گا۔ بالآخر آپ کا یہ مطالبہ اور خواہش پوری ہوئی۔ (F.A) کے امتحان سے جوں ہی فراغت پائی تو گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ پروفیسر آرنلڈ جیسی بلند شخصیت ملی اور ان کے فیضِ صحبت سے ذہن و دماغ میں جلا پیدا ہوئی۔ اور M.A کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد ولایت گئے اور بیرسٹری کا امتحان پاس کیا اس کے ساتھ ہی میونک یونیورسٹی جرمنی سے P.H.D کی۔

آکسفورڈ یونیورسٹی لندن میں جب آپ کے استاد ریٹیرڈ ہوئے تو آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کے پیشِ نظر آپ کا انتخاب کیا گیا۔ ہندوستان آنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر کے عہدے پہ فائز ہوئے۔ آپ نے صیغۂ عدالت میں بھی بیرسٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دی۔

۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال نے وفات پائی۔ وفات سے چند دن پیشتر آپ نے یہ شعر کہا۔

سہ نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

آپ کا مزار شہر لاہور میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔
علامہ اقبال کی شاعری کا انحصار تین دور پہ مشتمل ہے۔ پہلا دور ابتدائی شاعری سے ۱۹۰۵ء تک،

اس دور میں آپ کی شاعری قومیت و وطنیت کے جذبات میں ڈوبی ہوئی تھی۔ حضرت داغ کی اصلاح نے زبان کی صفائی و سلاست کی طرف زیادہ متوجہ کیا۔

دوسرا دور ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء قیام یورپ کا ہے۔ اس دور کا کلام نسبتاً تعداد میں کم ہے اور خود شاعری سے دل برداشتہ ہو گئے تھے لیکن بعض دوستوں بزرگوں کی رائے سے دوبارہ شعر گوئی شروع کر دی۔ بقول رام بابو سکسینہ "علامہ اقبال یورپ کی سیاست کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس کے ہولناک اور انسانیت سوز نتائج سے واقف ہوئے۔ جغرافیائی وطنیت کو انسانیت کے لئے سب سے زیادہ تباہ کن پایا اور اسی دور میں آپ کے خیالات نے انقلاب پایا"۔

تیسرا دور ۱۹۰۸ء تا ۱۹۳۸ء اس دور میں بقول رئیس احمد جعفری:۔ "ان کی شاعری یکسر پیامِ اسلام بن کر رہ گئی تھی۔ دنیا کے تمام دکھ درد کا علاج یہ سمجھتے تھے کہ وہ اسلام کے اصولوں پر اور بنائے ہوئے نظام پہ عمل کریں"۔

اقبال کی خصوصیاتِ شاعری

پہلی خصوصیت پان اسلامزم (اخوتِ ملی) دوسری اسلام، قرونِ اولیٰ کی سادگی پہ جو بُرا اثر عجمی تکلف و تصنّع نے ڈالا ہے اس کے بہت شاکی ہیں اور اس کو اسلام کے انحطاط و زوال کا اصلی سبب ٹھہراتے ہیں۔

تیسری خصوصیت ان کا پیغام نہایت سچا و پُرجوش ہے۔ مگر چونکہ بہت سی باتیں مصلحتاً علانیہ طور پہ کہنا نہیں چاہتے تھے، لہٰذا تمثیل و تشبیہ کے پردے میں کہنا پڑتا ہے۔

چوتھی خصوصیت وہ حقیقی شاعر ہیں کیونکہ نہ تو وہ فرمائش سے کہتے ہیں اور نہ کسی کی بے جا اور خوشامدانہ تعریف میں کہتے ہیں۔ پانچویں خصوصیت ان میں اعجاز و اختصار کی صورت ہے یعنی چھوٹے چھوٹے لفظوں میں معنی کے دریا بھرے گئے ہیں، مثل غالب کے ان پہ یہ مقولہ صادق آتا ہے، کہ پہلے الفاظ کی کیمیائی تحلیل کر لو اس کے بعد معنی کا خلاص ہونا ہاتھ آجائے گا۔ (ماخوذ از تاریخ ادب اردو)

اس کے علاوہ منظر کشی و مصوری

کلاسکیت، استعارہ و کنایہ، رفعت تخیل آپکی خصوصیات شاعری ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جو بھی اصلاحی قوم کامیاب ہوئی وہ پہلے ایک طبقہ یا ایک قوم یا گروہ میں شروع ہوئی تھی اور چلتے چلتے کائناتی حیثیت کی مالک بنی خواہ وہ مذہب کی روپ میں وجود میں آئی ہو یا سیاسی لائحہ عمل کے روپ میں۔ اگر کوئی پیغام پہلے ہی کائناتی یا تمام اقوام وملل کے لئے عام صورت میں پیش ہوا اور مقبول بھی ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ نظریاتی حیثیت لے سکیگا۔ عملی صورت کے لئے کبھی کارآمد نہ ہوگا۔ غالباً اقبال پر یہ راز ان کے غائر مطالعہ نے واضح کر دیا تھا، اس لئے وہ اپنی قوم کی طرف بہت جلد لوٹ آئے۔ اپنی قوم کی اصلاح کا خیال اس لئے جھنجوڑنے لگا تھا کہ انہوں نے دورانِ سیاحتِ یورپ وہاں کے اقوام کی ترقی وتہذیب کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جس سے اپنی قوم کی گری ہوئی حالت کا موازنہ کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ جس حساس طبعیت لیڈر نے بھی یورپ کا دورہ کیا اور وہاں کے اقوام کا رنگ دیکھا تو اپنی قوم کی تنزلی پر خون کے آنسو بہائے اور قوم کی ترقی کی کچھ نہ کچھ کوشش کی۔

"اس زمانے میں برطانیہ عظمیٰ تمام سلطنتوں پر حاوی تھی اور اسی چیز نے انہیں سرمایہ داری سے متنفر کر دیا انہوں نے ہندوستان میں انگریزوں کے مظالم دیکھے تھے، سعودی عرب میں انگریزوں کی بازی گری دیکھی اسپین میں اسلامی تہذیب کے مٹتے ہوئے نشان دیکھے ترکوں کی اسلامی سلطنت خلافت عثمانیہ دم توڑتے دیکھا تھا۔" (ادیب)

اس کے بعد آپکی شاعری اسلامی شاعری بن گئی اور انکی شاعری میں لفظی خوبیوں کی جگہ معنوی خوبیاں لے لی۔ انہوں نے اپنی قوم کی ذہنیت کو جھنجوڑتے ہوئے اس کے صحیح مقام کی طرف نشان دہی کی اور دوسرے مذاہب کے شعار و رسوم کو ترک کرتے ہوئے اسلامی احکام پر چلنے کا پیغامِ عمل دیا۔ آپ نے یورپ میں مغربی تہذیب وسیاست کو دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ ان کا دار ومدار تعصب پر ہے اور مغربی تہذیب کا اختیار کرنا گمراہی وتباہی کے سوا کچھ نہیں۔ جیسا کہ جناب یوسف سلیم چشتی نے فرمایا وہ علاوہ بریں اس عرصے میں انہوں نے اسلامی تعلیم واسلامی تاریخ بہت غور کے ساتھ مطالعہ کیا اس لئے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ دنیا کی نجات اسلامی اصولی زندگی کی تبلیغ واشاعت ہی میں مضمر ہے، چنانچہ انہوں نے اپنی شاعری ہی نہیں بلکہ زندگی کو وقف کر دینے کا اعلان کر دیا ؎

میں ظلمتِ شب میں لیکے نکلونگا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس میرا شعلہ بار ہوگا

علامہ اقبال نے جتنی بھی نظمیں لکھیں ان میں یا تو قرآنی تعلیمات کو بیان کیا ہے، یا پھر اس پردے کو اٹھایا ہے، جو مسلمانوں کی آنکھوں پر پڑ گیا تھا۔ ایک مذہبی شاعر کی حیثیت سے آپ کے سرمایۂ شاعری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

بلادِ اسلامیہ، شکوہ، جواب شکوہ، مسلمان اور جدید تعلیم خطاب بجوانانِ اسلام، مسجد قرطبہ، شمع اور شاعر، خضر راہ طلوعِ اسلام وغیرہ ان کی ایسی نظمیں ہیں جن کی مثال اسلامی شاعری میں شاذ ونادر ہی ملینگی۔ اقبال کا مرکزی خیال اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا اور اپنی زندگی کو اس کے جھول پر سوار تھا۔ آپ نے اپنی شاعری کے ذریعہ قوم کے سامنے اسلاف کی عظمت وہیبت وشان وشوکت کا نقشہ کھینچ کر پیغامِ عمل دیا۔

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

اور اس کا دوسرا پہلو بھی ملاحظہ ہو:-

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے
نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبہ کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

ہمارے لئے تنزلی کے وہ کون سے نشیب و فراز راستے تھے جس کی وجہ سے آج قوم پر نکبت آگئی اس کا واحد علاج یہ کہ اطاعتِ خدا و رسول سے کنارہ کشی کی اور قالو بلیٰ کے عہد کو فراموش کرتے ہوئے خدا کا نائب خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ اشرف المخلوقات کے معزز خطاب الٰہی کو سرے سے بھلا دیا اسلامی تعلیمات کو ترک کر کے مغربی تہذیب کے گرویدہ ہو گئے۔ اسی مفہوم کو علامہ اقبال شاعر اسلام نے نہایت سوز و گداز سے بیان کیا ہے۔

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائے یہود

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
یہ کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

ان کا لب و لہجہ ان کی شاعری کی ایک کرامت وہ ایک ایسے شخص کی آواز ہے جو دلوں پر حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوا تھا، وہ ایک ایسے عظیم المرتبت انسان کی صدا ہے جو قوموں کے باطن میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے۔ آپ کے شاعرانہ کلام کی سب سے نمایاں اور نادر خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے اپنے انمول اشعار میں تعلیمات اسلامی کو کوٹ کوٹ کر بھر دیا جس کے اعلیٰ اور گہرے نقوش ہیں بال جبریل، ضرب کلیم، بانگ درا کے علاوہ ان کی دوسری منظومات میں ملتی ہیں نمونتاً چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:-

بندۂ مومن کا دل بیم و ریا سے پاک ہے
قوت فرماں روا کے سامنے بے باک ہے
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی
بتانِ رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی

ولایت پادشاہی علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں

نوجوانوں کے لئے ان کے یہاں ایک درسِ عمل کا ایک پیغام ملتا ہے۔ ماضی کی یاد، مستقبل کا تصور ہے۔ زندگی کا احساس اور عمل کا جوش ہے۔ اقبال خیالات کو بلند، ہمتوں کو مضبوط، نظر کو وسیع کرتا ہے۔ اس کی شاعری چیزے دگر بھی اور جزوے ست از پیغمبری بھی۔ وہ گریۂ ابر بہار اور خندۂ تیغ رحیل سے کام لیتا ہے۔ (ماخوذ از تنقیدی اشارے)

علامہ اقبال نوجوانوں کے اندر عقابی روح پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ ؎

گذر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ و بیاباں میں
کہ شاہیں کے لئے ذلت ہے کار آشیاں بندی

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پہ
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پہ
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

جب اقبال دیکھتے ہیں کہ دنیائے مسلم سے کوئی مرد مومن پیدا نہیں اٹھا تو کف افسوس ملتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ پیغام عمل بھی دیتے ہیں:۔

؎ نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایراں وہی تبریز ہے ساقی

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اور وہ مغربی تہذیب کے سخت مخالف ہیں:۔

؎ تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنیگا ناپائیدار ہوگا

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراج مسلمانی

علامہ اقبال اپنی قوم میں خودداریت پہ زور دیتے ہوئے قوم کے افراد کے دلوں سے پست ہمتی کو دور کرنا چاہتے ہیں۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا

غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پر فشاں ہو جا

خودی میں ڈوب جا غافل یہ سر زندگانی ہے
نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہو جا

مصاف زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر
شبستان محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا

حاصل کلام شاعر کا مقصد یہ تھا کہ قوم اسلام کے بنائے ہوئے قوانین و ضوابط پہ عمل پیرا ہوں۔ اگر کوئی شخص مولانا حالی کی مدوجزر اسلام پڑھ لے تو وہ صرف قوم کے عروج و زوال پہ آنسو بہائے گا اور بس۔ اس کے برعکس اقبال کا کلام پڑھیگا تو اپنی نئی زندگی اور توانائی کو محسوس کرے گا۔ اور اس میں اپنی کھوئی ہوئی عظمت و شوکت حاصل کرنے کی دل میں ایک امنگ پیدا ہو گی۔ ؎

کھل جائے شکیل اس پہ اسرار خداوندی
اقبال کے شعروں کو انسان اگر سمجھے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ
رب العلمین

سائنٹفک اور مشینی ذبیحہ

از جناب مولانا مولوی پیر شاہ محمد صاحب نائب [illegible] گورنمنٹ قاضی مدراس

برادرانِ اسلام اس حقیقت سے واقف ہیں کہ کچھ عرصہ سے ہمارے ملک ہندوستان کے بعض مقامات کے مذبح (سلاٹر ہوز) میں سائنٹفک اور مشینی طریقہ پر جانوروں کے ذبیحہ کی تجویز پیش کی جا رہی ہے۔ چنانچہ بمبئی کے مذبح میں بکروں کو ذبح کرنے کی یہ تجویز ہے کہ بکروں کو ساٹھ والٹ کا الکٹرک شاک دیا جائے گا جس سے جانور پر عارضی غشی طاری ہوجائے گی۔ اس کے بعد اس کو مسلمان ذبح کرے گا۔ بڑے جانوروں کو ذبح سے پہلے ان کے حرام مغز پر شدید ضرب لگائی جائے گی جس سے وہ بیہوش ہوجائے گا اس کے بعد اس کو ذبح کیا جائے گا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بیہوشی اس لئے طاری کیجاتی ہے، کہ ذبح کے وقت جانور کو تکلیف کم ہو اور اس بیہوشی کی وجہ سے دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی ہے اور اس بے ہوشی کی وجہ سے دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی ہے۔ لہٰذا خون زیادہ بہیگا۔ اور اس طرح گوشت زیادہ عرصہ تک اچھی حالت میں رہیگا۔ مذکورہ تجویز کی مقامی علماءِ دین اور دیگر مسلمانوں نے مخالفت کی ہے۔

مدراس کے مذبح میں بکروں کو ذبح کرنے کی ایک نئی تجویز یہ تھی کہ ایک جدید قسم کے پستول سے جانور کو بے ہوش کرکے پھر ذبح کیا جائے گا۔ جب جانور کی پیشانی پر یہ پستول چلایا جاتا ہے تو بے ہوش کرنے والی دوا میں بجھا ہوا چھرا ڈھائی انچ اندر چلا جاتا ہے اور جانور فوراً بے ہوش ہو جاتا ہے اور اس کو فوراً ذبح کر دیا جائے تو اس کا پورا حرام خون باہر نکل جاتا ہے۔ جانوروں کو جان لیوا تکلیف سے بچانے کی خاطر اس طریقۂ کار کی مستند ڈاکٹروں نے سفارش کی لیکن اس جدید قسم کے ذبح کے خلاف یہاں کے علمائے کرام کے فتاوے شائع کئے گئے۔ انہوں نے بتلایا کہ جانوروں کو بیہوش کرکے ذبح کرنا خلافِ سنت اور غیر اسلامی طریقہ ہے، اور فرمایا کہ ایسے جانور کا گوشت کھانا بھی ناجائز ہے۔ اور یہ بھی بتلایا کہ جانوروں کو بے ہوش کرکے ذبح کرنے کی مذکورہ تجویز دینی امور میں بے جا مداخلت ہے اور یہ بھی واضح فرمایا کہ ذبح کرنے سے پہلے اور ذبح کے بعد جانور ٹھنڈا ہونے تک اس کو کسی قسم کی اذیت پہنچانا مکروہ ہے۔ دوسرا یہ کہ ذبح کرتے وقت جانور میں حیاتِ مستقرہ کا ہونا شرط ہے۔ بغیر اس کے ذبح بالکل درست نہیں۔ مذکورہ بالا طریقہ میں دونوں چیزیں مشتبہ ہیں۔ بہر حال

علمائے کرام کے فتوے اور رہبران قوم اور دیگر مسلمانوں کی درخواست پر یہاں کی میونسپلٹی نے مذکور تجویز کو منسوخ کر دیا ہے۔

میں نے چند دن قبل ڈاکٹر الحاج محمد حمید اللہ صاحب یم اے یل یل بی۔ پی۔ ایچ ڈی سابق پروفیسر جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن حال مقیم پیرس (فرانس) سے جن کی علوم اسلامیہ پر مختلف زبانوں میں تصانیف وغیرہ میں بین الاقوامی حیثیت ہے مذکورۂ بالا طریقہ سے ذبح کے بارے میں اسلامی احکام وغیرہ دریافت کئے تو ڈاکٹر صاحب موصوف نے فوراً اس کا جواب تحریر فرما کر روانہ کیا ہے وہ درج ذیل ہے :-

"قرآن مجید میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین ہی مہینے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر جب الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا کا مژدہ (سورۂ مائدہ) میں نازل ہوا تو سیاق وسباق میں ذبیحے ہی کے احکام ہیں کہ کونسا گوشت کھا سکتے ہیں اور کونسا نہیں۔ دوسرے الفاظ میں دین میں صرف نماز روزہ ہی نہیں، سارے سماجی اور معاشرتی احکام داخل ہیں اور ان کی تکمیل غذائی احکام سے ہوتی ہے"۔

حیوانیاتی غذا کے لئے عہد نبوی صلعم میں جو طریقہ رائج تھا اس میں کوئی تبدیلی مسلمان کر نہیں سکتا۔ یہ فضول بکواس ہے کہ جانور کو تکلیف سے بچانا مطلب ہے۔ چھرے میں جو مدہوش کن دوائیں مل جاتی ہیں وہ کس حد تک جائز چیزیں ہیں معلوم نہیں۔ آج نہیں تو کل شاید ان دواؤں میں ناپاک چربیاں وغیرہ ملا دی جائینگی اور یہ سارے غیر فطری طریقے ذبیحے کے لئے قطعاً نامناسب ہیں۔ ان سے گوشت غیر فطری بن جاتا ہے مصنوعی کیمیائی غذاؤں میں مرغوب کو فربہ کیا جاتا رہا ہے، اس مغربی حرکت سے اب مغرب ہی چلا اٹھا ہے کہ وہ انسانی صحت کے لئے مضر ہے۔

مشہور فقیہہ اور صوفی مرحوم مولانا سید مناظر احسن گیلانی پروفیسر صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن فرمایا کرتے تھے کہ جانور کو بھی زندہ رہنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا انسان کو اگر ہم اسے کھا سکتے ہیں تو محض اس لئے کہ اللہ نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ اس ربانی اجازت ہی کا نتیجہ ہے کہ جب ذبح کے وقت جانور کو سنایا جاتا ہے کہ اللہ کے نام پر اسے ذبح کیا جا رہا ہے تو اسے مطلق تکلیف نہیں ہوتی وہ اس حدیث کا بھی ذکر فرماتے تھے کہ قربانی کے جانور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹوٹ سی پڑتے تھے اور ہر ایک چاہتا تھا کہ اسے پہلے ذبح کیا جائے اور خوشی خوشی اللہ کے نام پر قربان ہونا چاہتا تھا۔

غرض اس ناچیز کی رائے میں ہر وہ مصنوعی طریقہ جو جانور کے اعصاب کو ذبح سے پہلے متاثر کرتا ہے چاہے تکلیف سے بچانے کے مفروضے پر ہو یا کسی اور غرض سے، مسلمان کے لئے قطعاً موزوں نہیں۔ یہ فطرت سے جنگ کرنی ہے"۔

الغرض ڈاکٹر صاحب موصوف کے محققانہ بیان اور علمائے دین کے فتاوے کی روشنی میں مذکور سائنٹفک اور مشینی ذبیحہ مسلمانوں کے لئے ہرگز جائز نہیں۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جانوروں کے ذبح کا جو طریقہ رائج ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کیجا سکتی ہے۔ واللہ الموفق

المرقوم ۱۵ جمادی الاول ۱۳۹۰ھ م ۹ جولائی سنہ ۱۹۷۰ء

العبد شاہد محمد نائب محکمۂ شرعیہ گورنمنٹ شرقاضی مدراس

فلسفۂ شاعری

از
سید مصطفیٰ قادری عرف خسرو پاشاہ
انامسوری، لطیفی
زمرۂ مولوی عالم دار العلوم لطیفیہ ویلور

خالقِ کائنات نے انسان کو چند متضاد اعضا اور قوتوں سے سرفراز فرمایا ہے جن میں ہر ایک کے فرائض جداگانہ ہیں۔ ان میں دو قوتیں ایسی ہیں جو تمام افعالِ انسانی کا نچوڑ ہیں۔ پہلا ادراک، دوسرا احساس۔

اول الذکر کے فرائض اشیاء کا معلوم کرنا اور استدلال و استنباط سے کام لینا اور ہر قسم کے ایجادات و تحقیقات غرض تمام علوم و فنون اسی کے نتائجِ عملی ہیں۔ اب رہا احساس اس کا کام کسی چیز کا ادراک کرنا یا کسی مسئلہ کا حل کرنا، اور کسی بات پر غور و فکر کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا کام یہی ہے کہ جب کوئی موثر واقعہ پیش آتا ہے تو وہ متاثر ہو جاتا ہے، حالتِ غم میں اسکو صدمہ پہنچتا ہے۔ خوشی میں مسرور ہوتا ہے اور حیرت انگیز باتوں پہ متعجب ہو جاتا ہے۔ جب یہی جذبات و احساسات الفاظ کی شکل اختیار کر جاتے ہیں تو شعر بن جاتا ہے۔

یہ فطری بات ہے کہ ہر متنفس چیز میں یہ خاصیت ہوتی ہے کہ جب کسی قسم کے جذبات اس پہ طاری ہوتے ہیں تو مختلف اقسام کی آوازوں سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں، مثلاً شیر اپنی بھوک کا اظہار گرجدار آوازوں سے کرتا ہے اور طاؤس رقص کرتے ہیں۔ کوئل کوکتی ہے، سانپ لہراتے ہیں۔ اسی طرح انسان بھی اپنے جذبات کی ترجمانی حرکات و سکنات سے ادا کرتا ہے۔ مگر حکیم علی الاطلاق نے اسکو ایک گراں بہا نعمت سے سرفراز فرمایا ہے اور وہ ہے قوتِ گویائی۔ جب کوئی جذبہ انسان کے دل پہ طاری ہوتا ہے تو اسکی زبان سے بے ساختہ موزوں الفاظ نکل پڑتے ہیں جن کو ذرا سی ترتیب دینے پر ان سے شعریت جھلک پڑتی ہے۔

منطقی پیرائے میں شعراء کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ جو جذبات الفاظ کے ذریعہ ادا ہوں وہی شعر ہے کیونکہ وہ الفاظ سامع کے قلب پہ وہی اثر کرتے ہیں جو قائل کے دل پہ اثر کر چکے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کلام جذباتِ انسانی کو مشتعل و متحرک کرے وہی شعر ہے۔ یوں تو دل پہ اثر انداز ہونے والی چیزیں بہت سی ہیں۔ نیلگوں آسمان، انجم درفشاں۔ بادِ نسیم، تبسمِ گل۔ ویرانیِ صحرا۔ سرسبز و شادابیِ چمن، سپیدیِ صبح۔ نالۂ بلبل۔ موسیقی مصوری، الغرض تمام عالم شعر ہے۔

ایک مقام پہ شکسپیئر رقمطراز ہے کہ موسیقی محبت کی غذا ہے اور وہ محبت کو بڑھاتی ہے اور اس سے طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ لیکن موسیقی کے لئے قوتِ سامع کا ہونا شرط ہے۔ اگر قوتِ سامعہ نہ ہو تو وہ کسی کام کے لائق نہیں۔ اسی طرح تصویر سے متاثر ہونے کے لئے بینائی کا ہونا ضروری ہے، مگر شاعری کی اثر اندازی ان تمام

قیود سے بَری ہے کیونکہ وہ بیک وقت تمام حواس پر اثر انداز ہوتی
ہے۔ فرض کیجیے کہ شراب آنکھوں کے سامنے نہیں ہے، جس کی
وجہ آنکھ اس سے حظ نہیں اٹھا سکتی۔ لیکن جب کوئی شاعر اسکو
آتش سیّال سے تعبیر کرتا ہے تو ان الفاظ سے آنکھوں کے
سامنے شراب کا تصور آجاتا ہے۔

اس قدر تو آپ جانتے ہوں گے کہ شاعری کا نمایاں وصف
جذباتِ انسانی کا برانگیختہ کرنا ہے یعنے اس کو سن کر دل میں رنج
یا خوشی، جوش و ہمت کے ولولہ انگیز کیفیات جنم لیتے ہیں یہی
خصوصیت شاعری کو سائنس اور دیگر علوم و فنون سے ممتاز
کر دیتی ہے۔ کیونکہ شاعری کا خطاب جذبات سے ہوتا ہے اور
سائنس و دیگر علوم کا عقل سے۔ سائنس استدلال سے کام لیتی
ہے اور شاعری محرکات سے۔

سائنس عقل کے سامنے کوئی علمی مسئلہ پیش کرتی ہے لیکن
شاعری احساسات و جذبات کو دلکش مناظر دکھاتی ہے۔ کیونکہ انسانی
معاشرہ کی بنیاد فلسفہ اور سائنس سے نہیں بلکہ جذبات سے چل رہی
ہے بمثال کے طور پر یوں سمجھیئے کہ ایک بوڑھے آدمی کا نوجوان بیٹا
مر گیا اور لاش اس کے سامنے پڑی ہوئی ہے ایسی صورت میں
وہ سائنس سے مشورہ طلب کرے تو کیا جواب ملیگا؟ یہی کہ چند
ایسے اسباب جمع ہو گئے کہ جنکی وجہ سے دوران خون بند ہو گیا یا
اچانک دل کی حرکت رک گئی۔ اسی کا دوسرا نام موت ہے کیونکہ
فطری امر ہے جو ناگزیر وقوع میں آیا اور دوبارہ زندہ ہونا محال
ہے اس لئے رونا دھونا بے سود ہے۔ آپ خود جواب دیکھیئے کہ
تمام دنیا میں کوئی ایک آدمی بھی کاربند ہے؟ کیا خود ماہرین سائنس
اس پر عمل کرتے ہیں اور کیا بچوں کی محبت، ماں کی ممتا، پیدائش
کی مسرت، موت کا غم ان تمام چیزوں کو سائنس کو ذرا بھر کا
تعلق ہے؟

لیکن اگر یہ چیزیں دنیا سے مفقود ہو جائیں تو ایک قسم کا
سناٹا چھا جائے گا اور دنیا قالب بے جان ہو کر رہ جائیگی۔
مذکورہ چیزیں سائنس سے نہیں بلکہ انسانی جذبات سے تعلق
رکھتی ہیں۔ جو عقل کی حکومت سے تقریباً آزاد ہے۔ کسی شاعر
نے شاعری کی تعریف میں کیا خوب کہا ہے:-

شاعری کیا ہے دلی جذبات کا اظہار ہے
دل اگر بیکار ہے تو شاعری بیکار ہے

شاعری ہم کو دائرۂ محسوسات سے نکال کر ایک کشادہ اور
دلفریب عالم میں پہنچا دیتی ہے۔ جب ہم کاروبار سے تھک کر
اور معاملات کی الجھن و مقابلہ کی کشمکش سے دل برداشتہ
ہو جاتے ہیں تو شاعری سراپا سکون و اطمینان بن کر ہمارے
دلوں کو مضبوط و مستحکم بنا دیتی ہے۔ بہرحال شعر ایک قوت ہے
جس سے بڑے بڑے کام لئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ اس کا استعمال
صحیح طور پر کیا جائے۔

آج دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جس میں شعر و شاعری
کا تھوڑا بہت ذخیرہ موجود نہ ہو اور یہ قول بھی محتاج بیان
نہیں ہے کہ ہر ادب عربی ہو یا انگریزی، فارسی ہو یا سنسکرت
اردو ہو یا ہندی بغیر ذخیرہ اشعار کے اپنی تمامیت کا دعویٰ
نہیں کر سکتا۔ اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں شعراء نہ پیدا
ہوئے ہوں۔ چنانچہ علامہ اقبالؒ شاعری کی اہمیت اور شاعر
کی فضیلت کو ان زریں الفاظ میں بیان کیا ہے۔

شاعر اندر ملت سینۂ چوں دل
ملت بے شاعرے انبار گل

یوں تو شعر و شاعری کی تعریف و توصیف میں بہت کچھ

لکھا گیا ہے اور اس کو ہر پہلو سے جانچا گیا ہے۔ ایک حیثیت سے اسکی مذمت بھی کی گئی ہے کیونکہ شاعر ہی کا کہنا ہے کہ دنیا میں شاعری کے سوا کوئی ذلیل سے ذلیل پیشہ ایسا نہیں ہے جس کی معاشرہ کو چنداں ضرورت نہ ہو اور شاید اسی لئے افلاطون نے جب یونان کے لئے جمہوریت کا ایک خیالی آئین مرتب کیا تھا جس میں شاعروں کے سوا ہر پیشہ اور ہر فن کی ضرورت کو ملحوظ رکھا تھا اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ایسی ہیں جو شعر کے خلاف کہی گئیں۔

مگر اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ چرخ نیلگوں کے نیچے ہزاروں بلکہ لاکھوں آدمی ایسے پیدا ہوئے ہیں جن کو قدرت نے اسی کام کے لئے پیدا فرمایا تھا اور ملکہ شاعری بچپن ہی سے ودیعت تھا جس کو بہتوں نے اقتضائے فطرت کے خلاف استعمال کیا۔ محض اسی وجہ سے ایک ایسے عطیہ کو جو قدرت نے عطا فرمایا ہے عبث اور بیکار کہنا صریح ناانصافی ہے یوں اکثر دیکھا جائے تو عقل بھی خدا کی دی ہوئی ایک گراں بہا نعمت ہے لیکن بہت سے نا قدروں نے اس کو مکر و فریب اور شر و فساد میں صرف کیا اور کرتے ہیں۔ یہی طرح شجاعت بھی ایک نعمت عظیمہ ہے، لیکن اس کو بھی بہت سے لوگوں نے راہ زنی، لوٹ مار، قتل و غارت گری میں استعمال کیا۔ کیا ان کے غلط تصرف سے عقل کی شرافت اور شجاعت کی عظمت میں کوئی فرق آسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

ملکۂ شاعری بھی اسی طرح ہے کسی کی بے جا تصرف سے اس کی رفعت و عظمت میں چنداں خلل واقع نہیں ہوتا۔ چونکہ ملکۂ شاعری قدرت کا ایک ایسا گراں بہا عطیہ ہے جس سے اقوام کا عروج و زوال وابستہ ہے۔

یورپ میں پولیٹیکل POLITICAL مشکلات کے وقت قدیم سے قدیم POETRY کو قوم کی ترغیب و تحریص کا زبردست آلہ قرار دیا گیا اور عرب میں اس سے تبر جنگ کا کام لیا گیا۔ ہندوستان میں آزادی کی روح پھونکی گئی، اس کے علاوہ شاعری سے اور بھی بہت سے مفید کام لئے گئے ہیں۔

علم الاخلاق جو ایک خاص فن کی حیثیت رکھتا ہے اور جسکو فلسفہ کا جزو اعظم کہا جاتا ہے کوئی زبان ایسی نہیں ہے جس میں اس فن پر کتابیں نہ لکھی گئی ہوں لیکن اخلاقی تعلیم کے لئے ایک شعر ایک ضخیم کتاب کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ اس بنا پر شاعری کے ذریعہ اخلاقی مضامین اور شریفانہ جذبات مثلاً سخاوت، شجاعت، امانت اور حق گوئی وغیرہ کو پیش کیا جائے تو کوئی اور طریقۂ تعلیم اسکی ہمسری نہیں کرسکتا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ شاعر قوم کی آنکھ ہوتا ہے، چنانچہ علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں اسی خیال کو ایسے انداز میں پیش کیا ہے کہ جس سے شاعر اور شاعری کی حقیقت پوری آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہوتی ہے۔

محفل نظم حکومت چہرۂ زیبائے قوم
شاعر رنگیں نوا ہے دیدۂ بینائے قوم

پھر فرماتے ہیں:۔

شاعر دل نواز بھی بات اگر کہے کھری
ہوتی ہے اسکے فیض سے مزرع زندگی ہری

یہ چیز کس وقت ہوسکتی ہے۔ علامہ اقبال نے خود ہی بیان فرما دیا ہے۔

شان خلیل ہوتی ہے اسکے کلام سے عیاں
کرتی ہے اسکی قوم جب اپنا شعار آزری

میں اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ شاعری کا نمایاں وصف جذباتِ انسانی کا برانگیختہ کرنا ہے۔ ہاں اس بات سے بھی اتفاق ہے کہ تقریر بھی شاعری کی طرح جذبات واحساسات کو برانگیختہ کرتی ہے۔ درحقیقت ان دونوں چیزوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مقرر کا مقصد دوران تقریر میں یہ ہوتا ہے کہ حاضرین کا مذاق اوران کی طبیعتوں کا میلان کس جانب ہے اس بات کا خیال رکھنا اس کے لئے ضروری ہوجاتا ہے تاکہ اپنے انداز کو بدل کر ان پر اثر انداز ہوسکے۔ لیکن بے چارہ شاعر کو ان طریقوں سے اوران لوگوں سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ اوراس کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ اس کے پاس کوئی بیٹھا بھی ہے۔ اس کے دل میں جذبات جنم لیتے ہیں اور انہیں جذبات کو اپنی شاعری میں پیش کرتا ہے۔ اس سے آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان اشعار میں تاثیر پیدا ہوگی یا نہیں۔

اسکی مثال یوں سمجھئے! کسی شخص کا کوئی عزیز قیدِ حیات سے آزاد ہو جائے تو وہ شخص اسکی موت پر نوحہ کرتا ہے۔ تو اس وقت اسکی غایت اوروں کا دکھاوا نہیں ہوتی، لیکن جب کوئی اس کو سن لیتا ہے تو غمگین و متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ چنانچہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فرطِ غم میں بے ساختہ حضرت انس رضی اللہ عنہٗ سے سوال کرتی ہیں :۔

یا انس اتابت انفسکم ان تحثوا علی رسول اللہ ترابا" غور کیجئے ان الفاظ کو ادا ہوئے صدیاں بیت گئیں مگر ان میں وہی سوز وگداز ہے جو ان کے صادر ہوتے وقت تھا۔ کہنے کا مقصد یہ کہ جو بات دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہے وہ اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

دیگر اقسامِ سخن کی طرح شاعری کے بھی چند اقسام ہیں، فلسفیانہ، اخلاقی، تخئیلی وغیرہ سب سے مفید کام لئے گئے ہیں، اور لئے جاتے ہیں۔ فلسفیانہ شاعری سے دقیق اور پُر پیچ خیالات کو بآسانی ذہن نشین کیا جاسکتا ہے جیسا کہ مرزا غالب مرحوم نے اپنے اس شعر میں خالق کائنات کا اظہار کیسے انوکھے انداز میں کیا ہے ؎

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

عشقیہ شاعری سے زندہ دلی اور روح کو تازگی حاصل ہوتی ہے اور تخئیل سے طبیعت کو احتظاظ اور خوشی میسر ہوتی ہے اور یہی تخئیل شاعری کا عنصر ہے۔ حقیقت یہ کہ شاعری تخئیل ہی کا نام ہے اور محاکات میں جو جان ہوتی ہے وہ تخئیل ہی کا نتیجہ ہے ورنہ صرف محاکات نقالی سے زیادہ نہیں رہتے۔ اس کا کام تو یہی ہے کہ جو کچھ دیکھے اور سنے اسکو الفاظ میں پیش کردے۔ لیکن ان چیزوں کو ترتیب دینا اوران میں توافق پیدا کرنا اور آب ورنگ چڑھانا تخئیل کا کام ہے، جو مختلف حالتوں میں عمل کرتی ہے اور عالم تخئیل شاعر کے زیر اثر ہوتا ہے اور وہ سب پر حکومت کرتا ہے اوران سے کام بھی لیتا ہے۔ جب اسکو ممدوح کے تاج کی خاطر موتیوں کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ فطرت کے کارندوں کے نام احکامات صادر کرتا ہے۔

علم برکش اے آفتاب
خراماں شو اے ابرِ شکیں پرند

⁂

بیارائے ہوا قطرہ ناب را
بگیر اے صدف دُر کن آں آب را

⁂

برائے دُرّ از حقر دریائے خویش
بہ تاجِ سرِ شاہ کن جائے خویش

اور وہ کبھی کائنات کی ہر شئی سے تکلم کرتا ہے چنانچہ مٹی سے اس طرح خطاب کرتا ہے :-

گلے خوشبوئے در حمّام روزے
رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دل آویزِ تو مستم
بگفتا من گِل ناچیز بودم
ولیکن مدّتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اور کبھی خدا سے شرفِ تکلم حاصل کرتا ہے اور اپنا احوالِ زار سُناکر اور شکوہ کرنے لگتا ہے :-

اے خدا شکوۂ اربابِ وفا بھی سُن لے
خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سُن لے
تھی تو موجود ازل سے ہی تیری ذاتِ قدیم
پھول تھا زیبِ چمن پر نہ پریشاں تھی شمیم
ہم کو جمعیّتِ خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ امت ترے محبوب کی دیوانی تھی
ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر
کہیں مسجود تھے پتھر، کہیں معبود شجر
تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا
قوتِ بازوئے مسلم نے کیا کام ترا

رحمتیں ہیں تیری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر
ہم تو جلتے ہیں کہ دُنیا میں تیرا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے
اب وہ الطاف نہیں ہم پہ عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں

آئیے اب یہ دیکھیں کہ اسلام کس قسم کی شاعری کو پسند کرتا ہے اور وہ کونسی شاعری ہے جسکی اس نے مذمت کی ہے۔ اللہ تعالے کا ارشاد ہے والشعراء یتبعھم الغاوون الم تر انھم فی کل واد یھیمون وانھم یقولون مالا یفعلون یعنی شعراء وہی لوگ ہیں جو گمراہی کی اتباع کرتے ہیں۔ الم تر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا جا رہا ہے کہ اے حبیب صلعم کہ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ لوگ ہمیشہ وادیِ خیال میں سرگرداں پریشاں حال رہتے ہیں اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پہ کاربند نہیں ہوتے۔

کلام پاک کا یہ اندازِ بیان زمانۂ جاہلیت کے غلط رسوخ شعراء کے مقابلہ میں تھا جن کے کلام کو لوگ الہام ربانی اور ان کو لسان الغیب یا پیدائشی ولی وتلامذۃ الرحمٰن تصور کرتے تھے یہاں تک کہ ان کے لغو باتوں پہ بھی ایمان لے آتے تھے۔ چونکہ قرآن کریم ان تمام برائیوں سے بندوں کو پاک اور بے لوث کرنے کی غرض سے آیا تھا تو کیسے ان باتوں کو پسند کرتا۔

جہاں اس نے اس قسم کی شاعری اور شعراء کی مذمت کی ہے، وہاں شاعری کی اچھائیوں اور خوبیوں کو بھی اُجاگر کیا ہے، جیسا کہ قرآن خود ناطق ہے :-

الا الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت وذکروا اللہ کثیرًا وانتصروا بعد ظلموا۔

مگر وہ لوگ جو ایمان سے مشرف ہوئے اور عمل صالح کو اپنایا،
اللہ کو بہت یاد کیا اور بدلہ لیا ان پر ظلم ہونے کے بعد بذریعہ
اشعار کے۔ کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کفار مکہ ہجو یہ
اشعار کہتے تو آپ حضرت حسان بن ثابت کو اشعار کے ذریعہ ان
کا جواب دینے کے لئے فرماتے۔

مذکورہ آیت کی شان میں یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے
کہ جب آیت والشعراء الخ نازل ہوئی تو حضرت حسان بن ثابت
وکعب بن مالک وغیرہم گریاں ولرزاں آنحضور کی خدمت اقدس
میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے اللہ جل شانہ نے اپنے کلام میں شعراء
کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ دریں حالے کہ ہم بھی فکر شعر کرتے ہیں۔

یہاں سے قرآن نے ایسے شعراء کو مستثنیٰ قرار دیا ہے
جن کے اشعار سے دنیا طلبی، خدا بیزاری اور دہریت کے بجائے
حب اللہ اور حب رسول اور عمل صالح کا اظہار ہو۔ اور ایسے
شعراء کو تلامذ الرحمٰن کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ اسی مضمون کی
وضاحت مولانا روم کے اس شعر سے بخوبی ہوتی ہے۔

آں خیالاتے کہ دام اولیاء است
عکس مہرویان بستان خدا است

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس قبیل کے اشعار کی
مذمت نہ کی بلکہ اس کو حکمت سے تعبیر کیا۔ ان من البیان
لسحرا وان من الشعر لحکمۃ یعنی فصاحت
وبلاغت میں جادو کی سی تاثیر ہے اور شعر میں دعوت فکر ہے
اور ایک مقام پہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:—

الشعر کلام فمنہ حسن ومنہ قبیح
یعنی شعر ایک ایسا کلام ہے کہ اس میں اچھائیاں بھی
ہیں اور برائیاں بھی۔

غور طلب مقام یہ ہے کہ آپ نے شاعری کو
بذات خود بری نہیں ٹھہرایا اور یہ چیز شعراء کے اختیار
میں ہے، وہ چاہیں اس کو خوبیوں سے مرصع کریں، یا
برائیوں سے۔

الغرض اسلامی نکتہ نظر سے شاعری کوئی بری اور
قبیح چیز نہیں ہے اور وہی شاعری لائق تحسین وقابل
صد ستائش ہے جو قوم و ملک کو پیغام عمل دیتے
ہوئے اس کے جسم میں زندگی کی نئی روح پھونک
دے۔

قرآن، حدیث اور عقلی دلائل سے یہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے کہ "روزہ" میں اصلاح نفس کی قوت کاملہ بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اس موضوع پر بہت سے اہل قلم حضرات نے خامہ فرسائی کی ہے، لہذا ناچیز نے بھی مندرجۂ ذیل مضمون میں یہی ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ روزہ تزکیۂ نفس کا بہترین ذریعہ ہے۔ فقط شاکر مدنی۔

مذہب اسلام نے جن احکامات کو بنی نوع انسان کے لئے رائج کیا ہے ان کا ایک پہلو اگر دنیوی زندگی سنوارتا ہے، تو دوسرا پہلو اخروی زندگی کے لئے اکسیر ہوتا ہے جن کو اپنا کر انسان آخرت کے ساتھ دنیوی زندگی کو بھی رشک ارم بنا سکتا ہے۔

اسلام کے بنیادی ارکان کلمہ توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ حج ہیں جنہیں بجالانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس لئے انہیں ارکان میں روزے کے فلسفہ پر لوک قلم کو جنبش دے رہا ہوں۔

زبان عربی میں روزے کو صوم کہتے ہیں جس کے لغوی معنی کسی چیز سے رُک جانا ہے، لیکن اصطلاح شریعت میں صوم طلوع فجر سے غروب شمس تک مفطرات سے رُکنے کا نام ہے۔

انسان چونکہ روزے میں تمام خواہشات نفسانی اور خورد و نوش سے رُک جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے صوم کا لفظ استعمال کیا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علے الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔	اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

"امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں کہ تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ عہد آدم سے جمیع انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم حالت صوم میں خواہشات نفسانی اور شہوات کو مٹا کر ہمیشہ کے لئے متقی بن جاؤ۔

اسلام دین فطرت ہے اس کا کوئی اصول مقصد سے خالی نہیں ہوتا۔ اسی لئے تزکیۂ نفس و افادیت کے خاطر اسلام نے روزے کو فرض قرار دیا۔

تزکیہ کے لغوی معنی پاک کرنے کے ہیں اور تزکیۂ نفس کا ایک طریقہ روزہ بھی ہے اور امت مسلمہ پر روزہ فرض کرنے کا منشاء یہ نہیں کہ انسان کو بھوک، پیاس اور تکلیف و مشقت میں مبتلا کر دیا جائے بلکہ انسان قوت بہیمی کے غلبہ سے جہاں برائیوں میں مبتلا ہو کر خدا سے روگردانی کر لیتا ہے وہاں اس کی صحیح رہنمائی و اصلاح ہو سکے، یہی اس کا بنیادی نقطۂ نظر ہے اور اسی مقصد کو قرآنی زبان میں لعلکم تتقون سے تعبیر کیا گیا۔ اگرچہ کہ دیگر عبادتیں بھی تقویٰ کے لئے ناگزیر ہیں لیکن روزے ہی کی یہ امتیازی شان ہے کہ جس سے پرہیزگاری

صفت انسان میں پیدا ہو جاتی ہے، اسی لئے ارکانِ اسلام میں روزے کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔

یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ امام جعفر صادقؒ نے امام اعظمؒ سے دریافت فرمایا کہ نماز اور روزے میں افضلیت کس کو حاصل ہے۔ حضرت امام اعظمؒ جلیل القدر امام تھے۔ اگر چاہتے تو فوراً جواب دیتے مگر قدرے تامل کے بعد فرمانے لگے کہ آپ ہی ارشاد فرمائیے۔ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا نماز سے زیادہ افضلیت روزے کو حاصل ہے۔ چونکہ حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب نہیں لیکن روزے کی قضا واجب ہے۔

اور اس حدیث شریف سے بھی روزے کی افضلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ کل عمل بن آدم یضاعف الحسنة عشر امثالها الی سبع مأة ضعف قال الله تعالیٰ الا الصوم فانه لی وانا اجزی به یدع شهوته وطعامه لاجلی۔

یعنی انسان کے ہر عمل خیر کے لئے دس گنا سے سات سو گنا تک اجر و ثواب ملیگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بے شک روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ آخر انسان اپنی خواہشات اور کھانا پینا صرف میرے لئے ترک کرتا ہے۔

روزہ رکھنے سے جسم مادی آلائشوں سے پاک ہوتا ہے اور قلب میں نورانی کیفیت و روح میں بلندپروازی آتی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان کی عقل کو نفس پر پورا پورا تسلط و غلبہ حاصل ہوتا ہے خشیت اور تقویٰ کی صفت انسان میں پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان کو اپنی عاجزی و مسکنت اور خدائے تعالیٰ کے جلال اور قدرت پر نظر پڑتی ہے چشم بصیرت کھلتی ہے، دوراندیشی کا خیال ترقی کرتا ہے کشفِ حقائق الاشیاء ہوتا ہے۔ درندگی و بہیمیت سے دوری ہوتی ہے ملائکہ و الٰہی سے قرب حاصل ہوتا ہے۔ خدا کی شکرگذاری کا موقع ملتا ہے۔ انسانی ہمدردی کا دل میں ابھار پیدا ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

یا معاشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج فانه اغض للبصر و احصن للفرج ومن لم یستطیع فعلیه بالصوم فانه له وجاء یعنی اے نوجوانو! تم میں جو مستطیع ہے وہ نکاح کرلے اس لئے کہ وہ آنکھوں کو نیچے کرتا ہے اور شرمگاہ کو محفوظ رکھتا ہے، اور جو استطاعت نہیں رکھتا اس کو چاہئے کہ روزہ رکھ لے کیونکہ وہ شہوت کو توڑتا ہے۔

حضورؐ کے اس ارشاد سے پتہ چلا کہ روزہ شہوت کو توڑنے کا بہترین آلہ ہے جس سے نفس کو تزکیہ بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

بہرکیف صوم کا مطمح نظر محض گرسنگی و تشنگی نہیں، بلکہ تمام اعضائے جوارح سے صادر ہونے والے جرائم سے بھی احتراز کرنا ہے۔ بطور تمثیل انسان جب روزے کی حالت میں ہو تو ترک خورد و نوش کے ساتھ نماز کی ادائیگی بھی کرے ورنہ وہ روزہ نہیں بلکہ فاقہ ہے اور روزہ پیٹ کا کنٹرول ہی نہیں بلکہ پیر، ہاتھ۔ زبان۔ کان۔ آنکھ وغیرہ کا بھی روزہ رکھنا لازمی ہے۔ زبان کا روزہ جھوٹ اور برے الفاظ کے صدور سے بچنا ہے۔ آنکھ کا روزہ اس سے بری چیزیں نہ دیکھے۔ کان کا روزہ بری اور فحش باتیں سننے سے گریز کرنا ہے۔ ہاتھ کا روزہ یہ کہ ہاتھ سے برا کام نہ کرے۔ پاؤں کا روزہ یہ کہ برے

کام کی جانب قدم نہ بڑھائے اس لئے کہ روزے کی اصلی روح یہی ہے سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے :-

کم من صائم لیس لہ من صیامہ الا الظما
وکم من قائم لیس لہ من قیامہ الا السھر

یعنے کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جن کو روزے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی ایسے ہیں جو راتوں میں تراویح پڑھنے والے ہیں جن کو جاگنے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

روزہ طبی نقطۂ نظر سے

تندرستی انسان کی سب سے بڑی دولت ہے اس لئے انسان ہر ممکن کوشش یہی کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ صحتمند رہے۔ لہٰذا تندرستی کا ایک قدرتی علاج روزہ بھی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب جانور بیمار ہوجاتا ہے تو کھانا پینا وغیرہ چھوڑ دیتا ہے اور وہ دو ایک دن میں بالکل تندرست ہوجاتا ہے۔ یہ خصوصیت نہ صرف جانور کے لئے ہے بلکہ انسان کی بھی یہی خاصیت ہے کہ وہ اگر تندرست رہنا چاہے تو اکل وشرب میں اعتدال سے تجاوز نہ کرجائے۔ بعض کم فہم حضرات کا خیال ہے کہ روزہ کمزور اور قویٰ میں اضمحلال پیدا کر دیتا ہے، یہ سراسر غلط اور کم عقلی کی دلیل ہے۔ اگر روزہ ضعف کا باعث ہوتا تو مسلمان ہرگز جنگ بدر میں ۱۷ رمضان ۲ھ کو کفار سے شمشیر زنی نہ کرتے اور وہاں پہ فتحیاب نہ ہوتے نیز ہمارے اسلاف جو سال میں اکثر ایام روزے کی پابندی کرتے تھے وہ کبھی قوی الجثہ اور طویل العمر نہ ہوتے۔

اطباء اور ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ روزہ جسمانی علالت کا بہترین علاج ہے اور اطبائے قدیم وجدید کی رائے ہے کہ روزے میں کسی قسم کی کمزوری کا امکان نہیں بلکہ بعض اوقات حیرت ہوتی ہے کہ جسم کی طاقت اور بڑھ جاتی ہے کیونکہ ہر جسم میں غذا کا ایک ریزرو اسٹور (فاضل خزانہ) ہوتا ہے جب غذا نہ ملے تو بدن اسی سے طاقت حاصل کرتا ہے اور جسم میں جو زہریلا مواد خون کے دوران میں رکاوٹ ڈالتا ہے، وہ خارج ہوجاتا ہے۔ اس لئے طاقت دگنی ہوجاتی ہے۔ روزہ نہ صرف مرض کو دفع کرتا ہے بلکہ بدن انسانی کو قوی تر بنا دیتا ہے۔

روزے کی حکمت

خدائے تعالیٰ کے جمیع اوصاف میں بے نیازی کی بھی ایک عظیم صفت ہے، اور صائم بھی تمام اشیاء سے بے نیاز ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے گویا وہ بے نیازی کا لباس زیب تن کرلیتا ہے جو خالق کی صفت ہے۔ نیز اس روزے سے ایک خاص فائدہ یہ بھی ہے کہ روزے میں انسان بھوک اور پیاس کو صبح سے شام تک برداشت کرتا ہے۔ چاہے موسم گرما ہی کیوں نہ ہو۔ خصوصاً رمضان شریف میں ایک ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے جس سے انسان میں فاقہ کشی سے مقابلہ کرنے کی طاقت پیدا ہوجاتی ہے اور انسان روزے کی تکلیف سہنے کے بعد خود بخود غرباء ومساکین کی فاقہ کشیوں کا بآسانی اندازہ لگا لیتا ہے اور من مانی تصرفات سے باز آجاتا ہے اور خود غرضی اس سے کوسوں دور بھاگ جاتی ہے۔ یہی وہ اوصاف ہیں جنکی بنا پر حق تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی زبان اطہر سے یہ کلمات ادا فرمایا الصوم لی وانا اجزی بہ غرض روزے میں قدر رب العزۃ کی کئی حکمتیں مضمر ہیں۔ ہر کس وناکس کی رسائی وہاں تک محال ہے۔ جب انسان رمضان شریف میں مسلسل ایک ماہ تک جملہ قوانین وضوابط کے ساتھ روزہ رکھیگا تو اس میں روزے کے ساتھ ساتھ اذکار واوراد کا بھی شوق پیدا ہوگا تو ظاہر بات ہے کہ انسان میں خود بخود تقوے وپرہیزگاری آجائیگی۔ حاصل کلام روزے کے نکات جاننے کے بعد یہ حکمت عیاں ہوگئی کہ روزہ شہوات نفسانی اور گناہوں کا عمدہ معالج ہے جس کی بدولت عفت وتقویٰ اور تزکیۂ نفس حاصل ہوتا ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

وداعِ روزِ روشن ہے گجر شامِ غریباں کا
چراگاہوں سے پلٹے قافلے وہ بے زبانوں کے
قدم گھر کی طرف کس شوق سے اٹھتا ہے دہقاں کا
اندھیرا چھا گیا، دنیا نظر سے چھپتی جاتی ہے
مگس لیکن کسی جا، بھیرویں بے وقت گاتی ہے
کبھی اک گنبدِ کہنہ پہ، بُومِ خانماں ویراں
کہ دنیا سے الگ اک گوشۂ عزلت میں ہوں پنہاں
قطار اک سامنے ہے، مولسریوں کے درختوں کی
ہر اک نے مر کے بس، دو گز کفن، گز بھر زمیں پائی
نفس بادِ سحر کا، نالۂ پُر درد بلبل کا
رہی بے فائدہ مستوں کی "ہُو حق" شورِ "قلقل" کا
نہ چولھے آگ روشن ہے، نہ اب ان کے گھڑے پانی
نہ بی بی کو سرِ شام انتظار اب ہے، نہ حیرانی
وہی ہیں یہ جنہیں وقتِ درو مہلت نہ تھی دم بھر
وہی ہیں یہ جنہوں نے ہل چلائے گیت گا گا کر
نہ دیکھیں حال ان لوگوں کا ذلت کی نگاہوں سے
یہ ان کا کاسۂ سر کہہ رہا ہے کج کلاہوں سے
نہیں شایانِ فخر و ناز، نوبت اور نقارہ
وہ ساعت آنے والی ہے، نہیں جس سے کوئی چارہ
نظر آتے نہیں کتبے مزاروں پہ، تو کیا غم ہے

یہ ویرانہ ہے، میں ہوں، اور طائرِ آشیانوں کا
جدھر دیکھو اٹھا کر آنکھ، ادھر اک ہُو کا ہے عالم
جرس کی دور سے آواز آتی ہے کبھی پیہم
فلک کو دیکھ کر، شکووں کا دفتر باز کرتا ہے
کوئی پھر کیوں قدم، اس کنجِ تنہائی میں دھرتا ہے
وہاں قبریں ہیں کچھ، مٹی کے جیسے ڈھیر ہوتے ہیں
بسانے والے جو اس گاؤں کے تھے سب وہ سوتے ہیں
ہوئے بیکار سب، ان کو اٹھا سکتا نہیں کوئی
ہیں ایسے نیند کے ماتے، جگا سکتا نہیں کوئی
نہ گھر والوں کو اب کچھ کام ہے فکرِ شبستاں سے
نہ بچے دوڑتے ہیں اب کہ لپٹیں آ کے دامن سے
وہی ہیں ہاتھ چلتے رہتے ہی تھے بیشتر جن کے
بڑے سرکش درختوں کو گراتے تھے تبر جن کے
بھرا ہے جن کے سر میں غرۂ نوابی و خانی
عجب ناداں ہیں یہ، وہ جن کو ہے عجب تاجِ سلطانی
جو نازاں جاہ و ثروت پر ہیں، ان پہ موت ہنستی ہے
کہ فانی ہے جہاں، ہر اوج کا انجام پستی ہے
چراغاں اور صندل اور گل ریحاں نہ ہو تو کیا

نہیں بمنگیرہ اور کمخواب کی چادر تو کیا غم ہے
بتاتے ہو بہو تصویر اگر مدفن یہ رکھنے کو
خدا جانے تھے ان لوگوں میں کیا کیا جوہر قابل
خدا ہی کو خبر ہے کیسے کیسے ہوں گے صاحبِ دل
زمانے نے مگر، کوئی ورق ایسا نہیں اُلٹا
مصیبت نے طبیعت کی روانی کو کیا پسپا
بہت سے گوہرِ شہوار باقی رہ گئے ہوں گے
ہزاروں پھول، دشت و در میں ایسے بھی کھلے ہونگے
یہ صاحب عزم ہیں گو رزم کی نوبت نہیں آئی
وہ فردوسی یہ ہیں جن کی زباں کھلنے نہیں پائی
مقدّر نے انہیں مصروف رکھا قلبہ رانی میں
عجب کیا شہرۂ آفاق ہوتے خوش بیانی میں
رہے محروم یہ نیکی سے، بچے ہر اک برائی سے
نہ ذلت کی طمع میں بے گناہوں کے گلے کاٹے
نہ صحبت میں امیروں کی کبھی خونِ جگر کھایا
نہ مَل کر روغنِ تازہ، آتشِ نخوت کو بھڑکایا
الگ ہر نیک و بد سے، دُور دنیا کے مکائد سے
رہے محفوظ ابنائے زمانے کے مفاسد سے
نہ دیکھ ان استخواں ہائے شکستہ کو حقارت سے
نکلتا ہے یہ مطلب لوحِ تربت کی عبارت سے
لکھے ہیں نام اُن قبروں پہ گو کہ اک حرفوں میں
افادہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا اگر سوچیں
جو آیا ہے جہاں میں یاں سے جانا ہے اسے اِک دن
مگر جاتے ہوئے، پھر کر نہ دیکھے، یہ نہیں ممکن
کوئی زانو کسی کا ڈھونڈتا ہے دم نکلنے کو

جو خوش آہنگ کوئی قاریِ قرآں نہ ہو تو کیا
پلٹ کر اس سے کچھ نکلی ہوئی سانس آ نہیں سکتی
خدا معلوم رکھتے ہوں گے یہ ذہنِ رسا کیسے
خدا معلوم ہوں گے بازوئے زور آزما کیسے
کہ بارِ فکر سے مہلت نہ پاتے سر اٹھانے کی
کہ بار آنے نہ پائی جوہرِ ذاتی دکھانے کو
کہ جن کی خوبیاں سب مٹ گئیں تہ میں سمندر کی
کہ جن کے مسکرانے میں تھی خوشبو مشکِ اذفر کی
حکومت اپنے قریہ میں کی، لیکن دوست دشمن پہ
وہ رُستم ہیں، نہیں سہراب کا خوں جن کی گردن پہ
وگرنہ حکمرانی کا بھی جلوہ یہ دکھا دیتے
اور اپنے کارنامے اہلِ عالم کو سنا دیتے
نہ زورِ مردم آزاری، نہ شورِ فتنہ انگیزی
نہ کی خلقِ خدا کے ساتھ بے رحمی و خوں ریزی
نہ اَونٹایا لہو اپنا کبھی جھوٹی خوشامد سے
کہ جس سے خود پسندوں کا تبختر بڑھ چلے حد سے
گئے بیگانہ وار، اور خلق میں بیگانہ وار آئے
قدم راہِ توکل سے کبھی، ڈگنے نہیں پائے
یہ ہے گورِ غریباں اک نظر حسرت سے کرتا جا
"جو اس رستے گذرتا ہے تو ٹھنڈی سانس بھرتا جا"
مگر بھولے ہوئے کو ٹھیک یہ رستہ بتاتے ہیں
کہ جو مرنے سے ناواقف ہیں، رستہ سیکھ جاتے ہیں
یہ ہونا ہے، کوئی چاہے گا دل سے یا نہ چاہے گا
دلوں سے یاد بھی مٹ جائے یہ حاشا نہ چاہے گا
کہ دیکھے اشک گرتے چاہنے والے کے دامن میں

کسی کی یہ خواہش دوست کاندھا دیں جنازے کو　　پھر اس پہ فاتحہ کی آرزو ہے کنج مدفن میں
حقیقت غور سے دیکھی جو ان سب مرنے والوں کی　　تو ایسا ہی نظر آنے لگا انجام کار اپنا
انہیں کی طرح جیسے مل گئے ہیں خاک میں ہم بھی　　یوں ہی پرساں حال ان کا کہ ہے اک دوستدار اپنا
یہ اس سے ایک دہقان کہن سال آکے کہتا ہے　　کہ "ہاں ہاں خوب، ہم واقف ہیں دیکھا ہے اُسے اکثر"
پھر اس کے بعد دل ہی دل میں کچھ غم کھا کے کہتا ہے　　کہ اب تک پھرتا ہے آنکھوں میں پھرنا اس کا سبزے پہ
وہ اس کا نور کے تڑکے ادھر گلگشت کو آنا　　کہ پو پھٹنے سے پہلے آکے پھرنا سبزہ زاروں میں
وہ کچھ کم دن رہے، اس کا لب جو کی طرف جانا　　وہ اس کا مسکرانا دیکھ کر شور آبشاروں میں
کبھی ایسی ہنسی لب پر کہ ظاہر جس سے کچھ نفرت　　اور اس کے ساتھ ہی کچھ زیر لب کہتے ہوئے جانا
کبھی تیوری چڑھائے، منہ بنائے رنج کی صورت　　کہ جیسے دل پہ صدمہ ہے زباں جس سے ہے بیگانہ
غرض کیا کیا کہوں، اک روز کا یہ ذکر ہے صاحب　　کہ اس میداں میں پھرتے صبحدم اس کو نہیں دیکھا
ہوا پھر دوسرا دن اور نظر سے وہ رہا غائب　　خیاباں میں اُسے پایا، نہ دریا پہ کہیں دیکھا
پھر اس کے تیسرے دن دیکھتا کیا ہوں جنازے کو　　لئے آتے ہیں سب، پڑھتے ہوئے کلمہ شہادت کا
تمہیں پڑھنا تو آتا ہوگا، آؤ پاس سے دیکھو　　یہ اس کی خبر ہے اور یہ ہے کتبہ سنگ تربت کا

کتبہ

اب آغوش لحد میں سو رہا ہے، چین سے کیسا　　گیا افسوس لیکن یہ جواں ناکام دنیا سے
دکھایا جاہ و شہرت نے نہ بھولے سے بھی منہ اپنا　　پھر ایسے نامرادوں کو بھلا کیا کام دنیا سے
ہر اک کے درد دکھ سے اس کو رہتا تھا صدا مطلب　　ہوا ممکن تو یاری کی، نہیں تو اشکباری کی
دیا دست تہی کے ساتھ طینت میں کرم یارب　　میں تیری شان کے قرباں، کیا اچھی تلافی کی
خدا بخشے اُسے، بس دوست کا رہتا تھا وہ جویا　　تو نکلا دوست اک آخر خداوند کریم اس کا

اب اس کے نیک و بد کا ذکر کرنا ہی نہیں اچھا
کہ روشن ہے خدا پر عالم امید و بیم اس کا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جنوبی ہند کے بعض تاریخی مقامات

از
حافظ ایس پی عبدالماجد
عاقل سرا
متعلم زمرۂ سادسہ دار العلوم
لطیفیہ مکان حضرت
قطب ویلور

نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو جنوبی ہند کا ہر شہر تاریخی حیثیت رکھتا ہے مگر یہاں اتنی وسعت کہاں کہ ہر ایک پر سیر حاصل بحث کی جا سکے۔ لہٰذا قابل ذکر اور قابل دید مقامات پر بالاختصار قلمبند کرتے ہوئے بزم اللطیف میں حاضر ہو رہا ہوں۔ عاقل سرا

تاریخ دراصل نوعِ انسانی کا حافظہ ہے جو کل بنی نوعِ انسان کے پچھلے کردار و تجربات کو محفوظ رکھتے ہوئے انسان کے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ اگلے تجربات کی روشنی میں حال کا جائزہ لے سکے۔ سچ پوچھیے تو قوموں کے عروج و زوال کا دار و مدار تاریخ ہی سے وابستہ ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جو قوم اپنے اسلاف کی تاریخ بھلا دیتی ہے، وہ تاریک راہوں میں اس طرح بھٹکنے لگتی ہے، کہ نام و نشان تک باقی نہیں رہتا۔ تاریخ مُردہ دلوں میں ایک نئی روح ڈالتے ہوئے، زندگی کا ولولہ پیدا کرتی اور ہر پڑھنے والے کو اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کی ترغیب دیتی ہے۔ تاریخ ہی ایک ایسا ذریعہ و ہتیار ہے جو قومی روایات کو محفوظ و برقرار رکھتا ہے۔

مؤرخین کی نظر میں تاریخ دکن بھی عروج و زوال کے اعتبار سے ایک خصوصی کیفیت رکھتی ہے۔ دکن کو کبھی قوم آریہ نے اپنا مسکن بنایا تو کبھی دراوڑوں نے، کبھی خاندان چندر گپتا نے حکومت کی تو کبھی خاندان ستباؤں نے اپنے رعب و دبدبے کا وہ سکہ جمایا کہ کسی کو اُف تک کرنے کی مجال نہیں تھی۔ ایک ایسا وقت بھی آیا کہ دکن کی باگ ڈور مسلم حکمرانوں نے اپنے ہاتھوں لی اور اس چمن کی آبیاری اپنے خون سے کی حتیٰ کہ اپنی کوششوں سے دکن کو رشکِ ارم بنا کر ہندوستان کو دلہن بنا دیا۔ یہ سلطنت آٹھ سو سال کے بعد ان کے ہاتھوں سے جاتی رہی۔ مگر آج بھی اس میں کچھ ایسی کشش و جاذبیت ہے کہ ہر مؤرخ اسکی داستانِ زندگی پہ قلم اٹھانا فخر شان تصور کرتا ہے۔

حیدرآباد

حیدرآباد کی بنیاد دراصل بھاگ متی سے نام رکھی گئی تھی۔ یہ شہر ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کا دار الخلافہ ہے اور سطح سمندر سے تقریباً سترہ سو فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اورنگ زیب نے ۱۶۸۷ء میں دکن پہنچ کر قلعہ گولکنڈہ پر قبضہ کیا اور بہت سی اصلاحات کے علاوہ چار مینار، مکہ مسجد جو نامکمل تھی پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ شہر حیدرآباد ایک دلکش و پُرلطف مقام ہے۔ شہر میں داخل ہوتے ہی ایک فصیل ہے جو بے انتہا مضبوط ہے۔ ایک چٹان "نظارہ گاہ ٹیپو" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ زمین سے سترہ گز کی بلندی پر ہے جہاں سے شہر کی مشہور و معروف عمارتیں بآسانی دیکھی جا

سکتی ہیں۔

حیدرآباد میں نواب نظام شاہ کی جاہ و حشمت آج بھی لوگوں کے دلوں پہ حکومت کر رہی ہے خاص کر نظام صاحب کا محل، وزیر اعظم کا محل، پرانا محل، شمس العلماء کا محل، باغ عام وغیرہ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ سالار جنگ میوزیم میں دنیا کی عجیب و نادر چیزیں موجود ہیں جن کو دیکھنے کے لئے دُور دُور سے سیاح آتے رہتے ہیں۔ پارلیمنٹ ہوز اور فلک نما محل بھی اپنی بناوٹ میں لاجواب ہیں۔ فلک نما محل میں اکثر وزراء کا قیام ہوتا ہے۔ حیدرآباد اور سکندرآباد کے درمیان قطب شاہ کا بنایا ہوا حسین ساگر ہے، جہاں شام کے وقت کا منظر اتنا دلکش و حسین ہوتا ہے کہ سینکڑوں کی تعداد میں سیر و تفریح کی غرض سے لوگوں کی آمد کا سلسلہ لگا رہتا ہے۔ شہر حیدرآباد آج بھی تہذیب و تمدن کا مرکز کہا جاتا ہے۔ یہاں کئی کالج اور یونیورسٹیاں موجود ہیں۔ خاص کر عثمانیہ یونیورسٹی بہت ہی مشہور اور مخزنِ علوم ہے۔ یہ یونیورسٹی ریسرچ اور کتابوں کی تصنیف میں اپنی مثال آپ ہے۔

بہرکیف شہر حیدرآباد بڑا ہی دلکش مقام ہے۔ سورج دن بھر کی گردش کے بعد جب مغرب کی وادیوں میں پناہ گزیں ہوتا ہے تو سارا شہر رنگ برنگ کے قمقموں سے جگمگا اٹھتا ہے اور دُور سے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ جیسے آسمان پر ستارے جگمگا رہے ہوں۔

بیجاپور یہ وہ شہر ہے جو دکن کا دارالخلافہ اور خاندان عادل شاہی کا صدیوں تک پایۂ تخت بنا رہا۔ یوں تو عادل شاہی خاندان میں کئی حکمران گذرے ہیں جن میں بالخصوص علی عادل شاہ کا دَور قابلِ ذکر ہے۔

یہ خاندان بیجاپور میں چند ایسی یادگار چیزیں قائم کیا ہے جو آج بھی ہر خاص و عام کے لئے دعوتِ نظارہ دے رہی ہیں فصیل شہر میں داخل ہوتے ہی بولی گنبد پر نظر پڑتی ہے، جس کا خاص وصف یہ کہ یہاں جس قسم کی بھی آواز نکالی جاتی ہے بعینہٖ یکے بعد دیگرے سات مرتبہ بازگشت سنائی دیتی ہے۔ محمد عادل شاہ کا مزار بھی اسی گنبد میں ہے۔ اس کو بیجاپور کی تمام عمارتوں میں صنعت و حرفت کے لحاظ سے اولیت حاصل ہے۔ علی عادل شاہ کا مقبرہ بغیر چھت کے ضرور ہے مگر اس کے محرابیں سنگ موسیٰ سے اس طرح بنائی گئی ہیں جس کا جواب نہیں۔ شہر کے باہر مہتر محل اور جامع مسجد ہے۔ فصیل بیجاپور کا احاطہ تقریباً ۶½ میل، اور فصیل کا ہر دروازہ الگ الگ نام سے موسوم ہے۔

اورنگ زیب جس وقت بیجاپور میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو چوتھے دروازے کا نام باب الفتح رکھا کیونکہ سلطان کو اسی دروازے سے کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ آنند محل، گوگن محل، چینی محل وغیرہ بھی قابل دید اور قابلِ فخر ہیں۔ شہر بیجاپور جہاں مادی اعتبار سے حکومت کا مرکز رہا ہے وہاں روحانی حیثیت سے بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ ہمیشہ سے کئی اولیاءِ کرام کا معدن و مسکن بنا رہا۔ آج بھی ان بزرگانِ دین کے مزاراتِ مقدسہ زیارت گاہ بنے ہوئے ہیں۔ حضرت حمید قادری رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے برادرِ عزیز حضرت شیخ لطیف اللہ قادری دونوں ایک ہی گنبد میں استراحت فرما ہیں۔ آپ حضرات نے مخلوق کی رہنمائی، بھٹکے ہوئے لوگوں کی اصلاح کو اپنا فرض جانا توکل و قناعت، وعظ و نصیحت آپ دونوں کی زندگی کا حاصل سرمایہ تھا۔ آپ کا مقبرہ روضۂ علی عادل شاہ کے قریب ہے، جو علی عادل شاہ کی بیگم فاطمہ سلطانہ کا بنایا ہوا ہے۔

گلبرگہ شریف ۔ گلبرگہ دکن کی تاریخ میں ایک انقلابی

مرکز رہا ہے سلطنت بہمنی اس عظیم شہر میں وجود پائی۔ اور یہیں کے بزرگوں کے روحانی سایہ میں پروان چڑھتی رہی۔ گلبرگہ کی پاکباز و نیک سیرت شخصیتوں میں سے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ کی شبیہ مبارک حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے مشابہ تھی چنانچہ ایک شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

نام ہے نام محمد ہم شبیہ مرتضیٰ
مصطفےٰ کے جانشیں ہیں حضرت گیسو دراز

حضرت کا اصلاحی کام صرف لسانی ہی نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلم میں وہ تازگی اور شائستگی عطا کی تھی کہ آپ نے مسائل تصوف و طریقت، احکامِ شریعت پر پچاس سے زاید کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ حضرت بندہ نواز کے بیشمار کرامات ہیں چنانچہ جس وقت سلطان فیروز شاہ بہمنی دیجانگر پر حملے کے ارادے سے نکلا تو آپ نے منع فرمایا مگر سلطان آپ کی نافرمانی کرتے ہوئے ایک لشکر جرار لے کر روانہ ہو گیا۔ میدان جنگ میں خوب زوروں کی جنگ چھڑ گئی اور حضرت بندہ نواز کے فرمان کے مطابق سلطان کو شکست فاش ہوئی فیروز حیران و پریشان ہو کر گلبرگہ واپس آیا اور ایسا بیمار پڑا کہ بسترِ مرگ سے اٹھ نہ سکا۔ بہرکیف آج بھی آپ کے فیوضات و برکات کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔

سرا

سرا اصل میں شہراہ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ پندرھویں صدی عیسوی میں اسکی بنیاد رستم آباد کے نام سے رکھی گئی لیکن بعد میں رستم آباد سے بدل کر کے سہراہ نام رکھا گیا۔ شہنشاہ ہند اورنگ زیب نے بیجاپور پر قابض ہو کر فوجوں کو حکم دیا کہ وہ سرا کی جانب توجہ دیں آخرکار بیجاپور کی فوجیں سرا پر بھی قابض ہو گئیں۔ تو اورنگ زیب نے سرا کو صدر مقام بنا کر رن دولہ خان نامی کو گورنر مقرر کیا۔

عالمگیر کی واپسی کے بعد مرہٹوں نے دوبارہ سرا پر تسلّط قائم کر لیا تھا مگر شیر دل و جانباز سپاہی حیدر علیخان بہادر نے جانفشانی کے ساتھ لڑائی کر کے سرا کو مرہٹوں کے قبضے سے چھڑا لیا۔ حیدر علی کی اس بہادری و دلیری کو دیکھ کر شہنشاہِ دہلی نے آپ کو سرا کا حاکم مقرر فرماتے ہوئے "نواب سرا" کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

عہد عالمگیری میں یہ شہر تہذیب و تمدن کا مرکز کہلاتا تھا۔ تاریخ میں لکھا ہوا ہے کہ عہد عالمگیری میں یہاں پچاس ہزار گھرانے اور نوّے مساجد آباد تھیں۔

سرا میں اورنگ زیب کی بنائی ہوئی نہایت عالی شان "سنگین جامع مسجد" ہے۔ رئیس اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ یہ اسلامی تعلیم کا بہترین نمونہ ہے۔ مسجد پر چار مینارے اور تین گنبد ہیں اور مسجد کا صحن کشادہ و سنگین ہے۔ درمیانی محراب سنگ سیاہ سے بنائی ہوئی ہے اس کے علاوہ ویران شدہ مساجد کے کتنے ہی مسجدیں موجود ہیں۔ اس جامع مسجد کے کچھ فاصلے پر مسجد احرار ہے جو گورنر نجیب خان احراری کی بنائی ہوئی ہے۔ یہ مسجد بھی سنگین ہے، مگر سادہ ہونے کے باوجود اس کی سادگی لوگوں کے دلوں کو موہ لیتی ہے۔

سرا سے بنگلور جانے والی سڑک کے کنارے حضرت ملک ریحان رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ ہے۔ آپ سرا کے گورنر ہونے کے ساتھ وہاں کی مایۂ ناز شخصیتوں میں سے ہیں۔ آپ کا زمانہ اتنا

خوش حال وپُرامن گذرا ہے کہ آج بھی آپ کے اوصاف حمیدہ وہاں کے لوگوں کی زبانوں پر وظیفہ بنے ہوئے ہیں۔ اسی درگاہ کے پہلو میں اورنگ زیب کی دختر گوہر تاج کا مقبرہ بھی ہے۔ محمد محمود صاحب بنگلوری اپنی کتاب تاریخ جنوبی ہند میں یوں رقمطراز ہیں :۔

" اورنگ زیب جسوقت جنوبی ہند میں تھا تو اس کی شہزادی کی وفات ہوگئی اور اس گوہر تاج کو ہندوستان کسرا کی زمین کے سپرد کردیا گیا شہزادی کے متعلق مشہور ہے کہ قرآن ختم کرچکی تھیں، بہرطور سرزمین سرا کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ شہنشاہ ہند کی ایک معصوم امانت کو اپنے آغوش میں لئے ہے۔"

اس کے علاوہ شہر سرا میں محمد خاں کا روضہ۔ قادر خان برگی کی مسجد۔ بیگم کی مسجد۔ عالمگیر مغل مسجد۔ قلعہ اور مسجد قلعہ وغیرہ بھی قابل دید اور قابل ذکر ہیں۔ سرا کے آثار قدیمہ کے متعلق ایک انگریز لوئیس رلیس نامی اپنی کتاب میں لکھتا ہے " بیسور میں سارا سنگ (SARACENIC) طرز تعمیر کے بہترین نمونے سرا میں پائے جاتے ہیں اور بلاشبہ یہی مغلیہ تعمیرات کا بہترین نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس قسم کی تعمیرات کا نمونہ سرا کی جامع مسجد اور مقبروں سے ملتا ہے۔ سرا کے مقابر پر جو گنبد ہیں اگرچہ بڑے نہیں ہیں مگر بہت خوبصورت ہیں۔ اور اس طرح تعمیر کئے گئے ہیں کہ گویا ایک پھول کھلا ہوا ہے۔ اور اس کی پتیاں جھک کر مل گئی ہیں "۔

قارئین کرام! مذکورہ تاریخی مقامات مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔ ان کے علاوہ آرکاٹ۔ سرنگاپٹم۔ ادھونی کرنول۔ کڈپہ۔ بلہاری۔ ویلور۔ میسور۔ بنگلور۔ ترچی چنجی وغیرہ بھی قابل ذکر اور اہل دکن کے لئے قابل فخر ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

بسلسلۂ صفحہ ۱۱۳ اپنا سامان لئے شہر سے باہر چلی گئی۔ اور کہنے لگی کہ میں اس محمدؐ سے تنگ آکر جارہی ہوں لیکن یہاں یہ سامان اٹھانے والا بھی کوئی نہیں۔ اتفاقاً حضور صلعم وہاں سے تشریف لا رہے تھے۔ اس بڑھیا کی صدا سن کر آپ نے اس کا سامان اپنے کاندھوں پر رکھ لیا اور اس کے ساتھ چلنے لگے۔ وہ اثنائے راہ میں آپ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہتی تھی۔ آخر جب اس نے اپنی منزل مقصود پر پہنچی تو حضورؐ نے اس کا سامان اتارتے ہوئے فرمایا کہ اے بڑھیا اب میں جارہا ہوں لیکن تو یہ جان لے کہ میں وہی شخص ہوں جس کو تو اثنائے راہ گالیاں دے رہی تھی۔ بڑھیا کے کانوں سے جوں ہی یہ الفاظ ٹکرائے تو یہ کہہ اٹھی کہ میں اتنا سب کچھ کہنے کے باوجود تو نے صبر کیا اور میرا سامان یہاں تک لے آیا معلوم ہوتا ہے تو ہی خاتم النبیین ہے جس کی بشارت حضرت عیسیٰؑ نے دی تھی، یہ کہہ کر وہ مشرف باسلام ہوگئی۔

غرض مندرجۂ بالا واقعات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کن خصوصیات کے حامل تھے۔ آپ میں سادگی اخلاق رحم وکرم، ایثار وقربانی کا جذبہ کسقدر موجود تھا۔ گویا آپ کی مبارک زندگی کا ہر لمحہ تعلیمات اسلام سے بھرپور تھا۔

رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم گوشے

از
مولوی کے۔ نذیر احمد تونسوی
(ضلع منگلور)
متعلم زمرۂ فاضل
دار العلوم اللطیفیہ مکان حضرت
قطب ویلور قدس سرہ

یہ حقیقت آفتاب نصف النہار
کی طرح عیاں ہے کہ ہر شئی اسکی ضد پر پرکھی اور جانچی جاتی ہے۔
مثلاً بارش کی خنکی وٹھنڈک اور خوشگوار فضا کی قدر وقیمت
سخت قحط سالی کے موقع پر اور روشنی کی پوری قدر شب دیجور
میں ہوتی ہے تو آئیے اس قول کے پیش نظر ہم اسلام کی قدر و
قیمت اور اسکی عظمت وبرتری کو جاہلیت کے حالات سے جانچیں۔
تاریخ عالم میں ایک دور ایسا بھی گذرا ہے جس میں وحشت
وبربریت کی آندھیاں ہر سمت چھائی ہوئی تھیں اور انسانیت
کا نام دنیا سے حرف غلط کی طرح مٹ چکا تھا۔ روم ویونان مصر
وہند یکساں گمراہی کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ نہ ان کا
کوئی مذہبی نقشہ باقی تھا اور نہ کوئی تہذیب، سب چیزیں
قصۂ پارینہ بن چکی تھیں۔ لوگ اپنے خالق کو بھول کر ہر قسم کی
بے جان وبے حس چیزوں کو اپنا معبود بنائے ہوئے تھے۔
مسیحیوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تعلیمات کو مسخ کرادیا
تو یہودیوں نے اپنے معبود حقیقی کی پرستش سے اپنا رخ بدل ڈالا
تمام روئے زمین پر کوئی بھی قوم ایسی نہ تھی جو خدائے واحد
کی سچی عبادت کرتی ہو یا اس گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ تھام
لیتی ہو ہر طرف ضلالت وجہالت کا بازار گرم تھا انسانیت
کا شیرازہ بکھر کر انسانی زندگی کا نظام درہم برہم ہوگیا تھا۔
دنیا کی ہر شئی ایک تباہ کن انجام کی جانب اپنا قدم بڑھا رہی تھی

خصوصاً عرب کی
حالت ان سب سے بدتر تھی کہ دنیا کی کوئی بداخلاقی وبدتہذیبی
ایسی نہ تھی جو عرب میں نہ ہو۔ ہر وہ چیز جو انسانیت سے خارج اور
مافوق الفطرۃ تھی ان میں بدرجۂ کمال پائی جاتی تھی بقول ابن خلدون
وہ دوسروں کے محلیں صرف اس لئے غارت کرنے سے دریغ نہ کرتے
تھے کہ ان کی بنیادی پتھروں سے چولھے اور دیوار کی کھونٹیوں سے
اپنے خیمہ کی طنابیں کھینچے۔
عرب کی اس ناگفتہ بہ اور ناسازگار حالت میں اگر یہ تصور
بھی کیا جائے کہ ایسی جگہ کوئی مصلح یا ہادی پیدا ہو جو بھٹکی ہوئی
انسانیت کو راہ راست پر لائے تو یہ انسانی عقل سے بالاتر ہے۔
جب یہ جہالت کی تاریکی اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچی تو انہیں کے
گریبان سے ایک ایسا آفتاب عالمتاب رُونما ہوا کہ اس کے نورانی
شعاع ولمعات سے صرف عرب ہی نہیں بلکہ سارا عالم درخشاں ہوا۔
یہ وہی آفتاب ہے جس کے آنے کی خبر جمیع انبیاء
علیہم السلام نے دی تھی۔ جوں ہی یہ آفتاب روشن ہوا اس وقت سے
دنیا نے کروٹ بدلنا شروع کیا۔ اس آفتاب سے میری مراد خاتم
النبیین رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کا شعار
منصب نبوت میں صف انبیاء میں اول ہے۔ پیدائش مبارک سے
لیکر آپ کی نبوت تک آپ اپنی مثال رہے۔ آپ کے اخلاق و

عادات پر خود قرآن و حدیث گواہ ہیں۔ چنانچہ قرآن کا یہ اعلان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مزاج نہایت ہی نرم تھا۔ آپ کسی کے ساتھ کبھی درشتگی سے پیش نہ آتے تھے۔ اسی لئے دنیا آپ کی گرویدہ ہوگئی۔ آپ کی مبارک و مقدس زندگی کا ہر قول و عمل تمام جہاں کے لئے لائق تقلید و قابل اتباع ہے۔

چنانچہ ایکمرتبہ کسی صحابئ رسول ؐ نے آپ کی خدمت میں ایک زرکا قبا روانہ کیا جسے آپ نے ایکمرتبہ پہن کر اتارا۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس روانہ فرمایا تو حضرت عمرؓ روتے ہوئے تشریف لائے اور عرض کیا کہ حضورؐ نے اپنے لئے جو چیز ناپسند فرمائی ہے وہ مجھے عنایت کی ہے۔ تو نبیؐ کریم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے لئے اُسے استعمال کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اُسے فروخت کرنے روانہ کیا تھا۔ آخر حضرت عمرؓ نے دو ہزار درہم میں اُسے فروخت کر دیا۔

نیز ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کچی دیوار کی عیب پوشی کے لئے دیوار پر کپڑا ڈال دئے تھے تاکہ زینت باقی رہ جائے لیکن جب حضورؐ نے یہ دیکھا تو فوراً اس کو ہٹا دیا اور فرمایا کہ ہم اس لئے پیدا نہ کئے گئے کہ زینت بنکر دنیا میں زندگی گذاریں۔ اس واقعہ کو حضرت فاطمہؓ دیکھ کر اپنے گھر تشریف لے گئیں اور زینت شدہ تمام اشیاء کو مسخ کر دیا یہاں تک کہ اپنے فرزندوں کے کنگن کو بھی نکال دیا۔ ان دو واقعات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ میں کس قدر سادگی پائی جاتی تھی۔ جو چیز اپنے لئے ناپسند فرماتے وہ دوسروں کے لئے ناپسند فرماتے تھے۔

بانئ اسلام کے خلق عظیم کو ملاحظہ کیجیئے کہ ایکدفعہ ایک یہودی ایذا رسانی کی خاطر آپ کا مہمان بنا۔ آپ نے اس کی دل سے تواضع کی۔ یہودی رات حضورؐ کے حجرے شریف ہی میں سو گیا۔ چونکہ ضرورت سے زائد کھایا تھا بدہضمی ہوگئی تو اس نے تمام حجرے میں جا بجا گندگی پھیلا دی اور صبح سویرے اُٹھ کر چلا گیا اور جلد بازی میں وہ اپنی تلوار بھول گیا۔ جب کچھ دور پہنچا تو اسے اپنی تلوار یاد آگئی۔ جب واپس لوٹ آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ خود رحمۃ للعالمین صلعم حجرے کی غلاظت کو خود اپنے دست مبارک سے صاف فرما رہے ہیں۔ یہودی یہ حال دیکھ کر اپنی حرکت سے نادم و شرمسار ہو کر اسی وقت مشرف بہ اسلام ہوا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع کمال شخصیت نے صرف پاکیزہ معاشرت ہی نہیں بلکہ عمدہ مزاح کے نمونے بھی پیش کرکے دنیا میں تبلیغ کا کام انجام دیا ہے اور آپ نے جو بھی پُر لطف مزاح کیا اس میں حقیقت ہی نہیں بلکہ صداقت بھی پائی جاتی تھی جس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی حضرت صفیہ دربار اقدس میں حاضر ہوکر عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ میرے حق میں دعا کیجیے کہ میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔

آپ یہ سن کر بطور مزاح ارشاد فرمایا کہ ان الجنۃ لا یدخلھا عجوز "کہ کوئی بڑھیا جنت میں داخل نہیں ہوگی۔ یہ سنتے ہی حضرت صفیہؓ نہایت ہی افسردہ حال و غمگین واپس لوٹ جاتی ہیں، تو حضور اکرم صلعم نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ اس بڑھیا سے کہدو کہ کوئی بڈھیا بڈھاپے کی حالت میں جنت میں داخل نہیں ہوگی بلکہ خدائے تعالیٰ اُسے ایک نئی زندگی کے ساتھ داخل کرے گا۔

علاوہ ازیں ابتدائے اسلام میں رسول اللہ صلعم اور صحابہؓ کرامؓ اسلام کے پھیلانے میں کوشاں رہے جس سے لوگ جوق در جوق آغوش اسلام میں داخل ہوتے رہے تو ایک یہودی بڈھیا دَف بجا کر اپنی عبادت کیا کرتی تھی اس سے مسلمانوں کی عبادت میں خلل واقع ہو رہا تھا اس لئے مسلمان اس بڈھیا کو روکتے تھے۔

بقیہ بر صفحہ ۲۹

امہات المومنین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذات بابرکت بہت بلند وباعظمت واقع ہوی ہے۔
منشی نواب علی صاحب نے بھی آپ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تعریف و توصیف میں ایک نظم لکھی ہے جس سے آپ رضی اللہ عنہا کے اخلاق واوصاف کی ایک حد تک نقاب کشائی ہو جاتی ہے۔
قارئین اللطیف کی افادیت کی غرض سے ہدیۂ "اللطیف" ہے۔

پیشکش:- حافظ محمد کمال عارف جیبوری

امّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا

خدا کے محبوب[۲] کی حبیبہ ترا لقب ہے پیارا حمیرا
وہ حسن صورت وہ نورِ معنی جہاں میں تجھ سا نہ ہوگا پیدا

گواہ عصمت کا خود خدا ہے یہ سورۂ نور میں لکھا ہے
یہ تیری عفت کی انتہا ہے رسولِ قدسی کیوں نہ ہوں شیدا

یہ تجھ پہ الطافِ ذوالمنن ہے ردائے تطہیر[۱] زیب تن ہے
نرالی سج دھج غضب پھبن ہے صلاح و تقوی لباس تیرا

نہ تھی جو اولاد تیری کوئی کہ جس سے ہوتی تھی سرخروئی
تو حق نے دلجوئی تیری یوں کی لقب دیا ہے ام مومنیں کا

خطاب کرتے تھے تجھ سے پیہم کہ کلمیني[۲] رسولِ اکرم
ترے ہی سینہ پہ سر تھا جس دم چلے جو سوئے رفیق اعلیٰ[۴]

مثال آئینہ صاف سینہ علوم دیں کا تھا اک دفینہ
رموز و اسرار کی امینہ بڑا ہے لاریب تیرا رتبہ

یہ رنگ لائی تری محبت نبی کی ہو گی حبیبِ جنت
ہے مغفرت کی تجھے بشارت ہے تو نے رزقِ کریم[۵] پایا

ترا تفقہ ترا تبحر ہے جس کا مشکل بہت تصور
حسود کو اس کا ہی تحسر عنود کو رنج روح فرسا

جمل[۶] میں گو تھی خلاف لیکن تھا صاف بے شبہ تیرا باطن
تجھے تھی یہ فکر رات اور دن کہ خونِ ناحق کا لیویں بدلہ

نہ لوم ولائم کا کچھ خطر تھا نہ سر میں سودائے مال و زر تھا
یہ حبّ مولا کا سب اثر تھا کہ تھی نہ دنیا کی تجھ کو پروا

خموش نواب سوختہ پہ ہو وصف صدیقہ تجھ سے کیونکر
خدا اور اس کا رسول بہتر ہے جانتا اور ثنا ہے کرتا

---

[۱] سورۂ احزاب میں آیۂ تطہیر انما یرید اللہ الخ الآیۃ سیاق کلام اور ربط آیات کے لحاظ سے ازواج کی شان میں ہے آل نبی ضمناً شامل ہے ۱۲
[۲] حدیث شریف کلمینی یا حمیرا [۳] آنحضرت کی وفات کے بعد آخری کلمہ اللھم الرفیق الاعلیٰ [۴] لھم مغفرۃ و رزق کریم (النور)
[۵] اشارہ ہے جنگ جمل کی طرف ۱۲

معجزاتِ حضورِ اکرم

از :- حافظ محمد کمال الدین لطیفی بلیجپوری
ادیب فاضل مدراس یونیورسٹی و متعلم
زمرۂ عالم دار العلوم لطیفیہ ویلور۔

عالمِ ربانی نے ہر دور اور ہر زمانے میں اپنے مقدس' اور برگزیدہ بندوں کو انسان کی فلاح وبہبودی اور اسکی ہدایت و رہنمائی کے لئے عالمِ گیتی میں مبعوث فرماتا رہا اور انشاءاللہ' یہ سلسلہ تا قیامت جاری وساری رہیگا۔ ان نفوسِ قدسیہ پر خدا کا گراں بہا عطیہ یہ رہا ہے کہ اس نے جب کبھی کسی ہادی یا رہبر کو دنیا میں بھیجنا چاہتا ہے تو اسے ایک ایسی محیر العقول قوت سے نوازتا ہے کہ جسکی وجہ سے وہ اپنی مشن میں کامیاب و کامران رہے۔ چنانچہ خلاقِ عالم نے اس سلسلہ کا پہلا گروہ انبیاء علیہم السلام کو قرار دیا۔ اور ان تمام کو نت نئے معجزات سے سرفراز فرمایا جو کسی سے مخفی نہیں لیکن ان میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس سے جو معجزات ظہور پذیر ہوئے وہ تاریخ معجزات میں ایک زرین باب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ سے چند ایسے حیرت انگیز معجزات صدور ہوئے جس کے فہم وادراک سے آج بھی یہ ترقی پسند سائنس قاصر ہے۔ لہٰذا چند عدیم النظیر مہتم بالشان معجزات زیب قرطاس کررہا ہوں۔

معجزات کا صدور انبیاؤں سے تسلیم شدہ ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ انبیاؤں کی شناخت کا دارومدار معجزہ پر ہو۔ اگر اس قاعدہ کو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جزو لاینفک قرار دیا جائے تو پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ' کے اسلام لانے کے متعلق کیا کہا جائے گا جن کے اسلام لانے کا باعث تو اس کامل و مکمل انسان کے اخلاقِ حمیدہ و اوصافِ جمیلہ اور شمائل تھے۔ ہاں معجزات بھی ہوتے ہیں مگر یہ اُن لوگوں کے لئے جن کی طبیعت انبیاؤں کی ذات کے سمجھنے سے عاجز رہتی ہے چنانچہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم جب اس دنیا میں مبعوث کئے گئے تو اس وقت تمام عرب کاہنوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور وہ لوگ دُور دُور سے آکر ان کا احوال دریافت کرتے تھے۔ ایسے ماحول میں ثبوت نبوت کو ظاہر کرنے کے لئے آپ کو بھی معجزات کا استعمال کرنا پڑا۔ چنانچہ آپ اس کو بروئے کار لائے۔

ایکمرتبہ کا واقعہ ہے کہ ابوجہل کو اسلام کی بڑھتی ہوی ترقی و کامیابی کو دیکھ کر اپنے ایک دوست حلیب بن مالک والی یمن کو قبل از وقت آگاہ کیا کہ ایک شخص مکہ میں رہتا ہے اور ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہتا ہے اور تیرا دین مٹا جارہا ہے۔ لہٰذا تو جلد سے جلد آ۔ اس خبر کے سنتے ہی حلیب مکہ آیا اور ابوجہل نے حضور علیہ السلام کے متعلق بہت ہی غلط بیان دیا اور طرح طرح کی باتیں تراشنے لگا کہ یہ (حلیب) لوگوں کو سمجھا دے کہ یہ دین قبول نہ کریں۔ حلیب نے کہا کہ میں دونوں فریق کی گفتگو سن کر فیصلہ کروں گا۔ چنانچہ آنحضور علیہ السلام کو طلب کیا گیا آپ آئے تو حلیب نے ہمت کر کے

آپ سے دریافت کیا۔ کیا آپ نے دعوئی نبوت کیا ہے۔ اگر ہے تو اس کے لئے معجزہ ضروری ہے۔ لہٰذا ہمیں ایک آسمانی معجزہ دکھائیے یعنے چاند کو دو ٹکڑے کر دکھائیے۔ آپ نے انگلی سے اشارہ کیا تو چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔ پھر حبیب نے کہا اچھا یہ بتائیے کہ میرے قلب میں کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تیری لڑکی ہمیشہ بیمار رہتی ہے اور ہاتھ پاؤں سے معذور ہے تو چاہتا ہے کہ اسکو بھی شفا ہو جائے۔ ہاں جا اس کو بھی شفا ہوئی بس یہ سنتے ہی حبیب بن مالک با بانگ دہل اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ بلند کئے اور دولت اسلام سے مالا مال ہوگئے۔

اس واقعہ کی نوعیت پہ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ابوجہل نے حبیب کو مکہ کس لئے بلوایا تھا اس کا مقصد کیا تھا؟ یہی کہ کہیں یہ بھی اسلام سے بہرہ اندوز نہ ہو جائے مگر ہوا اس کے برعکس۔ کیونکہ یہ فطری تقاضا ہے کہ ہم کسی کو کسی معاملہ سے جتنا باز رکھنا چاہتے ہیں اسی قدر وہ اس کی طرف سے مائل ہوتا ہے۔ اسی مفہوم کو علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دینگے

اسی قبیل کا ایک معجزہ جس سے دعوت تبلیغ کا کام لیا گیا پیش خدمت ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایکمرتبہ سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے راستہ میں ایک مقام پہ آپ نے قیام کیا تو اطراف و اکناف کے دیہاتی لوگ آپ سے ملنے کے لئے آئے ان میں ایک گنوار زمیندار بھی تھا۔ جب وہ چلنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے روک کر اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ آپ کی کوئی سچائی بھی ہے؟ آپ نے فرمایا دیکھ! وہ دور کیکر کا درخت ہے۔ اس سے جاکر کہہ کہ تجھے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بلاتا ہے۔ وہ بڑا متعجب ہوا اور با دل ناخواستہ اس درخت کے پاس گیا۔

درخت آپ کا فرمان سنتے ہی بے چین ہو کر جھوم جھوم کر چاروں طرف سے اپنی جڑیں اکھیڑ کر سیدھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بہایت صاف زبان میں السلام علیک یا رسول اللہ کہا۔ آپ نے فرمایا کیا تو میرے رسول ہونے کی گواہی دے سکتا ہے۔ اسپر درخت نے تین مرتبہ بہت صاف زبان میں آپ کی رسالت کی گواہی دی اور کہا بے شک آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ سب لوگ یہ عجیب واقعہ دیکھ کر حیران ہوئے پھر زمیندار نے کہا کیا یہ درخت پھر واپس اپنی جگہ بھی جا سکتا ہے؟ آپ نے اس درخت کو واپسی کا حکم دیا فوراً وہ درخت واپس ہوگیا جس طرح پہلے تھا۔ پھر زمیندار نے کہا آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کی اجازت نہیں ہے اور اگر خدا کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ پھر اعرابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور مسلمان ہوگیا۔

یہ خدا کی خاص مہربانی تھی کہ جہاں وہ آپ کو ان تمام

معجزات سے سرفراز فرمایا وہاں ایک عدیم النظیر معجزہ بھی عطا فرمایا تھا جسے دیکھ کر اپنے تو اپنے غیر بھی آپ کو رحمۃ للعالمین کہنے پر مجبور ہو جاتے تھے، وہ ہے آپ کا حسن خلق جیسے کہ ذیل کا واقعہ اس کا ثبوت ہے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی گذر گاہ پر ایک یہودی کا مکان واقع تھا۔ آپ جس وقت اس پر سے گذرتے وہ شخص آپ پر کوڑا کرکٹ پھینکتا تھا۔ باوجود اس کے آپ چپ چاپ چلے جاتے تھے۔ ایک دن کسی وجہ سے وہ آپ پر گندگی پھینک نہ سکا تو فوراً اسی وقت آپ جا کر اس کا حال دریافت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کیوں آج آپ کے معمول میں تغیر آیا۔ شرمندہ ہو کر کہتا ہے کہ آج میں بیمار ہوں۔ آپ کے اس اخلاق کو دیکھ کر اسی وقت اسلام لاتا ہے۔

آپ کے وہ اخلاق جن کو دیکھ کر عرب کے بڑے بڑے لوگ اسلام کی دولت سے مالا مال ہو جاتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا واقعہ آپ کی شخصیت سے کون واقف نہیں، آپ کی خداداد صلاحیتوں سے آپ کو اپنے قبیلہ میں بلند مقام حاصل تھا۔ آپ کا اسلام لانا بھی انہی اخلاق کریمہ کا فیض ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اطلاع ملتی رہی کہ مکہ میں ایک نبی پیدا ہوا ہے اور اس کے اخلاق وعادات تمام سے مختلف ہے آپ رضی اللہ عنہ چونکہ تورات کے زبردست عالم تھے اور تمام خصائل آخر الزماں اس میں بتلائے گئے تھے۔ جونہی نبی کی خبر سنے فوراً سمجھ گئے کہ یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں جن کی آمد کی بشارت تورات وانجیل ودیگر آسمانی کتابوں میں مذکور ہے۔ دیدار نبی کے لئے دل کا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔ جونہی ہجرت کر کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو اسی وقت آپ رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

اسی ہجرت کے دوران راستے میں ایک جگہ بھوک کی شدت کے سبب ایک چرواہے سے بکری کا دودھ طلب کیا مگر چرواہے نے معذرت طلب کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت کسی بکری کے تھن میں دودھ نہیں ہے۔ آپ نے اسکی اجازت سے بکری کے تھن پر ہاتھ رکھا فوراً اسی وقت دودھ آیا۔ چرواہا آپ کے اس معجزہ کو دیکھ کر اسی وقت ایمان لایا۔

علاوہ ان معجزات کے ایک سب سے اہم اور قابل قدر معجزہ آپ کو عنایت کیا گیا ہے، جو رہتی دنیا تک اس کے توسط سے لوگ دین اسلام میں داخل ہوتے رہیں گے۔ وہ قرآن مجید ہے۔ اگر اس معجزہ پر گہری نظر ڈالیں تو یہ حقیقت صاف طور پر ظاہر ہو جائیگی کہ اس سے کہیں تو اصلاح نفس کا کام لیا گیا اور کہیں اس کی وساطت سے کسی کو ایمان کی دولت میسر ہوئی۔ جیسا کہ تاریخی کتابوں میں مرقوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا حالانکہ اس وقت آپ کا ارادہ نعوذ باللہ شمع اسلام کو ختم کرنے کا تھا۔ اب بتائیے انہیں کونسی تلوار اسلام لانے پر مجبور کی اور کس نے آپ سے اصرار کیا کہ ایمان لے آئیں۔ بس قرآن مجید کی چند آیتوں کے سننے کا نتیجہ ہے یعنی چند آیتیں پڑھ کر سنائی گئیں آپ پر اس کا بہت گہرا اثر پڑا۔

اسی وقت بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوتے ہیں اور دولت ایمان سے مالا مال ہوتے ہیں۔ تو اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا محرک کون بنا؟ تو بدیہی الفاظ میں یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ صرف "قرآن مجید" ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر

پچھلے انبیاؤں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مُردوں کے زندہ کرنے کا معجزہ دیا گیا تو آپ سے تو اس سے بھی عظیم الشان معجزے سرزد ہوئے ۔ مثال کے طور پر لکڑی کا منبر کا رونا ۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس ستون کو انسانوں کی طرح دفن اس لئے کرایا تھا کہ یہ درخت صفات انسانی کا مظہر بن گیا تھا۔ شفا اور مواھب لدنیہ میں ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم ایک یہودی کو دعوت دے رہے تھے۔ یہودی نے جواب دیا جبتک آپ میری لڑکی کو زندہ نہ کریں اور وہ زندہ ہوکر آپ کی صداقت کی گواہی نہ دے میں اسلام نہ لاؤں گا۔ آپ نے فرمایا چل اپنی بیٹی کی قبر پہ۔ چنانچہ آپ اس کے ساتھ قبرستان گئے اور یہودی کی لڑکی کی قبر پہ کھڑے ہوکر اُس لڑکی کا نام لیکر فوراً بلایا۔ فوراً قبر شق ہوئی لڑکی زندہ ہو کر کہنے لگی "یا رسول اللہ کیا ارشاد ہے" آپ نے فرمایا اگر تیرا دل چاہے تو زندہ ہوکر دنیا میں اپنے والدین کے پاس آجا۔ لڑکی نے جواب دیا" حضور اللہ پاک کو اپنے والدین سے زیادہ مہربان پایا اور دنیا سے آخرت کو اچھا پایا۔ آپ نے دوبارہ اس کے مرنے کی دُعا فرمائی اور وہ لڑکی مرگئی۔ یہودی یہ واقعہ دیکھ کر بے حد حیران ہوا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس خلاق فاضلہ اعمالِ صالحہ اور حیاتِ طیبہ پہ اگر گہری نظر ڈالیں تو حقیقۃ معلوم ہوجائیگی کہ آپ کا ہر قول و فعل اپنی امت اور عوام کو راہِ راست پہ لانے کے لئے تھا۔

آخر میں اپنے مضمون کو حضرت شیخ امام محمد بن سعید بوصیری رح کے اس شعر سے جس کو آپ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں لکھا ہے عرض کرتے ہوئے ختم کرتا ہوں۔

ازکی النسب علی الحسب
کل العربی فی خدمتہٖ
فمحمد نا ھو سید نا
فالعز لنا لاجابتہٖ

پس آپ ہی لے محمدؐ ہمارے سردار ہیں اور آپکی اطاعت ہی میں ہمارے لئے عزت و سعادت ہے۔

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم
کے صدقے سے ہمیں قبولِ حق کی توفیق
عطا فرمائے۔ آمین

حضرت عبدالعزیز مکی رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ دادا حیات قلندر کا مختصر تعارف

از
محمد سراج الدین کتہ کوٹہ
متعلم زمرۂ سادسہ
دار العلوم اللطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

رہنمائی و رشد و ہدایت کا زرین و پاکیزہ اصول ہر زمانے میں انبیاء و رسل کے ذریعہ بندوں تک پہنچتا رہا۔ مگر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی رسول نہیں تھا اس لئے قرعۂ فال صلحائے امت کے حق میں آیا۔ چنانچہ یہ دیکھا گیا، کہ مختلف زمانے میں مختلف رہنما آتے رہے اور راہ گم کردہ مخلوق کو راہِ راست دکھاتے رہے۔ انہیں مصلحین و رہنماؤں میں سے حضرت عبدالعزیز مکی کی بھی ایک برگزیدہ شخصیت رہی ہے جنہوں نے چمن مصطفوی کو سرسبز و شاداب رکھنے کے لئے اپنے خون سے آبیاری کی تھی جس کی تصدیق ذیل کا مضمون خود کرے گا۔ آپؒ کا سلسلۂ نسب حضرت صالح علیہ السلام کی اولاد سے بتایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کو تمام انبیاء کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔ جب خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں مبعوث ہوئے تو آپ نے دین مصطفویؐ قبول کیا اور آخر وقت تک اسی پر قائم رہے۔ آپ کی درازی عمر کے متعلق تعجب ہوتا ہے لیکن جب نظر غائر سے اگلی امتوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ اگلی امتوں میں اکثر لوگوں نے ہزار سے زیادہ عمر پائی۔ آپ کی عمر چھ سو سال کی ہے۔ ایک دوسرا قول یہ بھی ہے کہ آپ کی عمر ایک ہزار سال ہے، لیکن پہلا قول درست ہے۔ (ماخوذ از "قلندر بر حق" مصنفہ عبدالواسع عمری B.A)

غرض جو آج میسور کے قریب ایک پہاڑ دادا حیات قلندر کے نام سے مشہور ہے وہاں آپ کے جلوہ افروز ہونے سے قبل کفر و ضلالت کا بازار گرم تھا۔ کہیں بھی نور حق کی کرن نظر نہیں آرہی تھی۔ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم، دادا حیاتؒ کے خواب میں تشریف لائے اور وہاں تشریف لے جانے کی ترغیب دی۔ چنانچہ آپ حسب الارشاد سنہ ۹۳ھ میں وہاں لے گئے۔ آپ کی تشریف آوری خاتم ضلالت تھی۔ جب کوئی چیز زیادہ ترقی پاتی ہے تو خداوند قدوس اس کے زوال کے لئے چند ایسے اسباب مہیا کر دیتے ہیں جس سے وہ نیست و نابود ہو جاتی ہے۔ تمام کفار آپ کو تکلیف دینے کے درپے ہو گئے۔ مگر آپ بروقت ان کا دنداں شکن جواب دیتے رہے۔ ان لوگوں کی کوششوں پر پانی پھر گیا۔ یہاں تک کہ عبادت و ریاضت میں خلل ڈالنے میں گریز نہ کرتے۔ ان کی حرکتوں سے عاجز آکر آپ چند کنکریاں اٹھا کر پھینکے تو ان کی آنکھیں بند ہو گئیں آخرکار تمام کفار ہر طریقے سے نامراد و ناکام ہو گئے۔ ہونا بھی چاہیئے یہ چونکہ زبانِ نبوت نے اس حقیقت کو بے نقاب کیا تھا۔

الاسلام یعلو ولا یعلے علیہ

ہر وقت اسلام کو فتح ہوتی رہی اور کفار ہر وقت آپ

کو اور آپ کے ساتھیوں کو نکالنے کی انتھک کوشش کرتے رہے۔ جب آپ ان کے ارادوں سے واقف ہو گئے تو آپ نے اپنے تمام مریدوں کو جمع کر کے فرمایا، یہاں کا ہر پتہ ہر پودا تمہارے لئے مسیحائی کا کام دیگا۔ اور کچھ حصے کو اپنے احاطے میں لے کر چند شیروں کو اپنی حفاظت کے لئے مقرر کیا۔ جب کفار اپنے جادوگروں کو لے کر آپ کی قیام گاہ کے پاس آئے جو ایک غار کی شکل میں تھا، اس کے برامدے پر ایک ایسی چٹان کھڑا کر دی جس نے اس حصہ کو گھیر لیا اور لکڑیاں ڈال کر جلانے لگے تاکہ آپ کا دم اندر ہی گھٹ کر نکل جائے لیکن آپ اپنی عبادت و ذکر سے فارغ ہونے کے بعد ایک نگاہ اس چٹان پر ڈالنا ہی تھا کہ چٹان ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور چھت سے پانی فوارے کے مانند گرنے لگا اور آگ خود بخود سرد پڑ گئی۔ آپ برامدے پر تشریف لائے اور ان کفاروں پر نگاہِ قہر ڈال کر ہُو کا نعرہ لگانا ہی تھا کہ تمام پتھروں کی شکل میں تبدیل ہو گئے۔ آپ کی شخصیت اس قدر قہر و جلالت کی حامل ہے کہ جب کوئی آپ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہہ دیتا تو فوراً اس کو اس کی سزا مل جاتی جیسا کہ ایک فقیر اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ زیارت کے قصد سے نکلے، جب چلتے چلتے تھک گئے تو خاوند اپنی بیوی کو توشہ دان لانے کو کہا جب اسکی بیوی توشہ دان لائی تو دونو کھانے سے فارغ ہو گئے پھر چلنے کے لئے کمر بستہ ہو گئے یہاں تک کہ ان کی ہمت جواب دے گئی تو ایک ٹیلہ پر بیٹھ گیا اور نشہ کی حالت میں آپ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہدیا اور راستے کے کنارے لیٹ گیا۔ اسکی بیوی رفع حاجت کے لئے اپنے خاوند کو آرام کرتے ہوئے دیکھ کر جنگل میں چلی گئی۔ جب حاجت سے فارغ ہوئی تو راستہ نہ پاکر خاوند کو آواز دینے لگی۔ خاوند اپنی بیوی کی آواز سن کر اُٹھ کھڑا ہوا لیکن اس کو نہ پاسکا اور سورج بادلوں میں روپوش ہونے لگا۔ آخر تلاش کرتے کرتے سست ہو گیا اور ایک کنارے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر معذرت چاہنے لگا اچانک کیا دیکھتا ہے کہ ایک بوڑھے شخص اپنے ہاتھ میں مشعل لئے ہوئے اسکی بیوی کے ساتھ آرہے ہیں۔ جب چاروں گاؤں کے قریب پہنچ گئے تو اس بزرگ کو غائب پائے۔ دونوں آپ کے مزار پہ جاکر اپنی غلطی کی معافی چاہنے لگے۔ غرض آپ کی ان زندہ کراموں کو دیکھ کر لوگ جو ضلالت میں گھرے ہوئے تھے جوق در جوق مشرف باسلام ہونے لگے۔ آپ کے بہت سے کارنامے ہیں جن کو ذکر کرنے کے لئے اس مختصر سے مضمون میں گنجائش نہیں۔

مولانا حسن علی صاحب فرماتے ہیں، حضرت دادا حیات میر قلندر قدس سرہ العزیز حیات البحر قلندر اول علمبردار علم نبوی تھے۔ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے زندہ ہیں اور اسی پہاڑ میں مجھے ایکوقت ملاقات کا شرف حاصل ہوا میں نے دریافت حال کی تو فرمایا کہ میں اصحاب صفہ سے ہوں اور عبدالعزیز مکی میرا نام ہے میں مہدی علیہ السلام سے ملاقات کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچاؤں گا۔ اس وقت میرے میرا ہی سوا لاکھ اولیا و فقرا ہوں گے۔ آپ نے اتنا کہا اور غائب ہو گئے۔

(ماخوذ "قلندر بر حق" از عبدالواسع عمری B.A)

اس سے پتہ چلا کہ آپ کا شمار اصحاب صفہ میں ہوتا ہے اور آپ آج بھی زندۂ جاوید ہیں۔ لہذا آپ کی کرامتوں سے دنیا والے مستفیض ہو رہے ہیں۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

فغانِ حافظ شیرازی

از
حافظ محمد ابراہیم لطیفی ادونی
(ادیب فاضل منشی فاضل مدراس یونیورسٹی)
متعلم زمرۂ عالم دار العلوم
لطیفیہ حضرت مکان ویلور

یوں تو آسمان شاعری پر بہت سی شخصیتیں اُبھریں لیکن زمانہ آج بھی ان کو خراجِ تحسین پیش کر رہا ہے، جنہوں نے اپنی صلاحیتوں کو خوابیدہ قوم کے بیدار کرنے اور خدا طلبی کا احساس پیدا کرنے میں صرف کیا۔ "خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را" انہیں پاک طینت ہستیوں میں سے حافظ شیرازی علیہ الرحمہ کی بھی ایک برگزیدہ شخصیت ہے۔ آپ نے اپنی شاعری سے ایکطرف عوام کو راہِ مستقیم دکھایا تو دوسری طرف خواص کو معنوی زندگی کے رازہائے سربستہ سے روشناس کرایا مندرجۂ ذیل اشعار اسی بات کی نشان دہی کرتے ہیں۔

حافظ شیرازی فرماتے ہیں عشق حقیقی بغیر مرشدِ کامل کے حاصل نہیں ہوتا۔ جو شخص محض کتابوں کو پڑھکر عشق حقیقی کے منازل طے کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے اور اپنے لئے مصیبت کے دروازے کھول لیتا ہے۔

بکوئے عشق منہ بے دلیل راہِ قدم
کہ من بخویش نمودم صد اہتمام نشد

عشق کی منزل میں بغیر مرشد کامل کے قدم مت رکھ، کیونکہ میں سو کوششوں کے باوجود اس میں کامیاب نہ ہوسکا۔

اور ہر کس و ناکس کو پیر اپنے حلقۂ بیعت میں داخل نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کونسا انسان اسکا اہل اور کون نا اہل ہے۔

گوہرِ پاک بباید کہ شود قابلِ فیض
ورنہ ہر سنگ و گلے لؤلؤ مرجاں نہ شود

فیض کے قبول کرنے کے لئے پاک گوہر چاہئے کیونکہ ہر پتھر و مٹی موتی اور مونگا بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

عشق حقیقی میں قدم رکھنے کے بعد ثبات کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ اس منزل میں ایسے ایسے مصائب و آلام کے کوہ گراں سے سابقہ پڑتا ہے۔ جن میں مستعدی تحمل و بردباری سے کام لینا پڑتا ہے۔

تحصیل عشق و رندی آساں نمود اوّل،
جانم بسوخت آخر در کسبِ ایں فضائل

عشق حقیقی و رندی کا حاصل کرنا ابتداءً آسان معلوم ہوتا ہے مگر ان فضائل کے حاصل کرنے میں میری جان نکل گئی۔

ان مصائب کے کوہِ گراں کو بے چون وچرا سہتے ہوئے خدا پر اعتماد کرنا چاہئے۔ جب ہی جاکر کہیں منزلِ مقصود کو پا سکتا ہے۔

گرت چوں نوح نبی صبر ہست درغمِ طوفاں
بلا بگردد و کارِ ہزار سالہ بر آید

غم کے طوفان میں اگر تجھکو نوحؑ کے مانند صبر ہے تو مصیبت دور ہو جائیگی اور ہزار سال کا باقی ماندہ کام بھی انجام پائے گا۔

ان ناگفتہ بہ حالت میں کسی کی طرف التفات نہ کریں بلکہ اپنے تمام افعال واعمال کو خدا کے سپرد کریں کیونکہ وہی سب سے بہتر کارساز ہے۔

تو باخدائے خود انداز کار و دل خوشدار
کہ رحم گر نہ کند مدعی خدا بکند

تو اپنے اعمال کو خدا کے سپرد کر دے اور دل کو خوش رکھ اس لئے کہ اگر مدعی رحم نہ کریگا تو خدا کرے گا۔

تمام چیزوں کا مسبب الاسباب خدائے بزرگ وبرتر ہے لہٰذا ہر کام میں تم اسی کی طرف رجوع کرو اور دنیا کے اسباب پر بھروسہ نہ کرو کیونکہ دنیا اور دنیوی اشیاء تغیر و تبدل ہونے والی ہیں جسکو دوام وثبات نہیں۔

فی الجملہ اعتماد مکن بر ثباتِ دہر
کایں کارخانہ ایست کہ تغییر میکند

دنیا کی ثبات پر مطلق بھروسہ مت کر کیونکہ یہ وہ کارخانہ ہے جس میں ہمیشہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور رہیگی۔

تم دنیا کی بے ثباتی کو دیکھ کر یہ نصیحت حاصل کرو کہ عاجزی ہی انسان کی سب سے بہتر صفت ہے، جو خدا کے پاس بھی موجود نہیں۔

تا فضل و علم بینی بے معرفت نشینی
یک نکتہ ات بگویم خود را مبیں کہ رستی

جبتک تو اپنے علم وفضل کو دیکھتا رہیگا بے معرفت بیٹھے گا۔ یک نکتہ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو اپنے آپ کو مت دیکھ تاکہ تو چھٹکارا پاوے۔

اور خواجہ حافظ علیہ الرحمہ انسان سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انسان تو بہت حریص ہو گیا ہے، تجھے چاہیے کہ گنجِ قناعت اختیار کرے۔

ملکِ آزادگی و گنجِ قناعت گنجیست
کہ بشمشیر میسر نشود سلطاں را

آزادگی کا ملک اور قناعت کا خزانہ ایک ایسا خزینہ ہے جو بادشاہ کو تلوار سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔

اسی طرح اخلاق بھی ایک قیمتی وصف ہے، انسان کو چاہیئے کہ اپنے ہاتھ سے جانے نہ دے۔

درخت دوستی بنشاں کہ کام دل بیار آرد
نہال دشمنی برکن کہ رنج بے شمار آرد

دوستی کا درخت لگا کیونکہ دل کا مقصد پورا کرتا ہے اور دشمنی کو اکھاڑ کر پھینکدے کیونکہ وہ بے شمار رنج لاتا ہے

نجات دہندۂ انسانیت

مسلم ہائی اسکول مدراس

یہ معلوم کرنا بیحد مشکل ہے کہ انسانی زندگی کا تہذیبی اور ثقافتی دَور کا آغاز کب ہُوا؟ اور انسان کو شعور وفکر کی وادی میں پہنچنے تک کتنے قرنوں وصدیوں کے طویل وجانگسل مرحلے طے کرنے پڑے۔ انسان کی ابتدائی تاریخ کو بعض فلاسفی ومورخین نے مختلف ادوار وازمنہ میں تقسیم کیا ہے۔

ہم اس چیز سے بحث کرینگے جس سے جسم کی عظمت اور اس کے تحفظ کی ضرورت ناگزیر ہو جاتی ہے، وہ چیز ہے انسانی شعور، تہذیب کی ابتدا وہیں سے ہوتی ہے۔ جب انسان کے شعور نے ناگہی کی طویل نیند سے بیدار ہو کر انگڑائی لی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ابتداءً انسان نے ہر اس شئے سے محبت کرنا سیکھا جس سے خیر کی توقع ہوتی تھی اور اس سے اجتناب کیا جس سے شر پہنچنے کا امکان تھا۔ گھنی چھاؤں دیکھی تو طبیعت مانوس ومطمئن ہوی۔ کڑک دھوپ میں سلگتے ہوے تلووں کے احساس سے اسے وحشت پیدا ہوی، چنانچہ اس نے گھنی چھاؤں سے قرب حاصل کرنا چاہا۔ اور سلگتی دھوپ سے فرار کی راہیں تلاش کیں۔ گویا خیر وشر کی اسی کشاکش دنیا میں مذاہب کے ظہور کا باعث ہوی۔ انسانی زندگی کی تاریخ میں ایک ایسا موڑ بھی ملتا ہے جہاں وہ سراپا خیر رہا۔ اس کے اندر طبقاتی اور قبائلی زندگی کا تصور نہیں اُبھرا تھا۔ اکٹھے سونا اور اور اکھٹے اٹھنا بیٹھنا معاشرتی تقاضوں کی تکمیل کے لئے قدم اٹھنا یہ تھی سراپا خیر کی زندگی۔

جب اس کے ذہن میں خانے پیدا ہوے اور ذہنی طور پر ملکیت اور نہاد کے درمیان بٹنے لگا تو شر نے عناصر نے بڑی سرعت سے اسکی ہیئت اجتماعی کے شیرازے کو منتشر کردیا۔ وہ زمین جو سب کے لئے مشترک تھی تقسیم کی شکار ہو گئی اور نیلی آسمان کی کھلی فضا پر سب نے علٰحدہ علٰحدہ اپنا حق جتایا۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود انسان کا ذہن بنیادی طور پر بعض غیر مرئی قوتوں سے مرعوب رہا۔ رفتہ رفتہ انسان کے قدم تہذیب وتمدن اور علم وفن کی طرف اٹھنے لگے لیکن اس کے سامنے فنا واستیصال کا جو منظر پیش ہوتا تھا اس سے اس کے اندر بے بسی، خوف ودہشت کا عنصر بھی پرورش پاتا رہا۔ خوف، بے بسی اور دہشت کا تعلق ہمیشہ شر سے رہا ہے ان سے بچنے اور عافیت حاصل کرنے کے لئے اس نے اپنے زاویہ نظر کے مطابق معبود ومسجود پیدا کرلئے۔ یہ معبود سورج چاند، پتھر اور درخت سب مادی اشیاء سے تعلق رکھتے تھے۔ جب اس پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے تکلیف پیش آتی تھی، تو وہ اپنے ان خود ساختہ معبودوں سے نجات کی درخواست کرتا تھا اور جب کسی سے فائدہ پہنچتا تھا اپنی ذاتی واجتماعی منفعت کی پیش نظر انسان ان کے آگے سر جھکا دیتا تھا۔

گویا صدیوں تک معبود کے یقین میں انسان کا فرض دو سمتوں میں بھٹکتا رہا اور فکری انتشار کی کیفیت لاحق رہی۔ لیکن کارساز حقیقی نے انہیں انسانوں میں سے ایسے برگزیدہ اور حق شناس وحق جو لوگوں کو بھی پیدا کیا جنہیں ہم نفوس قدسیہ سے یاد کرتے ہیں۔ بعض نیک لوگوں نے جن کی فطرت وطینت میں صالحیت تھی اللہ تعالیٰ کے مبعوث نفوس قدسیہ کی رشد وہدایات پر عمل کیا اور بعض نے ان سے اعراض و انحراف کیا۔

پیغمبر فطرتاً جو داعی الی اللہ تھے ان کو بھی خلاقِ دو عالم نے غور وفکر اور تذبذب کے عالم میں کچھ دن پریشان رہنے دیا جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ سے ظاہر ہوتا ہے، چونکہ انہیں اللہ کی طرف سے جو دین تفویض ہوا وہ سراپا دینِ فطرت تھا۔

اس دینی فطرت کو خالص بنانے اور تکمیل تک پہنچانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ذہن کو بتدریج ہی یقین تک پہنچایا جائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں غارِ حرا کی مسلسل تنہائی اور اس میں غور وفکر کا عالم اس بات پر دلالت کرتا ہے۔

جب مکمل دین حضور اکرم کو عطا کیا گیا اس دین کا بنیادی تقاضا یہی تھا کہ تمام بنی نوع انسان کو توحید کے ایک ہی رشتہ میں پرو دیا جائے تاکہ وہ پھر نسل، رنگ اور تفرقے کے اعتبار سے مختلف خانوں میں نہ بٹ جائے۔

مگر جب پوری انسانیت کے ذمہ دار خلیفۃ اللہ الاعظم خاتم النبیین حضور رحمۃ نور سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کا تاج سر پہ رکھ کر تشریف لائے تو یکسر رنگ ونسل اونچ نیچ اور جغرافیائی قیود وحدود کی دیوار یکلخت منہدم کردی گئی اور اعلان کر دیا گیا انی رسول اللہ الیکم جمیعا (میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں) ذات کریم کی طرف سے جس نے اپنے اشارۂ کن سے سارے جہاں کی تخلیق کی۔

ایک ہادی، رہنمائے کامل کے لئے جو پوری انسانیت کی نجات کا ذمہ دار اور مثالی حیثیت رکھتا ہو لازم ہے کہ عقلاً حسبِ ذیل خصوصیات سے متصف ہو۔

عرفان اتم۔ انجذاب کامل، انقلابِ عظیم، نصرتِ غیبی تکمیل شرائع، زندہ اعجاز، خلافتِ الٰہیہ، اعلیٰ قوتِ تکمیل۔

عرفان اتم جس کا مقصد ومنشا یہ ہے، کہ حقائق غیبیہ بغیر کسب اکتساب تعلیم وتعلم، اتصال مبداءِ قدس کی وجہ سے بلا شک و تردد حق کو یقین کے ساتھ اس کے قلب پر فائز ہو جائیں گو وہ سائنس، فلسفہ، منطق وریاضی، طب وہیئت کے سارے مسائل سے بے خبر ہو۔ مگر ان رموز فطرت کا ماہر اعظم جہاں حکماء کی حکمت وفراست اور نکتہ دانوں کی نکتہ سنجی، پیر شکستہ اور انسانی تخیل نکمے اور اپاہج ہیں۔

انجذاب کامل یعنے اسکی سیرت ملکی صفات کا عکس اور اسکی صورت ظاہری جمال الٰہی کا آئینہ ہو اسکی روحانیت کبریٰ سے تمام سلیم الطبع وسادہ روحیں جنسیت کی بنا پر طبعی میلان رکھتی ہوں۔ یہی چیز جذب صفات کا محرک مد ومعاون ہے۔

انقلاب عظیم اس کا مطلب بالفاظ دیگر یہ ہے

وہ ذات اقالیم نفس کے جغرافیائی حدود اور ممالک جنسیت کے نقوش میں عظیم الشان تبدیلی رونما کر سکے، جس کی بنا اسکا منصب رشد و ہدایت درجۂ تکمیل و اتمام کو نہیں پہنچتا اور فائز المرام نہیں ہو سکتا۔

نصرت غیبی اس خصوصیت سے مقصود یہ ہے کہ متصف جنودِ الٰہیہ کے ہمرکاب ہو اور عساکر ملکی جلوہ ریز سعادت ہوں۔ اور ایک بالاتر ہستی جلیل و جبار ذات پر اعتماد کر کے مادی طاقتوں کو بے حقیقت شیطانی قوتوں کو برباد۔ طاغوتی حکومتوں کو پامال اور ان تمام عوائق و عوارض کو جو اسکی مطمح نظر میں مانع و حائل نظر آئے ان سب کو نیست و نابود کر کے تاخت و تاراج کر سکے۔

تکمیل شرائع وہ یہ ہے کہ تمام افراد انسانی کو ایسے جامع اور معتدل پلیٹ فارم پہ جمع کر سکے جو تمام ادیانِ سلف کی ہدایات کا عطر اور جوہر ہو اور تمام ملکی و ملی حدود کو نظر انداز کر کے ایسی نافع عام دوا تجویز کرے، جو ابد الآباد کے واسطے کافی و شافی ہو۔ اسی وجہ ہدایت عظمیٰ کا تاج جس کے فرق اقدس پہ ہو اس کا کارنامہ بھی نہایت اعلیٰ و ارفع ہونا چاہئے۔

زندہ اعجاز جس سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ متصف بہ ذات غیر سلیم الفطرت انسانوں کو مغلوب کرنے کے لئے کوئی خارق العادت یادگار چھوڑ جائے جو اسکی عدم موجودگی اور دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اعدائے حق کو ساکت و صامت کر سکے اور سلیم الطبع کے لئے سرچشمہ فیض و ہدایت ہو۔

خلافت الٰہیہ جسکے معنی یہ ہیں کہ وہ نظم و نسق کائنات کو ان ربانی ضوابط پر قائم کرے جو حقانیت و صداقت کو تباہی و بربادی سے بچائے اور ضمیر و کانشنس (Conscience) کو قتل و خون ریزی سے محفوظ و مامون رکھے کیونکہ نیابت الٰہیہ حکومت آسمان کی ضامن و کفیل ہے۔

اعلیٰ قوت تکمیل یہی وہ مہتم بالشان خصوصیت ہے جو کمالات علم و عمل کا نمایاں نتیجہ ہے۔ کامل بنجانا تو آسان ہے مگر کامل بنانا دشوار ہے۔ فرائض نبوت کو ادا کرنا سہل ہے، لیکن اوروں کو کمالات نبوت سے آراستہ و پیراستہ کرنا مشکل ہے۔ غیرے را تزئین و تحسین کار دارد۔

جب یہ تمام شرائط سابقہ کسی اعلیٰ روحانیت کے دائرے میں مجتمع ہو جاتے ہیں تو اس وقت قوت تکمیل بدرجۂ اتم پیدا ہو سکتی ہے۔

افراد انسانی جس طرح مدارج مادیات میں مختلف ہیں اسی طرح مراتب روحانیت میں متفاوت ہیں۔ ان میں وہ افراد بھی ہیں جن کا حاسۂ فطرت و مادی اثرات سے ضعیف ہو کر کالعدم ہو جاتا ہے، بالفاظ دیگر قوت بہیمیہ قوت ملکیہ پہ قابض ہو کر اس کو فنا کر دیتی ہیں۔ ان اشخاص میں وہ بھی ہیں جن کی مادی و روحانی قوت آپس میں متصادم رہتی ہے۔ اسی کشاکش میں کسی قوت کو غلبۂ کلی حاصل نہیں ہوتا۔ اور وہ قوی الہمت عظیم الجرأت افراد بھی ہیں جو اثرات مادیت اور کثافت کو اپنے مجاہدات نفس و ریاضت سے اپنے قابو میں لا سکتے ہیں۔ اور وہ کامل الخلق اور سالم الطبیعت بھی ہیں جن کا رابطۂ الٰہی جاذبۂ ربانی اسقدر ارفع ہوتا ہے کہ ان کی مادیت میں اتنی قابلیت ہی نہیں ہوتی ہے کہ روحانیت سے دست و گریبان ہو سکے جو نفوس زکیہ اس قدر قوی

الروحانیۃ ہیں وہی مسند آرائے رشد وہدایت وہی رمز شناس عالم فطرت ونکتہ سنج اسرار حقیقت، وہی مستأصل شقاوت وغوایت، وہی مؤسس سعادت وہدایت، وہی مہبط علوم رسالت، وہی حامل عقل نبوت، ہوتے ہیں۔

انتخاب ازل کا یہ چیدہ اور برگزیدہ گروہ بھی معارف غیبیہ اور حقائق لاریبی میں مساوی درجہ نہیں ہوسکتا۔ کوئی مشکوٰۃ نور نبوت ہے تو کوئی نیر اعظم رسالت ہے الغرض جو روحانیت کا فرد کامل ومکمل ہو اسی کو ہدایت کبریٰ حجت عظمیٰ آفتاب تکمیل سر تنزیل پوری انسانیت کے لئے نمونہ ومثال رسول اکرم ہادی اعظم کو ہونا چاہئے۔ اور یہ ارفع اوصاف اعلیٰ خصوصیات صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں پائی جاتی ہے۔

آپ نے اقوام عالم ادیان جہاں کے سامنے جہالت کدۂ عرب سے اٹھکر اس معجز نما پیرایہ میں پیغام حق پیش کیا کہ افلاطون سے لیکر ایک وحشی تک یکساں طور سے معرفت ویقین کا پتلا بن جاتا ہے۔ آپ بحالت شباب معاصی اور کمال شقاوت اقوام متمدنہ وغیر متمدنہ میں امت وسط پیدا کرنے کے لئے مبعوث کئے جاتے ہیں۔ جو عقائد فاسد کا گہوارہ ہے۔ الحاد وشرک تثلیث وتجسیم ستارہ پرستی وآتش پرستی، تناسخ وغیرہ کوئی ایسی بلائے فاسد نہیں جو اس وقت موجود نہ ہو، خوش قسمتی سے بعثت کا وقت بھی اس قدر موزوں ومناسب ہے جبکہ آپکی صدا وادئ بطحا سے لیکر چین تک یثرب سے لیکر اسپین تک پہنچ سکتی ہے۔ وسائل سفر نے اقالیم بعیدہ کو ایک ہی کڑی میں منسلک کر دیا۔ اس وقت آپ منظر حقانیت پہ نمودار ہوکر بلند آہنگی سے دعوت حق ان الفاظ میں پیش کیا جو پوری انسانیت کے لئے نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے **یا اھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم** (اے اہل کتاب ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے لئے ایک ہی ہے) یعنے اس آیت کریمہ میں بھی اسی سچے اور فطری دین کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے جو حضرت سیدنا موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کا دین تھا۔ اور کہا جارہا ہے کہ ہمارے اور ادیان سابقہ میں کسی قسم کی تبدیلی اور فرق نہیں ہے بلکہ تم لوگوں نے اپنے احکامات گڑھ لئے ہیں۔ ادیان عالم کا جوہر خالص توحید وصفات اخلاق جو نجات دہندۂ انسانیت ہے قرآن حکیم آتا ہے اور ان حقائق جامع کو ایسے بلیغ اور پر مغز دلنشین اور ہادیانہ انداز میں پیش کرتا ہے جو مقصد ملت ابراہیم، آمال دعوت موسیٰ، انجام روحانیت عیسیٰ ہے۔

قومی وملی خصوصیات حذف کرنے اور تفریعات باطل دور کرنے کے بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی اور خیر معتدل رہجاتی ہے، وہی انسانیت کی نجات دہندہ اور مثالی نمونہ اور حیات سرمدی کی کفیل ہوتی ہے" **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا**۔ آج جو مبارک دن ہے جس میں میں نے تمہارے لئے تمہاری نجات کا مکمل ضامن دین جس کا نام اسلام ہے پسند فرمایا اور تمہارے لئے بڑی نعمت دی ہے۔)

انقلاب عظمیٰ کا یہ طوفان ساحل عرب سے اس جوش سے اٹھتا ہے، تباہی وبربادی ہلاکت وخرابی کے بجائے فلاح وصلاح آبادی وراحت، علم وحکمت کے

گوہر شاہوار بچھاور کرتا ہوا دنیا کے اس سرے سے اُس سرے تک نکل جاتا ہے۔

کثرت وحدت سے تشبیہ تنزیہہ سے، ظلمت نور سے جہالت، حکمت، شرک توحید سے، الحاد ایمان سے لاادریت ایقان سے ظلم وانصاف سے، وحشت تہذیب سے، نجاست طہارت سے لعنت رحمت سے بدل جاتی ہے۔

یہ صرف عقیدت نہیں، بلکہ حقیقت ہے کہ قولوا لاالٰہ الااللہ تفلحوا کی گھن گرج آواز جب اس گنبد نیلگوں سے گونجتی ہے تو فلاح ونجات دارین کی پوری ذمہ دار ہوکر قد افلح من تزکی طبیب کامل وحاذق صلی اللہ علیہ وسلم کی رس گھولنے والی آواز نے جاں بلب کراہتی ہوئی انسانیت کے مردہ قلب میں نئی روح پھونک دی اور ایک ایسا کامل نسخہ بنی آدم کو عطا کیا جو تمام جسمانی روحانی امراض وعلل کے لئے شفاء کلی ہے وننزل من القرآن ما ھو شفاء ورحمۃ للمومنین اہم اتارتے ہیں قرآن سے جو مومنین کے لئے ہے شفا ورحمت ہے اور قیامت تک انسان کی ہدایت ونجات کا بہترین نمونہ مکمل ہادی ومنجی، اس کتاب کو لانے والے لاریب فیہ ھدی للمتقین ان ھٰذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم، اس میں شک میں ہدایت ہے، متبعین کے لئے بے شک یہ قرآن ہدایت ہے۔

اب ذرا اسی شخصیت کے متعلق جو پوری انسانیت عظمیٰ کے لئے نمونۂ عمل ہے غیر مسلم مفکرین ومدبرین کے خیالات بھی پڑھئے جس سے اچھی طرح اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ صرف ہماری ہی عقیدت نہیں ہے یا فسانۂ قیس نہیں بلکہ حقیقت ہے جو اظہر من الشمس ہے۔

ایک یورپی مورخ لارڈ ہیرٹن آپ ؐ کی ذات گرامی اور کارہائے محکم سے متاثر ہوکر لکھتا ہے کہ :-

"میں کثیر مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پہ پہنچا کہ حضرت محمد ؐ ایک انسان کامل تھے اور انہوں نے انسانیت کی بقا اور نجات کے لئے بڑے ہی کارہائے عظیم انجام دئے ہیں اور میں ان کے اخلاق حسنہ سے متاثر ہوا ہوں۔"

اور ایک ہندوستانی مفکر پرنسپل R.M.Ray یوں رقمطراز ہے :-

"حضرت محمد ؐ کسی ایک ملک قوم یا قبیلہ کی شخصیت نہیں تھے بلکہ آپ کی شخصیت ہمہ گیر تھی۔ آپ کی تعلیمات پوری دنیا اور تمام اقوام کے لئے ہے۔ آپ ؐ ہی نے پہلی دفعہ دنیا کے سامنے جمہوریت کا تصور اور خاکہ پیش کیا۔"

اسمتھ اپنی کتاب Mohamed & Mohamedanism. میں حضور اکرم ؐ کی مبارک زندگی اور پیغمبرانہ بصیرت ومصلحانہ کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

وہ مملکت کے حکمران تھے، اس کے ساتھ ساتھ ہادی مذہب بھی۔ ایکوقت میں وہ قیصر بھی تھے اور پوپ بھی۔ ایسا قیصر جس کے پاس قیصر کی فوجیں نہ تھیں مگر پھر بھی دبدبہ وشوکت لئے ہوئے تھا۔ وہ پوپ تھے۔ اللہ کا سچا نائب پاک باز زاہد ہادی اور صاحب رشد کسی مستقل مزاج کسی مقررہ مالیہ اور کسی تحفظ ذاتی کے بغیر اگر کسی انسان نے بے لاگ اور کامیاب سلطنت وحکومت فقط خدائی بلمدبہ کی ہے تو وہ صرف محمد ؐ تھے، دوسرا کوئی اس شان اور ایسے حالات کے ساتھ دنیا کے اس رفیع اور بلند

مرتبہ پر کبھی نہیں پایا گیا۔ وہ بڑی طاقت کے مالک تھے، مگر یہ طاقت دینوی وسائل واسباب کی نہ تھی بلکہ یہ ایمان محکم یزدانی طاقت تھی اور یہی ایمانی قوت تھی جو انہوں نے اپنے پیروؤں میں پھیلادی۔ دنیا کا ہمیشہ چلن رہا ہے کہ دولت و ثروت اور اقتدار و حکومت حاصل ہو جانے کے بعد انسان گھریلو اور سماجی زندگی میں انقلاب آجاتا ہے۔ اس کا بوریا سندر قالین میں اسکی کملی شال دوشالے میں اسکی جو کی روٹی مزعفر و مرغ میں بدل جاتی ہے۔ لیکن دنیا میں ایک ایسا آنے والا بھی آیا کہ ملک عرب سولہ سو 1600 میل لمبے خطۂ ارض پر اقتدار اعلےٰ حاصل ہو جانے کے بعد اس کی سیدھی اور سادھی زندگی میں سر مو فرق نہیں آیا۔ اس وسیع و عریض مملکت کا ایک انسان بھی اس کے پاس یہ شکایت لیکر نہیں آسکتا تھا کہ آپ ہم سے اچھی عمارتوں میں رہتے ہیں، ہم سے بہتر کھانے کھاتے ہیں، ہم سے بہتر سواریوں پر چلتے ہیں اور آپ کو دنیا کا عیش و آرام ہم سے زیادہ نصیب ہے۔ اور نہ مملکت کا کوئی فرد یہ کہہ سکتا تھا کہ ہمارا کوئی والی وارث نہیں ہے۔ اس لئے کہ مملکت کے سردار نے عام اعلان کر دیا تھا کہ انا ولی من لا ولی له جو بے والی اور جو بے وسیلہ یا معذور ہو اس کی کفالت کی ذمہ داری میرے سر ہے۔

(بحوالۂ اسلامی دنیا ۱۹۶۲ء)

یہ بات مسلمات اور بدیہیات سے ہے کہ متضاد کیفیتوں سے مرکب انسانی زندگی کا نتیجہ یہ ہے کہ انسانی فلسفہ میں تناقضات بے شمار پائے جاتے ہیں اور ہر دور میں انسان بے شمار متناقص مسائل کو سلجھانے میں پوری زندگی صرف کرنے کے باوجود نہ سلجھا سکا اور آنے والوں کے لئے تباہی و بربادی کی وسیع و عریض خلیج پیدا کر کے چل بسا جسکی وجہ سے کوئی دور بھی ظلم و ستم، قتل و خون ریزی کی ہولناک داستان سے خالی نہ رہا۔

جب خلیفۂ الٰہی اعلیٰ قوت تکمیل کے مالک نصرۃ غیبی کے ساتھ تکمیل شرائع امم سابقہ کے لئے اس عالم میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ نے نہ صرف الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھا کر اور مسائل کی عقدہ کشائی کر کے اہل عالم کے سامنے رکھ دیا بلکہ ایک ایسا کلیہ و ضابطہ ماڈل اور نمونہ پوری انسانیت کے لئے دیا اور بتایا کہ جسکے ذریعہ ہر دور کے پیچیدہ مسائل کو آسانی سے حل کیا جاسکتا ہے اور پوری انسانیت پر مہلک و پرخطر موڑ میں تباہی کے بھیانک منظر سے بچائی جاسکتی ہے۔

ایسی مہلک گھڑی میں پوری انسانیت کو تباہی و بربادی سے بچانے کے لئے نجات دہندگی و انسانیت کا نمونہ محمد عربی اور ان کے بتائے ہوئے اصول و قوانین کے سہارے مذہبی کی ضرورت ہے، جو دور جدید کے عقدۂ لاینحل کو حل کر کے اہل عالم کو فنا ہونے سے بچالے۔

صحیح کہا ہے دور جدید کے ایک یوروپین مفکر جارج برناڈشاہ نے "جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے آنحضرت انسانیت کے بڑے دوست اور محسن تھے۔ ہمارا کامل یقین ہے کہ اگر آج پیغمبر اسلام جیسے کسی شخص کو دنیا کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا جائے تو وہ اس دور کے تمام مسایل کو حل کر کے انسانوں کو امن اور خوشحالی کے دور میں لے آسکے گا۔"

ایک دوسرا مفکر ایورنڈر نے رانک نے اسی بات کو ذرا بدل کر یوں کہتا ہے کہ آج جبکہ ہم ان موجود مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسلام کے طریقۂ کار پر غور اور اسے اختیار کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں یقین رکھنا چاہئے

کہ اگر ہم نے ان مسائل میں اسلام کی ہدایت کو مشعل راہ بنایا تو ہم مایوسی کی تاریکیوں سے نکل کر امید وار کامیابی کی روشنی تک پہنچ سکیں گے۔

اس حقیقت کے اعتراف سے کسی طرح گریز ممکن نہیں کہ صنف نازک اور مردوں کا وہ مظلوم طبقہ جو پوری دنیا میں غلامی کی زنجیر میں جکڑا ہوا مشق ستم وجور بنا ہوا تھا محسن انسانیت ہی کی ذات گرامی ہے جنہوں نے غلامی کو آزاد اور سرمایہ داری کے دوش بدوش کھڑا کر کے سارے حقوق دلائے اور صنف نازک کو درندوں کے ہوس ناک پنجوں سے آزاد فرما کر ان کے حقوق دلوائے اور واضح الفاظ میں اعلان فرمایا الذکر مثل حظ الانثیین (مرد کو عورت کے مقابلہ میں دگنا حصہ دیا جائے گا)۔

یہ دو طبقے دنیا میں ایسے تھے جن کو انتہائی ذلیل نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور اتنے گرے ہوئے سمجھے جاتے تھے گویا یہ انسان ہی نہ ہوں۔ کوئی ان بیکسوں بے نواؤں کا چارہ گر ایسا نہیں تھا جو ان کو سہارا دیتا اور ان کو عزت و وقار کی زندگی بخشتا۔ یتیموں اور بیواؤں کے حقوق آپ نے دلائے اور باعزت سماج اور قوم کی سوسائٹی ان کو بڑا وقار مقام دیا۔ اور دلایا۔ دنیا نے اس کو بسر وچشم تسلیم کیا۔

سر ولیم مور لکھتا ہے کہ محمدؐ کے احکامات جو بہت سادے ہیں لیکن حیرت ناک و عظیم الشان کام کر دکھایا۔ انسانوں نے نہ کبھی اسلام جیسا روحانی عروج دیکھا تھا اور نہ ایسا پختہ ایمان جس کی حمایت میں انسان اپنے آپ کو قربان کر دے۔"

اسلامی تعلیم کے نتائج یہ ہوئے کہ اس نے ہمیشہ توہمات کے سیاہ بادلوں کو دفع کر دیا، ہم فراخ دلی سے اقرار کرتے ہیں کہ محمدؐ کے تابعین میں خدا کی توحید کا سچے دل سے اقرار موجود ہے۔ اسلامی تعلیم کے ذریعہ اخلاقی نیکیوں میں اضافہ ہوا، ایمان کے دائرے کے اندر برادرانہ محبت کی تلقین کی گئی، یتیموں اور بیواؤں کی حفاظت اور بیکسوں اور بے بسوں کی خاطر داری ہونے لگی۔

ریورنڈ اسٹیفنس لکھتا ہے کہ آپ کی تعلیم کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ دختر کشی اور شراب نوشی کا کامل انسداد ہو گیا۔"

جب ہم ان غیر مسلم مفکرین کے اقوال پر بہ نظر غائر دیکھتے تو بلاشبہ یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ حضور اکرمؐ پوری انسانیت کے لئے مثالی حیثیت رکھتے تھے۔ آپؐ کا قول فعل گفتار و کردار، خلوت و جلوت خانگی معاملات ازدواجی سلوک پوری انسانیت کے لئے نمونہ تھے۔ انسانی تاریخ کا یہ سب سے بڑا معجزہ ہے کہ حضرت محمدؐ نعوذ باللہ ساحر و کاہن تھے نہ بہت بڑے فلسفی اور سیاست دان، آپ کی سیرت، کردار، اخلاق، آپ کی ذہانت و متانت اور ایمانداری بے مثال تھی۔ آپ کی ذات کنول کے پھول کی طرح اپنے ماحول کی آلائشوں سے بالکل پاک و صاف تھی، لیکن جب نبوت و رسالت کا تاج زرنگار جبین اقدس پر رکھ دیا گیا تو آپ نے ساری انسانیت کو توحید کی دعوت دی۔ اگرچہ آپؐ امی تھے لیکن حکمت و فراست کے سارے خزانے آپ پر کھول دئے گئے۔ انسانی زندگی کے سربستہ راز و رموز منکشف کر دئے گئے۔

نیست ممکن کہ نا کردہ قرآں درست

لتب خانۂ چند ملّت بشست

انکی نگاہ سے دلوں کی کایا پلٹ جاتی، تاریک دل نورِ ایمان سے منور ہوجاتے، یہ معجزہ تھا اور یہ معجزۂ قرآن ہے۔

ﷺ کفاك بالعلم فی الامی معجزۃ

کافی ہے تمہیں امّی یہ معجزہ

فی الجاھلیۃ والتادیب فی الیتیم

زمانۂ جاہلیت اور طفولیت میں تادیب بھی"

رسولِ کریم ؐ نے دنیا والوں کو جو پیغام دیا پہلے خود اس پر کاربند رہے کیونکہ قائل کی عملی زندگی کا دوسروں پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

اور یہ نفسیاتی مسئلہ بھی ہے کہ جبتک کوئی عمل کرکے نہ دکھایا جائے اسکے اثرات دیرپا نہیں ہوتے۔

اسی لئے آپ ؐ کی پوری زندگی اسلام اور قرآن کی مکمل تفسیر تھی۔ جن کاموں کی دوسروں کو نصیحت پہلے خود عملی جامہ پہنا کر مثالی نمونہ پیش کیا، تاکہ ناصح کے قول وفعل میں تعارض، گفتار و کردار میں تناقض نہ رہے۔

اسی لئے کہ آپ ؐ کی حیثیت داعی اور رسول کی تھی، آپ ؐ کو اللہ نے سب کے لئے نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا اس لئے کہ آپ کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔

آپ کے بعد اللہ کا فرمان لے کر کوئی آنے والا نہیں ہے، لہٰذا اللہ تعالےٰ نے نہ صرف داعی و پیغمبر کی حیثیت سے بلکہ ہر پہلو و زاویۂ نظر سے آپ کی زندگی کو مکمل کردیا، تاکہ رہتی دنیا تک کے لئے آپ کی مبارک زندگی انسانیت کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

آپ کی سیرتِ طیبہ کی مثال ایک بلند مینارۂ نور ہے جسکی کرنوں شعاعوں سے آج سارا عالم مستفیض ہے۔ جب کبھی دنیا کفر و ضلالت کی ظلمتوں میں مفقود ہوجائیگی، اسی مینارۂ حق کی طرف رجوع ہونا پڑیگا۔ یہی وہ نمونہ و مثال ہے پوری انسانیت کے لئے۔ اور یہی چشمہ زلال ہے جس سے حقانیت و صداقت، عدالت و شجاعت، حکمت و فراست، رشد و ہدایت سے پیاسی دنیا اپنی پیاس کی شدت کو بجھا سکتی ہے، اور اپنے قلوب کو مطمئن و محظوظ کر سکتی ہے۔

اس لئے کہ اب نہ کوئی نیا نبی آئے گا نہ کوئی نئی شریعت نازل ہوگی۔

خدائے ذوالجلال وذوالمنن کی خوشنودی اور پوری انسانیت کی فلاح و بہبودی محمد الرسول اللہ ؐ کی اطاعت و اتباع میں مضمر و پوشیدہ ہے۔

آپ کی سیرتِ طیبہ اور آپ کی شریعتِ حقہ ساری انسانیت کے لئے کامیابیوں اور کامرانیوں کی واحد ضامن ہے۔

ﷺ

تعصب میں زمانہ کچھ کہے لیکن حقیقت ہے،

نجات و زیست کی ضامن محمد ؐ کی شریعت ہے،

قیامت کے آثار

از محمد اکرم ساغر کنہ کوٹوی
(آندھرا)
زمرۂ ساد متعلم دارالعلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطبؒ ویلور۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر تغیر و تبدیل ہونے والی شئی مقتضیٔ فنا ہے، اسی طرح اشیائے کائنات بھی مذکورہ اصول پر گامزن ہیں جنکے فنا ہونے میں خود قرآن ناطق ہے۔

سخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمی یدبر الامر یفصل الآیات لعلکم بلقاء ربکم توقنون۔

اور کام میں لگا دیا سورج و چاند کو۔ ہر ایک چلتا ہے وقت مقررہ پر۔ تدبیر کرتا ہے کام کی۔ اور ظاہر کرتا ہے نشانیاں "تاکہ تم لوگ اپنے رب سے ملنے کا یقین کرلو۔

مذکورہ آیت میں نظام کائنات کی نسبت "لاجل مسمیٰ" کی جانب کی گئی ہے تو اس سے اس بات کا یقین کامل ہوجاتا ہے کہ مدت مقررہ کے بعد اس کائنات کا درہم برہم ہونا اور اس کے اجزا کا بکھرنا لازمی ہے۔ اس سے کائنات کی کسی شئی کو مفر ممکن نہیں اور اس دن جبکہ یہ کائنات ٹوٹ پھوٹ کر فنا ہو جائیگی قرآن کی نطق نے اسے قیامت سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے وقوع پذیر ہونے کے صحیح وقت کا اندازہ لگانے سے عقل عاجز ہے لیکن اس کی چند نشانیاں بیان کی گئی ہیں جس کی روشنی میں اس کے قیام پذیری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے چنانچہ قرآن کریم اسی گراں قدر نکتہ کی طرف نشان دہی کر رہا ہے۔

یوم یاتی بعض آیات ربك لا ینفع نفسا ایمانها لم تکن آمنت من قبل او کسبت فی ایمانها خیرا۔

جس دن بعض نشانیاں آئیں گی تیرے رب کی، اس وقت کسی کا ایمان لے آنا نفع نہیں دیگا جبکہ وہ اس سے پہلے ایمان نہیں لایا ہو یا اپنے ایمان میں کچھ بھلائی نہ کی ہو۔

اس آیت کریمہ میں "آیات" سے مراد علامات قیامت ہیں، جو قیامت سے قبل ظہور پذیر ہونے والی ہیں۔ جن کے صدور کے بعد کسی کا ایمان لانا یا بھلائی کرنا سودمند ثابت نہ ہوگا اسی طرح احادیث میں بھی علاماتِ قیامت کی جانب صراحتاً اشارہ کیا گیا ہے۔

بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص آپ کی خدمتِ اقدس میں آکر عرض کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے اس کے جواب میں یوں ارشاد فرمایا کہ تم اللہ اور اس کے رسولوں پر اور دوبارہ اٹھائے جانے پر (یعنی روز قیامت پر) ایمان لاؤ اسی طرح اس نے کئی سوالات کئے۔ ان میں سے ایک سوال یہ بھی کیا کہ قیامت کب واقع ہوگی، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جتنا علم سائل کو ہے اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں اور آپ نے اس قول کی تائید میں سورہ لقمان کی یہ آیت شریف تلاوت فرمائی۔

ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ وینزل الغیث و یعلم ما فی الارحام و ماتدری نفس ماذا تکسب غدًا وما تدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر۔

یقیناً اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی بارش نازل فرماتا ہے اور (رحم مادر) میں کیا ہے اس کا علم رکھتا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کریگا اور کوئی یہ نہیں جانتا کہ اسکی موت کس سرزمین میں واقع ہوگی بے شک اللہ جاننے والا خبر رکھنے والا ہے۔

پھر اس نے کہا احسان کیا ہے تو آپؐ یوں گویا ہوئے کہ خدا کی عبادت اس طرح کرو، گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اللہ کو نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے پھر اس نے سوال کیا کہ آپ مجھے علامات قیامت سے آگاہ فرمائیے آپ نے ارشاد فرمایا۔

ان تلد الامۃ ربتھا ان تری الحفاۃ العراۃ العالۃ رعاء الشاۃ یتطاولون علی البنیان۔

خم دیگی باندی اپنے آقا کو دیکھیگا تو ننگے پیروالے لوگ، ننگے بدن والے لوگ اور بکریاں چرانے والے لوگ بلند بلند عمارتیں تعمیر کرینگے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق آج کے اس دور میں وہ لوگ جنہیں ایک زمانے میں پہننے کے لئے کپڑا اور کھانے کے لئے روٹی میسر نہیں تھی وہ لوگ آج وسیع اور عریض عمارتیں تعمیر کررہے ہیں اور عمارت پر عمارت تعمیر کرنا ان کے لئے معمولی چیز بن گئی ہے اور عمارتوں کو تعمیر کرکے ان پر فخر کرنا زندگی کا مشغلہ بن گیا ہے۔

حضرت طلحہ بن مالک رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرب قیامت کی علامت عرب کی تباہی ہوگی (بیہقی در منثور) چنانچہ آج عرب کی حالت جس قدر خستہ ہوچکی ہے یہ کسی سے مخفی نہیں۔ ایک وہ دور بھی تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے عرب کو تباہی کے شکنجے سے نجات دیا چنانچہ اسکا اظہار خالق کائنات نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل الم یجعل کیدھم فی تضلیل، وارسل علیھم طیرًا ابابیل ترمیھم بحجارۃ من سجیل فجعلھم کعصف ماکول۔

کیا نہیں دیکھا تو نے کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ۔ کیا نہیں کردیا ان کے داؤ کو غلط اور بھیجا ان کی جانب اڑنے جانوروں کی ٹکڑیاں پھینکتے تھے ان پر کنکریاں پھر کرڈالا انہیں جیسے بھس کھایا ہوا۔

اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بابرکت اور معزز گھر کو دشمنان اسلام سے بچالیا اور اپنے نیک بندوں کی امداد فرمائی لیکن آج اس کے برعکس ہورہا ہے۔ اسرائیل کے ناپاک ہاتھوں نے مسجد اقصیٰ کو جلادیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مال غنیمت گھر کی دولت سمجھی جانے لگی اور امانت غنیمت جان کر دبالی جائے اور مرد اپنی بیوی کی اطاعت کرنے لگے اور ماں کو ستائے دوست کو قریب کرے اور باپ کو دور کرے۔ مساجد میں دنیاوی گفتگو ہونے لگے۔ قبیلہ خاندان کے سرادبد دین اور بداخلاق قوم کے ذمہ دار بن جائیں۔ انسان کی عزت اس سے کیجائے

ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث و یعلم ما فی الارحام و ما تدری نفس ما ذا تکسب غدًا و ما تدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر۔

یقیناً اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی بارش نازل فرماتا ہے اور (رحم مادر) میں کیا ہے اس کا علم رکھتا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کریگا اور کوئی یہ نہیں جانتا کہ اسکی موت کس سرزمین میں واقع ہوگی بے شک اللہ جاننے والا خبر رکھنے والا ہے۔

پھر اس نے کہا احسان کیا ہے تو آپ یوں گویا ہوئے کہ خدا کی عبادت اس طرح کرو، گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اللہ کو نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے پھر اس نے سوال کیا کہ آپ مجھے علامات قیامت سے آگاہ فرمائیے آپ نے ارشاد فرمایا۔

ان تلد الامۃ، ربتھا ان تری الحفاۃ العراۃ العالۃ رعاء الشاۃ یتطاولون علی البنیان۔

جنم دیگی باندی اپنے آقا کو دیکھیگا تو ننگے پیر والے لوگ، ننگے بدن والے لوگ اور بکریاں چرانے والے لوگ بلند بلند عمارتیں تعمیر کرینگے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق آج کے اس دور میں وہ لوگ جنہیں ایک زمانے میں پہننے کے لئے کپڑا اور کھانے کے لئے روٹی میسر نہیں تھی وہ لوگ آج وسیع اور عریض عمارتیں تعمیر کر رہے ہیں اور عمارت پر عمارت تعمیر کرنا ان کے لئے معمولی چیز بن گئی ہے اور عمارتوں کو تعمیر کر کے ان پر فخر کرنا زندگی کا مشغلہ بن گیا ہے۔

حضرت طلحہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرب قیامت کی علامت عرب کی تباہی ہوگی (بیہقی در منثور) چنانچہ آج عرب کی حالت جس قدر خستہ ہو چکی ہے یہ کسی سے مخفی نہیں۔ ایک وہ دور بھی تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے عرب کو تباہی کے شکنجے سے نجات دیا چنانچہ اسکا اظہار خالق کائنات نے ان الفاظ میں کہا ہے۔

الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل الم یجعل کیدھم فی تضلیل، وارسل علیھم طیرًا ابابیل ترمیھم بحجارۃ من سجیل فجعلھم کعصف ماکول۔

کیا نہیں دیکھا تو نے کیسا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ۔ کیا نہیں کر دیا ان کے داؤ کو غلط اور بھیجا ان کی جانب اڑتے جانوروں کی ٹکڑیاں پھینکتے تھے ان پر کنکریاں پھر کر ڈالا انہیں جیسے بھس کھایا ہوا۔

اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بابرکت اور معزز گھر کو دشمنان اسلام سے بچالیا اور اپنے نیک بندوں کی امداد فرمائی لیکن آج اس کے برعکس ہو رہا ہے۔ اسرائیل کے ناپاک ہاتھوں نے مسجد اقصیٰ کو جلا دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مال غنیمت گھر کی دولت سمجھی جانے لگی اور امانت غنیمت جان کر دبالی جائے اور مرد اپنی بیوی کی اطاعت کرنے لگے اور ماں کو ستائے دوست کو قریب کرے اور باپ کو دور کرے۔ مساجد میں دنیاوی گفتگو ہونے لگے۔ قبیلہ خاندان کے سردار بددین اور بداخلاق قوم کے ذمہ دار بن جائیں۔ انسان کی عزت اس سے کیجائے

کہ وہ شر نہ پھیلائے (یعنی خوف کی وجہ سے) گانے بجانے والی عورتیں اور گانے بجانے کے سامان کی کثرت ہو جائیگی شراب نوشی عام ہونے لگے گی اور بعد میں آنے والے لوگ امت کے پچھلے نیک لوگوں پر لعنت کرینگے۔ اس زمانہ میں سُرخ آندھی کی انتظاری کرو اور صورتیں مسخ ہو جانے اور آسمان سے پتھر برسنے کی بھی انتظاری کرو جو پے در پے اس طرح رونما ہونگی جیسے کہ لڑی کا تاگہ ٹوٹ جائے اور پے در پے گرنے لگیں'' (ترمذی شریف)

مذکورہ حدیث میں جن باتوں کی نشان دہی کی گئی ہے وہ تمام اس وقت موجود ہیں۔ اسکی شرح کرتے ہوئے صاحب لمعات لکھتے ہیں کہ :۔

المراد فی الحدیث ان الاغنیاء واصحاب المناصب یتداولون اموال الغنیمۃ ویمنعون مستحقھا ویستاثرون بحقوق الفقراء۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ سرمایہ دار عہدہ دار لوگ مالِ غنیمت کو جو عام مسلمان فقراء و مساکین کا حق ہوتا ہے خود آپس میں بانٹ کھائیں گے اور مستحقین کو دینے کے بغیر فقراء کا حق خود دبا بیٹھیں گے جیسا کہ آج یہ تمام چیزیں ہم پر آشکارا ہو چکی ہیں جس سے شاید ہی کوئی فرد ناواقف ہو۔

والامانۃ مغنما اور امانت غنیمت جان کر دبالے جائے۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی امانت رکھ دے تو اس میں خیانت کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہ کیا جاوے اس کو بالکل اسی طرح خرچ کیا جاوے جیسے کہ اپنا ہی مال ہو۔ اور میدان جہاد سے بطور غنیمت ہاتھ آیا ہو یا باپ دادا کی میراث ہاتھ آئی ہو۔

والزکوٰۃ مغرما اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے یعنی زکوٰۃ دینا نفس پر اتنا ناگوار گذریگا جیسے خواہ مخواہ کسی شئی کا تاوان دینا پڑے۔

واطاع الرجل امراتہ وعق امہ اور مرد بیوی کی عزت کرے اور ماں کو ستائے۔

یعنی بیوی کی ہر جائز و ناجائز خواہش پوری کی جائے اور ماں کی خدمت کے بجائے اس کو ایذا پہنچائے۔ اور اس کے آرام و راحت کا خیال نہ کرے، اس کا کہنا نہ مانے۔ موجودہ دور میں ویسا ہی ہو رہا ہے۔

وادنی صدیقہ وجفا اباہ یعنی دوست کے ساتھ نیک سلوک اور باپ پر ظلم کرے جیسا کہ آج ہم ایسے واقعات اپنے آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کیونکہ لوگ ماں باپ کی خدمت سے غافل ہیں۔ حالانکہ احادیث میں وسعتِ رزق اور عمر بڑھنے کا اصلی سبب رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوکی کو بتایا گیا ہے۔

وظھرت الاصوات فی المساجد

اور مسجدوں میں شور ہونے لگے یعنی مساجد کی عزت و وقعت دلوں سے جاتی رہیگی اور شور و غل چیخ و پکار سے گونج اٹھیں گی۔ خصوصاً آجکے اس دور میں مساجد کے ساتھ کیا برتاؤ ہو رہا ہے ظاہر ہے۔ عیاں راچہ بیاں۔

وساد القبیلۃ فاسقھم وکان زعیم القوم ارذلھم بددین لوگ خاندان کے سردار اور فاسق لوگ قوم کے ذمہ دار بن جائیں گے۔ بالکل آج یہی ہو رہا ہے، دیندار اور متقی انسان کو خاندان کی باگ ڈور

سونپی نہیں جاتی۔ جب کوئی جماعت یا پارٹی بنے تو اس کے مقاصد خالص دینی و اسلامی ہوں۔ مگر اس کے صدر و سکریٹری کیلئے ایسے آدمی کا انتخاب کیا جاتا ہے جس میں دینداری پرہیزگاری خداترسی، رحم و کرم، زہد اور دیانت و امانت وغیرہ اوصافِ حسنہ نام کو بھی نہ ہوں۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یقیناً قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ مسجد والے (امامت کیلئے) ایکدوسرے کو ڈھکیلینگے اور کوئی امام نہ پائیں گے جو انہیں نماز پڑھائے۔ (مشکوٰۃ شریف)

یہ ان لوگوں کی امامت کے لئے پیشقدمی کرنے سے انکار کرنا امامت کی فوقیت و بزرگی کو جان کر یا اپنے آپ کو امامت کے لئے نااہل جان کر نہیں بلکہ مسائل دینیہ کی لاعلمی کی وجہ سے یا اس فلسفہ کو جانتے ہوے کہ مقتدیوں کی ذمہ داری بہت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زمانہ قریب قریب ہوجائیگا (یعنی تیزی کے ساتھ گزرنے لگیگا) سال کم ہوجائینگے (یعنے جلد ختم ہوجائیں گے) پھل کم ہوجائیں گے۔ (طبرانی)

پھل کم ہونے کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ پھل کم پیدا ہوں۔ دوسرا یہ کہ چھوٹے چھوٹے پیدا ہوں۔ یہ دونو صورتیں مُراد ہوسکتی ہیں۔ پچھلی صدیوں میں پھل مقدار میں کتنے بڑے ہوتے تھے اس کا کسی کتاب سے حوالہ نہیں۔ البتہ امام داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میں نے ایک ککڑی تیرہ ۱۳ بالشت کی ناپی ہے۔

قارئین کرام اب تک جن جن احادیث کو بیان کیا گیا ہے وہ تمام آج کے اس دَور میں حرف بحرف صادق آرہی ہیں، جن سے کسی کو مفر نہیں۔ قربان جائیں اس ہادی و رہنما پر جو ان علامات کو آج سے چودہ سو سال پیشتر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آگے ارشاد فرمائے۔ جس کا تفصیلی نقشہ ہمارے پیش نظر آئینہ کی طرح ظہور پذیر ہورہا ہے۔

سائنسدان اپنے طویل غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ سورج اور دیگر ستاروں میں جو روشنی پائی جاتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ تمام ہیڈروجن کے بنائے ہوتے ہیں، ایکدن ایسا آئے گا کہ یہ تمام ہیڈروجن ختم ہوجائیگا۔ اور ایک بے جان جسم کی طرح ایک جانب لڑھک جائیگا۔

خداوند عالم کا کلام جو سارے علوم و فنون کا منبع و مخزن ہے چنانچہ وہ یوں کہہ رہا ہے :-

اذا الشمس کورت	جب سورج پھٹ جائیگا
واذا النجوم انکدرت	اور ستارے پراگندہ ہوجائینگے

خداوندِ قدوس کا ارشاد اور سائنسدانوں کا یہ قول یہ دونوں اس بات پر دال ہیں کہ سورج کو ایکدن فنا ہونا ہے اور اس کے فنا کے ساتھ ہی قیامت قائم ہوجائیگی، الغرض قرآن مجید اور احادیث کے ارشادات کے موافق اور سائنسدانوں کے اقوال کے مدنظر قیامت کے واقع ہونے کے لئے کوئی زیادہ مدت باقی نہیں ہے۔

موجودہ دَور میں اسکے علامات علانیہ ظہور پذیر ہورہے ہیں جسکا صحیح قیاس وہی کرسکتا ہے جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور دَور حاضرہ کے جدید معلومات پر تحقیق کی نظر دوڑائے۔

تمت بالخیر

انتخاب کلام

پیش کنندہ
کے یم۔ شاکر اللہ ندیلی
متعلم دار العلوم لطیفیہ
بمکان حضرت قطب ویلور
قدس سرہ العزیز

(۱) لیس الیتیم الذی قد مات والدہ
ان الیتیم یتیم العلم والادب
یتیم وہ نہیں ہے جسکے والد انتقال کر گئے ہوں
بلکہ یتیم وہ ہے جو علم اور ادب سے بے بہرہ ہو

(۲) العلم فیہ حیاۃ للقلوب
کما تحیا البلاد اذا ما مسہا المطر
علم سے دلوں کو ایسی زندگی حاصل ہوتی ہے جس طرح
خشک زمین بارش سے لہلہا اٹھتی ہے۔

(۳) والعلم یجلو العمی عن قلب صاحبہ
کما یجلی سواد الظلمۃ القمر
علم دل کے اندھے پن کو اسطرح دور کرتا ہے جس طرح
چاند گھپ اندھیرے کو دور کرتا ہے۔

(۴) العلم ینہض بالخسیس الی العلا
والجہل یقعد بالفتی المنسوب
علم ایک حقیر آدمی کو بھی اونچا بنا دیتا ہے اور جہالت
حسب ونسب والے خاندان کو بھی لے ڈوبتی ہے۔

(۵) خیرنا افضلنا معرفۃ
واذا عرف اللہ عبد
ہم میں سب سے افضل وہ ہے جو علم و معرفت میں بڑھا ہوا ہو
کیونکہ خدا کو پہچاننے کے بعد ہی صحیح عبادت ہوتی ہے۔

(۶) لولا العقول لکان ادنی ضیغم
ادنی الی شرف من الانسان
اگر عقلیں نہ ہوتیں تو ادنی شیر بھی انسان کے شرف کو پہنچ جاتا۔

(۷) اماوی ان المال غاد ورائح
ویبقی من المال الاحادیث والذکر
بے شک مال صبح آنے والا اور شام جانے والا ہے
مال سے باقی رہنے والی صرف یادیں اور باتیں ہیں

(۸) اذا المرء لم یدنس من اللؤم عرضہ
فکل رداء یرتدیہ جمیل
اگر آدمی اپنی آبرو کو بچا لیجائے تو جو بھی لباس
پہنے گا باعث زیب و زینت ہوگا۔

(۹) والنفس کالطفل ان تہملہ شب علی
حب الرضاع وان تفطمہ ینفطم
نفس شیر خوار بچے کے مانند ہے اگر تو اسکو چھوڑ دیگا تو یہی بچہ
جوان ہو جائیگا دودھ کی محبت اگر چھڑا دے گا تو وہ چھوڑ دیگا۔

(۱۰) واخش الدسائس من جوع ومن شبع
فرب مخمصۃ شر من التخم
بھوک اور سیری کی برائیوں سے ڈر بسا اوقات
بھوکا رہنا سیری سے بھی زیادہ برا ہے۔

شعرائے عرب

از
مولوی کے بیس صبغۃ اللہ
لطیفی
کانجی پورم، زمرۂ تاسعہ
دارالعلوم لطیفیہ ویلور

تاریخ ادب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نظم کو نثر پر اولیت حاصل ہے اثر انگیزی کے ساتھ ادائے مطالب و اظہار مدعی کے لئے شعر اپنا دامن وسیع رکھتا ہے۔ چونکہ عرب جغرافیائی اثرات کے تحت اپنے بود و باش کی وجہ انہوں نے صنفِ کلام میں شعر ہی کو ترجیح دی ہے تشبیب و تغزل، قصائد و مراثی رزمیہ و بزمیہ مواد بیان کرنے کے لئے انہوں نے شعر و کلام موزوں کا سہارا لیا شعر لفظا شعور سے مشتق ہے۔ اس لئے شاعر کو شعر کہتے ہیں کیونکہ اس کا شعور و ادراک وروں سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہر زمانے کی قوت اور شعور و ادراک کے اعتبار سے شاعری میں بھی فرق و تبدیلی ہوتی رہی۔ اسی حیثیت سے نام بھی بدلتے رہے مثلاً اعلیٰ درجہ کے شاعر کو شاعر، اس سے کم درجہ والے کو شویعر اور اس سے کم کو شعرور، اس سے کم درجے والے کو متشاعر کہتے ہیں۔ ایک شاعر نے ان طبقات میں سے بعض کو اپنے ان خمسہ میں بیان کیا ہے۔

الشعراء فی الزمان اربعة - فواحد یجری ولا یجری معه
وواحد یجول وسط المعمعه - وواحد لا تشتهی ان تسمعه
وواحد لا تستحی ان تصفعه

(صناجة الطرب فی تقدمات العرب)

شاعری دراصل خالص فطری جذبات کے اظہار کا نام ہے اور تمدن کے زمانے میں کوئی فطری حالت باقی نہیں رہتی بلکہ بناوٹ اور نقالی کا اثر آجاتا ہے۔ اس کے علاوہ تمدن کے زمانہ میں جذبات کا جوش و خروش نہیں رہتا جو شاعری کی جان ہے۔ شعر کہہ لینا تو ایک آسان بات ہے لیکن اہل عرب کو اس میں کامل مہارت تھی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ شاعری ان کی فطری و جبلی چیز ہے۔ کسی قوم اور ملک کے باشندوں کو یہ کمال نصیب نہیں ہوا۔ چونکہ ان کی زندگی خیمہ میں بسر ہوتی تھی اور ان کا گذارہ اونٹ اور بھیڑ بکری کے دودھ اُون اور شکار کے گوشت پر ہوتا تھا۔ یہی ان کا سرمایہ اور ان کی دولت تھی۔ عرب کے صحرا میں جہاں ان کو پانی گھاس اور چارہ میسر آتا وہاں وہ ان کے خیمے نصب کرتے تھے اور کئی ایک خاندان اسی جگہ اپنے خیمے نصب کرکے آباد ہوتے تھے۔ اس قیام کے دوران خاندانوں میں ایکدوسرے سے عشق و محبت کے تعلقات پیدا ہوئے تھے۔ جب وہاں پانی اور گھاس ختم ہوجاتا تو ہر ایک خاندان اپنی طبیعت اور منشا کے مطابق جدھر جی چاہا چلا جاتا۔ پھر اسی طرح سیر و سیاحت کے موقعہ پر اسی جگہ جہاں آپس میں تعلقات پیدا ہوئے تھے گذر ہوتا تو منزل جاناں کے کھنڈرات دیکھ کر عشق و محبت کے واقعات کو یاد کرکے عاشقانہ اشعار پڑھتے۔ ان میں ایسا سوز و گداز ہوتا کہ پتھر بھی پانی ہوجاتا۔ یہ اشعار اُمّی اور جاہلوں کی زبانوں سے نکلنے کے باوجود لطافت اور شعر و سخن کے تمام اوصاف سے بھرپور ہوتے تھے۔ یہ ان کا موروثی وصف تھا اور شعر و شاعری ان کے خمیر میں تھی۔ اس کا چرچا ہر محفل اور ہر گھر میں تھا۔ اس کے ذریعہ سے بڑے بڑے معرکوں میں فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوتے تھے اور اسی کے سہارے

قبیلوں کی سرداری کا منصب حاصل ہوتا تھا۔

قوم عرب اگرچہ ایک زمانے سے ہے لیکن اس زبان کی شاعری کا پتہ اسلام سے ڈیڑھ سو برس کے آگے ہی سے چلتا ہے، چنانچہ ایچ اے۔ آر۔ گب نے اپنی کتاب "مقدمۂ تاریخ ادبیاتِ عرب" میں لکھا ہے کہ قدیم ترین شعراء جن کا کلام ہم تک پہنچا ہے چھٹی صدی عیسوی کے نصف اول سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے کلام میں لطافت اور لچک پائی جاتی ہے۔ ان کو زبان پر اتنا عبور حاصل تھا کہ ان کے جانشین کسی زمانے میں بھی ان سے سبقت لے جا نہیں سکتے اور واقعہ بھی یہی ہے، وہ ان پڑھ اور جاہل ہونے کے باوجود فصاحت و بلاغت کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔

جزیرہ میں جتنی قومیں آباد تھیں۔ یہودی نصرانی یا مجوسی وہ سب عربوں کی شعر و شاعری سے متاثر ہوئیں اور وہ خود بھی اس میں حصہ لیا کرتے تھے اور اس طرح سے عربوں کے بہت سے اخلاق و عادات اور تصورات غیر محسوس طور پر ان میں رواج پا گئے۔ ہر سال تمام شعرا کا اجتماع زمانۂ جاہلیہ میں عکاظ نامی بازار کے میلے میں ہوتا تھا اور وہ اپنے اشعار کو عام لوگوں و شعراء کے سامنے پیش کرتے تھے اور ان کے درمیان مقابلہ ہوتا جس کا کلام پسند آجاتا تو چاروں طرف سے داد و تحسین کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔ ان کا کوئی کلام فصاحت و بلاغت سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ یہ ان کی کسبی چیز نہ تھی بلکہ قدرت نے ان کی سرشت میں یہ کمال ودیعت فرما دیا تھا۔ سحبان وائل باہلی، باہلہ شاعروں اور خطیبوں میں سے تھا۔ اس کا یہ شعر اسکی شعری قوتوں کا آئینہ ہے:

لقد علم الحی الیمانون اننی
اذا قلت اما بعد انی خطیبها

مورخین کرام لکھتے ہیں کہ اس نے ایک دن دو قبیلوں میں صلح کرانے کے لئے کئی گھنٹے خطبہ پڑھا، مگر ایک لفظ بھی اس طویل خطبے میں مکرر نہیں لایا۔ اس وجہ سے عرب کسی کی فصاحت و بلاغت کی داد دیتے وقت **اخطب من سحبان** کہتے ہیں۔ ابو داؤد نے لکھا ہے کہ عرب میں کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا جس کو نظم کا سلیقہ نہ رہا ہو اس میں بچے، بوڑھے، جوان مرد و عورت کسی کی تخصیص نہ تھی۔ ہر ایک میں یہ گراں قدر ملکہ کم و بیش پایا جاتا تھا، عموماً بالطبع شاعری کرتے تھے۔ ابو داؤد کے علاوہ دیگر مورخین نے بھی تحریر کیا ہے کہ عرب کی شاعری فی البدیہہ ہوا کرتی تھی اور ان کے اشعار میں عروض بیان کی تمام چیزیں پائی جاتی تھیں۔ اس لئے علماء نے کسی جگہ تمثیل بیان کرنا ہو تو وہاں شعراء عرب کے اشعار کو پیش کرتے ہوئے بیان معانی و بدیع کے مسائل سمجھایا ہے جیسا کہ صاحب مختصر المعانی اور صاحب بیضاوی وغیرہ نے لغوی تحقیق و قواعد کو بیان کرنے کے لئے تمثیلاً پیش کیا ہے۔

ان میں قومی حمیت و تعصب بھی بلا کا تھا، اگر کسی سے ثار (بدلہ) لینا ہوتا تو ان کا قومی شاعر اشعار کے ذریعہ ان کو بدلہ لینے پر ابھارتا تھا۔ عمرو بن کلثوم کے ایک قصیدہ نے قبیلۂ تغلب کو دو سو برس تک غیرت اور شجاعت کے نشہ میں چور رکھا۔ اس قبیلہ کے ایک ایک بچے کو پورا قصیدہ یاد رہتا تھا اور اس کو محفل عام میں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، لیلۃ الہریر کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں بھاگ نکلنے کے لئے بالکل تیار ہو چکے تھے۔ محض ان اشعار نے ان کو روک دیا۔

وقول کلما جشأت وجاشت
مکانک تحمدی اوتستریحی

لادفع کلما ماثر صالحات
واحمی بعد عن عرض صحیح

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلے کیلئے کفار، جو بار بار مدینہ پہ چیڑھائیاں کرتے تھے ان میں متعدد جنگیں شعراء ہی نے برپا کی تھیں۔

سب سے پہلا شاعر جس نے قصیدہ کی ابتدا کی مہلہل بن ربیعہ ہے جو امراء القیس کا ماموں تھا۔ فرزدق کہتا ہے ؎

ومهلهل الشعراء ذاك الاول

امراء القیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً چالیس برس پہلے گذرا ہے اس لئے مہلہل کا زمانہ بھی امرأ القیس سے قریب ہی کا زمانہ ہے۔ یہ بات عرب کی تاریخ کا طغرائے زرین ہے کہ وہاں شاعری کی ابتداء شریفانہ اور مردانہ جذبات سے ہوئی جو ہمیشہ سے جنگجو، بہادر، مہمان نواز خود دار اور بلند ہمت تھے، انہیں باتوں کو نظم میں ادا کرتے تھے اور یہی ان کی شاعری تھی۔ کوئی قبیلہ کسی شاعر کی خانہ جنگیوں میں کسی قسم کی مدد کرتا، تو شکریہ کے ساتھ اس کا ذکر کرتے مثلاً امراء القیس نے بنو تمیم کی مدح میں کہا ؎

اقر حشا امرأ القیس بن حجر
بنو تمیم مصابیح الظلام

دیگر بات یہ ہے کہ ہر سال حج کے موسم میں کعبۃ اللہ کے ستون پہ بہت سے قصائد لٹکائے جاتے تھے۔ زائرین ان قصائد کو پڑھتے اور جن قصائد میں فصاحت وبلاغت حد درجہ پائی جاتی تو ان کو کتابی شکل میں لے آتے۔ زمانہ جاہلیت میں بہت سے قصائد کعبۃ اللہ کے ستون پہ لٹکائے جاتے اور جو بلند معیار پہ اترتے ان قصائد کو کتابی شکل دی گئی جس میں سات شعرائے کے قصائد تحریر ہیں جس کو آج سبعہ معلقہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جو فصاحت وبلاغت کا نمونہ ہے۔

یہ قصائد شعراء جاہلیت کے ہونے کے باوجود ہر زمانہ میں عزت ووقعت کی نظر سے دیکھے گئے اور ان کی عظمت ورفعت ہر دور میں مسلّم رہی یہاں تک کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ "سبعہ معلقات" کو اسی کی فصاحت وبلاغت سے متاثر ہو کر ان کو سجدہ کیا کرتے تھے، اور ان کو ان قصائد پہ ناز تھا، وہ اپنے کلام کو انہی کی کسوٹی پہ جانچتے تھے۔ غور کا مقام ہے کہ میدان جنگ میں لڑنے کے لئے آنا اور ہزاروں تیر اندازوں، نیزہ بازوں اور تلواروں کا مقابلہ کرنا ایک ایسا امر ہے کہ جس میں انسان کے ہوش وحواس باقی نہیں رہتے۔ لیکن یہی بہادر قوم تھی کہ عین معرکہ آرائی کے وقت رجز میں ایک ایک شخص پچاسوں شعر فی البدیہہ کہہ دیتا تھا۔ جب ایک آدمی دوسرے پر غالب آجاتا اور اس کو مار دیتا تو فوراً اس فخریہ طور پر کئی اشعار فی البدیہہ کہہ دیتا تھا۔ ہر ہر موقعہ پہ شعر ہر ایک جھگڑے میں شعر، سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، شاید ہی کوئی ایسا موقعہ ہوگا جس میں وہ شعر نہ کہے ہوں۔ عرب ہر قسم کے کلام میں فصاحت وبلاغت کا پورا حصہ لیا کرتے تھے خواہ نظم ہو یا نثر، خطبہ ہو، یا مناظرہ اور مقابلہ۔ شعراء میں نابغہ۔ ذبیانی غطفانی بھی عطاظ میں ہر سال شریک ہوا کرتے تھے۔ اس کا نام زناد بن معاویہ بن جناب اور کنیت ابوامامہ ہے۔ یہ شخص شعرائے جاہلین کے طبقہ اولی سے تعلق رکھتا ہے اور اس کو اصحاب مجمہرات میں شمار کیا جاتا ہے لیکن بعض کا قول ہے کہ یہ اصحاب معلقات سے ہے۔ مگر تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ، یہ

یہ اصحاب مجمہرات ہی سے ہے۔ اس کا قصیدہ تو سبعہ معلقات میں نہیں ہے لیکن صاحب مناجۃ الطرب فی تقدمات العرب" نے اس کا شمار شعراء جاہلین کے طبقۂ اولیٰ اور اصحاب مجمہرات میں کیا ہے۔
بازار عکاظ کے میلہ میں ہر سال بڑے بڑے شعراء جمع ہوتے اور ایک خیمہ نصب ہوتا تھا۔ وہیں تمام شعرا بیٹھ جاتے اور اپنے اشعار نابغہ کے روبرو سناتے۔ اگر اس میں کچھ غلطی واقع ہوتی تو نابغہ فوراً اس کی اصلاح کر دیتا اور یہ شاعری میں یدطولیٰ رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے تمام شعراء اس سے اصلاح لیتے تھے۔ ملک نعمان بن منذر اس کی بڑی قدر و منزلت اور خوب آؤ بھگت کرتا تھا بلکہ نابغہ اس کے خاص مصاحبوں میں تھا۔

شعراء کی قدر تمام دنیا میں ہمیشہ سے ہوتی آئی ہے سلطنتوں نے ہمیشہ ان کی قدر کی ہے اور قوموں نے ان کے دل بڑھائے ہیں۔ عرب میں شاعر قوم کی آبرو سمجھا جاتا تھا۔ جب کسی قبیلہ میں کوئی شخص شاعری میں ممتاز ہوتا تو دیگر قبائل کے افراد آکر اس قبیلہ کو مبارکباد دیتے اور سب مل کر خوشیاں مناتے اور قبیلوں کی عورتیں بھی مختلف زیورات سے مزین ہو کر آتیں اور فخریہ اشعار گاتیں کہ ہم میں ایسا شخص پیدا ہوا جو تمام قبیلوں کی لاج رکھنے والا اور ان کے نسب اور زبان کی حفاظت کرنے والا ہے۔

شعرائے عرب کا ایک طبقہ جو اپنی قوت شعری کو بادشاہوں کی مدح سرائی و قصیدہ خوانی میں صرف کرتا اور مختلف موسم و عید و تہوار کے موقعہ پر ایک دربار میں حاضر ہوتا اور انعامات و تحائف سے بہرہ ور ہوتا۔ اس سلسلہ کا پہلا شخص جس نے بادشاہ کی مدح سرائی میں اپنی قوت کلام کو صرف کیا وہ عربی کے مشہور شاعر اور ارباب معلقات میں سے ہے جس کا نام زہیر بن ابی سلمیٰ ہے جس نے ہرم بن سنان کی مدح کی تو اس نے اپنی خود داری کو ہاتھ سے جانے نہ

دیا کہ ہرم نے جب یہ حکم دیا کہ زہیر جس وقت دربار میں آئے، اور مجھ کو سلام کرے تو اس کو تحفہ و تحائف سے نوازا جائے۔ اس حکم کے بعد زہیر جب کبھی دربار میں جاتا تو یہ کہہ دیتا کہ بادشاہ کے علاوہ سب کو سلام کرتا ہوں"۔

ابن رشیق نے شاعری کی ابتدا اور رفتہ رفتہ مختلف قبیلوں میں پھیلنے کا ایک سلسلہ بیان کیا ہے جس کو اجمالاً زیب قرطاس کرتا ہوں۔

قبیلہ ربیعہ [1]

اس قبیلہ کے مشہور شعراء یہ ہیں:۔
مہلہل بن ربیعہ۔ طرفہ بن عبد۔ حارث بن حلزہ۔ متلمس۔ اعشیٰ۔ ان میں سے دو شاعر سبعہ معلقہ والے ہیں۔

بنو قیس [2]

اس قبیلہ میں نابغہ ذبیانی، نابغہ جعفری۔ زہیر ابن ابی سلمیٰ۔ کعب بن زہیرؓ۔ لبید بن ربیعہؓ۔ حطیہ۔ شماخ مشہور شعراء گذرے ہیں۔ ان میں بھی دو سبعہ معلقہ والے ہیں۔

تمیم

اس قبیلہ میں مدت تک شاعری قائم رہی اوس بن حجر اسی قبیلہ کا مشہور شاعر تھا۔ ابتدا میں صرف قصیدے کہتا تھا رجز دو تین شعر سے زیادہ نہیں ہوتے تھے جو معرکۂ جنگ، یا مفاخرت وغیرہ کے موقعہ پر بے اختیار شاعر کی زبان سے نکل جاتے تھے۔ سب سے پہلے عجاج نے رجز کو وسعت دی اور تمام وہ خیالات ادا کئے جو قصائد میں ادا کئے جاتے تھے۔ رؤبہ بن عجاج نے اسکو

اور مزید ترقی دی۔ یہ دونوں بنو امیہ کے زمانے میں گذرے ہیں۔

(مقالات شبلی)

ابو عبیدہ تحریر کرتے ہیں کہ جاہلیت کے شعراء قیس کے قبیلہ سے تھے اور اسلام کے شعراء بنو تمیم والے اعلیٰ درجے کے شاعر مانے جاتے تھے مثلاً جریر۔ فرزدق، اخطل۔ کہ ان سے بہتر شعر اسلام میں کسی نے نہیں کہا۔ یہاں یہ چیز ثابت کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ جاہلیت اور اسلام کے شعرا اپنے اپنے زمانے کے اعتبار سے چار طبقے کے تھے۔ تین طبقے تو ایسے ہوئے ہیں جن کی فطرت میں شاعری داخل تھی گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے انہیں تمام اجزائے بدن و روح میں سے ایک جز شاعری کا بھی ودیعت کیا ہے۔ چنانچہ وہ زمانہ ایسا تھا کہ ان لوگوں کو متاخرین کے اختراعی قواعد کا ذرا بھی سرمایہ موجود نہ تھا بلکہ ان کی شعر گوئی کا تعلق صرف فطرت سے تھا۔ پہلے طبقہ کے شعرا تو جاہلی تھے۔ یعنی وہ لوگ اسلام سے پہلے گذر چکے ہیں یا عہد اسلام میں تو رہے مگر اس کے مخالف تھے اور وہ مشرف باسلام نہ ہوئے۔ مثلاً امراء القیس اور امیہ بن صلت وغیرہ۔ دوسرے طبقے کے شعراء مخضرمین تھے یعنی جاہلیت کے زمانے کے تھے مگر ظہور اسلام کے بعد مسلمان ہو گئے۔ جیسے حسان بن ثابتؓ اور کعبؓ بن زہیر اور لبیدؓ وغیرہ۔ تیسرے طبقے کے شعراء محدثین کہے جاتے تھے جیسے معری، ابن رومی۔ (یہ لوگ قرن ثالث میں بہت ہی اعلیٰ درجہ کے شاعر مانے جاتے تھے) مگر ان کے اشعار ان اختراعی قواعد کے مطابق ہونے لگے جن کو متاخرین نے مرتب کیا ہے۔ اسی وجہ سے ان کے کلام میں آورد اور تصنع کا رنگ غالب ہے۔ ان کے اشعار میں برجستگی اور بے ساختگی کا پہلو بہت کم ہے اسی وجہ سے شعراء متاخرین نے اگلے تین طبقات کے شعرا کی نظموں

اور قصیدوں کو جمع کرتے ہیں تاکہ ان کو دیکھ کر سبق حاصل کریں۔

اور عنوان شاعری سمجھ میں آئے اور اس مجموعے کا نام سبعہ اسابیع رکھا ہے اور ہر ایک حصّہ کا عنوان علیحدہ علیحدہ ہے۔ ہر حصے کے نام حسب ذیل ہیں:-

معلقات، مجمہرات۔ منتقیات۔ مذہبات مراثی۔ مشوبات۔ ملحمات۔

قصائد سبعہ معلقات میں اولیت کا شرف امرأ القیس بن حجر کندی کے قصیدے کو حاصل ہے۔ اسکی کنیت ابو وہب ہے۔ ملک ضلیل اور ذوالقروح بھی اس کو کہتے ہیں۔ اسے عہد طفولیت ہی سے شعر گوئی اور غزل سرائی کا چسکہ تھا یہی وجہ تھی کہ اس کے باپ نے اسے گھر سے نکال دیا تھا کیونکہ اس زمانے کا یہ رسم و رواج تھا کہ شہزادے شعر و شاعری سے بے نیاز رہیں۔ یہی وہ پہلا شاعر ہے جس نے غزل کے رنگ میں شعر کہا اور عورتوں کی تعریف کی ہے اور اس کے اکثر اشعار عشقیہ ہیں اور سبعہ معلقہ میں جو قصیدہ اس نے کہا ہے وہ اپنی محبوبہ کی تعریف میں ہے۔ اس قصیدہ کی ابتداء اس شعر سے ہوتی ہے ؎

قفا نبكِ من ذِكرىٰ حبيبٍ ومنزلِ
بِسقطِ اللوىٰ بينَ الدخولِ فحوملِ

جزیرۂ عرب کے یہود میں بھی اکثر خطبا و شعرا پیدا ہوئے جیسا کہ ابن سلام نے طبقات الشعراء میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مگر ان میں کسی قدیم شاعر کا نام نہیں ہے ان میں بیشتر ظہور اسلام کے وقت موجود تھے یا اس سے پہلے گذر چکے تھے اور سموآل بن عاد یہود کے اصحاب ایوان اور فحول شعرا میں سے ہیں۔ اس کا زمانہ ظہور اسلام سے کچھ پہلے کا ہے سموأل کا شمار مشہور شعرائے یہود میں ہوتا ہے۔ ابو التمام طائی نے اپنی کتاب دیوان حماسہ میں اسکے

اشعار نقل کیا ہے۔ نیز دیگر کتابوں کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عربی شاعری کے عام خصوصیات اسکی شاعری میں بھی بڑی حد تک پائی جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے وہ بہت زیادہ ممتاز ہے۔ اگر انسان اس کے اشعار کو صحیح معنوں میں پڑھے اور اس کے معانی و مطالب کو بخوبی سمجھے تو اسے اعلیٰ اخلاق و کردار سے روشناس ہونے کا موقعہ ملیگا۔ اس کا عہد و پیمان اور امانت و دیانت بھی ضرب المثل ہے اور اس کے اکثر اشعار پند و نصائح سے لبریز ہوا کرتے ہیں۔ اس کا اندازہ ان شعروں سے ہوتا ہے ۔

اذا المرء لم یدنس من اللوم عرضه
فکل رداء یرتدیه جمیلُ

اگر آدمی اپنی آبرو کو بچا لے جائے تو جو بھی لباس پہنیگا باعث زیب و زینت ہوگا۔

تعیرنا انا قلیل عدیدنا
فقلتُ لها ان الکرام قلیل

تو کیوں ہمیں عار دلاتی ہے کہ ہم تعداد میں کم ہیں، میں نے اس سے کہا کہ بے شک شریف لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔

وما اُخمِدتْ نار لنا دون طارق
ولا ذمّنا فی النازلین نزیلُ

اور شب وارد مہمان ہی کیلئے آگ روشن کی گئی اور کسی مہمان نے ہماری میزبانی سے متعلق برا بھلا نہیں کہا۔

کعب بن زہیر اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما کا تعلق شعرائے مخضرمین سے ہے۔ قبول اسلام سے قبل یہ دونوں حضرات اسلام کے خلاف شعر کہا کرتے تھے۔ کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ، نعوذ باللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رسالت میں بھی گستاخانہ شعر کہا کرتے تھے۔ جب اس کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تو آپ نے صحابۂ کرام کو حکم فرمایا کہ ان کو ختم کر دیں۔ کعبؓ بن زہیر نے اس سے نجات پانے کی غرض سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح میں چند اشعار کہا۔ انہیں اشعار کے مجموعہ کو آج قصیدہ بانت سعاد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت کعبؓ کے اشعار سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے کلام میں اغلاق بہت ہے، لیکن فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے وہ ایک بلند پایہ کتاب ہے، اور حسانؓ ابن ثابت بھی اسلام قبول کرنے سے بیشتر اسلام کے خلاف ہجو یہ اشعار کہا کرتے تھے۔ جس وقت یہ مشرف بہ اسلام ہوئے اسوقت آپکی عمر ۶۰ ساٹھ سال کی تھی اور ایمان لانے کے بعد آپ نے ساٹھ سال اسلام میں گذارا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ایکسو ۱۲۰ بیس سال کی عمر پائی۔ اسلام لانے کے بعد کفار کی ہجو اپنے اشعار سے کرتے تھے چنانچہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے ایک منبر بھی بنوایا تھا۔ اسی پر کھڑے ہوکر کفار کو جواب دیا کرتے تھے۔

بنو امیہ کے دربار میں بھی چند مشہور شعراء گذرے ہیں۔ جیسے فرزدق۔ جریر، اخطل، کمیت، طرماح وغیرہ۔

فرزدق

فرزدق تمیمی کی کنیت فراس اور نام ھمام بن غالب بن صعصعہ بن ماجیہ تمیمی ہے۔ لغت میں فرزدق کے معنی (آٹے کا ایک ٹکڑا) جسے پھیلا کے روٹی پکائی جاتی ہے۔ چونکہ یہ شخص بہت جسیم اور فحش گوئی میں بے مثل تھا، اسی سبب سے اس کو فرزدق کہنے لگے۔

فرزدق بصرہ میں پیدا ہوا اور اپنے والد کے ساتھ بصرہ کے ایک دیہات میں زندگی بسر کیا۔ اسے بچپن ہی سے شعر گوئی کا شوق

تھا۔ ایک دن اس کے باپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جنگ جمل کے بعد اسے لے آیا۔ اور اس کے شاعر ہونے کی خبر دی تو آپؓ نے فرمایا اس کو قرآن سکھلاؤ۔ اس کے بعد وہ قرآن حفظ کیا حفظ کے بعد اس نے پھر سے شعر گوئی شروع کی اور دوران حفظ میں اس نے کبھی شعر نہیں کہا۔ ابو عبدالرحمٰن یونس بن حبیب نحوی کا قول ہے کہ فرزدق کا عربی ادب پر بہت بڑا احسان ہے کیونکہ اس کے اشعار نے عربی زبان کے ایک تہائی حصہ کو ضائع ہونے سے بچالیا۔

جریر

یہ عطیہ تمیمی کا بیٹا تھا۔ اس کا نام حذیفہ اور لقب خطفی اور کنیت ابو حرزہ ہے۔ اسلامی شعراء میں اسے ایک بلند مقام حاصل ہے۔ غزل گوئی میں ضرب المثل تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فرزدق کی بہ نسبت اس کے اشعار کا بلند معیار ہے۔ جریر معاویہ کے دور حکومت میں ایک بادیہ نشین تھا۔ یہ وسعت خیال کا مالک ہے اور اسے شعر گوئی سے کافی دلچسپی اور سچی لگن تھی۔ یہ دور اموی کا مشہور ہجو نگار تھا۔ ایک مرتبہ حجاج نے اس کا تعارف عبدالمالک سے کروایا۔ اس کے بعد سے اسکی آمد و رفت دربار میں ہوتی رہی اور عبدالمالک اس کے کلام سے بہت لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ یہ اخطل اور فرزدق کا ہم عصر تھا اور اسکی یادگار ایک دیوان ہے۔

اخطل

یہ عرب کا مشہور شاعر تھا۔ اسے اخطل اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اسکے دونوں کان ذرا ڈھیلے اور لٹکے ہوئے تھے۔ اس کا نام غیاث ابن طارق اور کنیت ابو مالک تھی اور یہ بنو تغلب سے تعلق رکھتا ہے اور یہ مذہباً عیسائی تھا اور دین عیسوی پر ہی تا دم زیست قائم رہا۔ یہ یزید بن معاویہ کا درباری شاعر تھا اور یہ جریر کا ہم عصر رہا ہے اس کے کلام میں معاصرانہ چشمک کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ اس کا ایک دیوان ہے جسکو تاریخ ادب عربی میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اسکی وفات ولید اول کے عہد حکومت کے خاتمہ سے قبل ہوی لیکن ابن عبد ربہ کا کہنا ہے کہ وہ عمر ثانی کے دور تک زندہ رہا۔ علمائے ادب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شعرائے اموی میں کوئی شاعر فرزدق۔ جریر۔ اخطل سے سبقت نہیں لے گیا۔

دور عباسیہ تک عربی شاعری میں صرف حسن و عشق کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ کسی کی مدح سرائی تو کسی کی مرثیہ خوانی وغیرہ وغیرہ اس قسم کی چیزیں شاعری پہ چھائی ہوی تھیں۔ لیکن اٹھارویں صدی کے اختتام میں جب مصر پہ نپولین کا قبضہ ہوا، اس سے مصری عوام کو جہاں نئے علوم و فنون سے سرفرازی ملی اس میں ایک زبردست فائدہ یہ ہوا کہ مغربی تہذیب و تمدن سے شعر و ادب میں جدید رجحانات جنم لئے۔ اس کے بعد ہی عربی شعراء نے نئے نئے خیالات نظم کرنا شروع کیا۔

اسمٰعیل صبری

یہ دور جدید کا بلند پایہ شاعر۔ فرانسیسی زبان کا بہت بڑا ادیب تھا۔ اسکی شاعری قدیم طرز پہ ہے لیکن جدت پسند، جذبات کو من و عن بیان کرتا ہے جسکی وجہ سے شعر میں ایک تاثیر پیدا ہوتی ہے۔

احمد شوقی

اسکے خیالات بڑے وسیع تھے۔ بذات خود فرانسیسی ادب کا مطالعہ کیا اور بڑا عبور حاصل کیا۔ اپنے کلام میں تشبیہات و استعارات سے مزین کرتا ہے جسکی وجہ شعر انتہائی موثر ہوتا ہے۔

سبدِ گل

از سید دستگیر پاشہ عدروس
زمرۂ ثانیہ متعلم دارالعلوم لطیفیہ مکان
حضرت قطب ویلور

(۱)
عمر اوراق پھرانے میں گنوا یا ساری
علم نکتہ میں نہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا
(حضرت قربی رح)

(۲)
نگہ بلند سخن دلنواز جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کیلئے
(اقبال رح)

(۳)
ملے نہ پھول تو کانٹوں سے دوستی کر لی
اسی طرح سے بسر ہم نے زندگی کر لی
(نا معلوم)

(۴)
ڈر کسی کا نہیں ساری شبِ غم اپنی ہے
خوب رو لے دلِ ناکام سحر ہونے تک
(ساکر ناگلی)

(۵)
گو میں رہا رہینِ ستمہائے روزگار
لیکن تمہارے خیال سے غافل نہیں رہا
(غالب)

(۶)
اشکوں سے تر ہے پھول کی ہر ایک پنکھڑی
رویا ہے کون تھام کے دامن بہار کا
(نا معلوم)

(۷)
یہ کیسی بزم ہے اور کیسے اسکے ساقی ہیں
شراب ہاتھ میں ہے اور پلا نہیں سکتے
(نا معلوم)

(۸)
لاکر بھی ہم نے چاند ستاروں سے روشنی
محفل ترے بغیر چراغاں نہ کر سکے
(نا معلوم)

(۹)
بارِ دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو
(نا معلوم)

(۱۰)
جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس انکی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں
(اقبال)

(۱۱)
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اسکے زورِ بازو کا؟
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
(اقبال)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از
قطابس پی عبد الماجد
عاقل، سرا
متعلم دار العلوم لطیفیہ مکان
حضرت قطب ویلور قدس سرہ

(۱) عن معاذ بن جبل قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفاتیح الجنۃ شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ (رواہ احمد)

معاذ بن جبل نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جنت کی کنجی لا الٰہ الا اللہ ہے۔

(۲) عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ والمہاجر من ھجر ما نہی اللہ عنہ ھٰذا لفظ البخاری۔

عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر حقیقتاً وہ شخص ہے جس نے ان چیزوں کو ترک کر دیا جن کے کرنے سے اللہ نے منع کیا ہو۔

(۳) عن ابی ھریرۃ قال سئل رسول اللہ صلعم ای الاعمال افضل؟ قال ایمان باللہ و برسولہ قیل ثم ما ذا؟ قال الجہاد فی سبیل اللہ قیل ما ذا؟ قال ثم حج مبرور۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے حضور اکرم صلعم سے پوچھا گیا کون سا عمل افضل ہے۔ آپ صلعم نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ سائل نے کہا اس کے بعد کونسا عمل افضل ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ سائل نے پھر دریافت کیا کہ اسکے بعد کونسا عمل افضل ہے۔ آپ نے فرمایا وہ حج جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول کر لیا ہو۔

(۴) عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تحقرن من المعروف شیئاً وان من المعروف ان تلقی اخاک بوجہ طلق وان تفرغ من دلوک فی اناء اخیک۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی نیک کام کو حقیر مت سمجھو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا، ڈول کا پانی اپنے بھائی کے برتن میں انڈیل دینا بھی نیکی ہے۔

(۵) عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال لم یکن رسول اللہ فاحشا ومتفحشا وکان یقول ان من اخیارکم احسنکم اخلاقا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نہ کوئی بیحیائی کی بات زبان سے نکالتے نہ کوئی تہذیب سے گرا ہوا کام کرتے یہانتک کہ آپ دوسروں کو برا بھلا بھی نہیں کہتے تھے بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں بہتر وہی لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں۔

میری زندگی کے شیریں اور تلخ تجربے

از جناب
عبدالحی صاحب ضیا قریشی
B.A. B.T. D.P.E.
ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس۔
اردو برانچ سیلم مدراس

طوفاں طوفاں بہتے پھرنا رسوائی ہے کشتی کی
بچ نکلے تو دنیا کو اندازۂ طوفاں کیا ہوگا

دنیا میں کونسا ایسا انسان ہے جسکی زندگی حادثات سے دوچار نہیں۔ خود انسان کا دنیا میں آنا ایک عظیم حادثہ ہے۔ یہ حادثے ہر روز ہوتے رہتے ہیں۔ انہیں حادثوں سے دنیا میں ہلچل، رنگا رنگی اور بوقلمونی پائی جاتی ہے۔ گویا زندگی حادثات کا دوسرا نام ہے۔ کیا ہی مبارک ہیں یہ حادثے جو انسان کو زندگی کا پیغام دیتے ہیں۔

سن 1931 کی بات ہے کہ اک ایسا ہی حادثہ ہمارے گھر بھی رُونما ہوا۔ میں نے اس عالم رنگ بو میں آنکھیں کھول دیں۔ سارا گھر خوشیوں سے جھوم اٹھا۔ مبارک سلامت، سلامت مبارک کی آوازیں، خوشی کے ترانوں اور پیار و محبّت کے گیتوں سے مکان گونجنے لگا۔ کوئی مجھے چومتا چمکارتا تھا اور کوئی گلے لگا لگا کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ اس طرح میں تمام کی خوشیوں کا مرکز بن گیا۔ چند دنوں بعد جب چلنے لگا تو میں جدھر سے بھی گذرتا محبت بھری نظریں میرا تعاقب کرتیں اور میرے استقبال کے لئے بے چین رہتیں۔ دن بہاروں میں گذرتے گئے۔ ماضی، اور حال سے بےخبر یہ مسرت فضاؤں میں پروان چڑھتا گیا۔

میری بسم اللہ خوانی اپنے وقت کی عظیم شخصیت قدوۃ السالکین الحاج الحافظ مولانا مولوی ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کی زبانِ فیض ترجمان سے ہوئی۔ والد بزرگوار حکیم محمد عبدالحی قریشی حیدرآبادی (جو ہزاری حکیم کے نام سے مشہور ہیں) کی سرپرستی میں تعلیمی میدان میں قدم رکھا۔ اُردو میں میری سب سے پہلی معلمہ والدہ محترمہ تھیں۔ آپ نے اردو میں بول چال لکھنا پڑھنا، مضمون نویسی وغیرہ سکھلایا۔ مزید سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے حالات زندگی اور کارناموں سے وابستہ کتابیں فراہم کرتے ہوئے مطالعہ کی سخت تاکید کرتیں۔ میں نے سات سال کی عمر میں کلام پاک ناظرہ مکمل کرتے ہوئے پارۂ عم بھی حفظ کر لیا تھا۔

جس وقت میں مسلم ہائی اسکول ویلور میں داخل ہوا میری عمر صرف گیارہ سال تھی III فارم میں میں سب سے چھوٹا طالب العلم تھا۔

دوسری جنگِ عظیم کا زمانہ تھا۔ سنہ ۱۹۴۳ء میں ایس ایس ایل سی کا امتحان دینے کے بعد فوج میں بھرتی ہوگیا۔ ریکروٹنگ آفیسر نے مجھے فضائی ڈپارٹمنٹ میں شریک کرلیا۔ ابتدائی ٹریننگ لاہور میں ہوی۔ اسی دوران R.A.F نے مجھے فلائنگ کے لئے انتخاب کرلیا۔ چونکہ ہڈکوارٹرس سے آرڈر آنے میں تاخیر ہوگئی، بنگال انجینیرنگ کالج سی پور کلکتہ روانہ کردیا گیا۔ وہاں تعلیم مکمل کرنے کے بعد دہلی

روانہ ہوا جہاں پھر سے میرا انٹرویو لیا گیا۔ بورڈ کے آفیسر
نے عجیب و غریب سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ میں نے تمام کے
بہتر جواب دئے اور فلائنگ میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد
فوراً مجھے سنگاپور جانے کا حکم ملا۔ ہمارا کارگو ویو سپکر جہاز RIVER CREST
جو کئی درجوں پہ مشتمل تھا جس میں پانچسو انگریز اور دس ہندوستانی
افراد تھے اور سب سے نچلے حصہ میں 500 جیپ کاریں رکھی ہوئی
تھیں رنگون پیننانگ ہوتے ہوئے سنگاپور کی بندرگاہ سے
چالیس میل قریب پہنچ گیا تھا کہ رات کے تین بجے دریا میں طغیانی
پیدا ہوئی MINE جس میں مقناطیسی کشش ہوتی ہے ہمارے
جہاز سے ٹکرا گیا۔ جہاز پھٹ گیا سارے کیبن چکنا چور ہو
گئے عجیب اتفاق کہ میرے ساتھی اوپر سو رہے تھے اور میں نیچے
کیبن میں تھا۔ پانی اندر گھسنے لگا۔ اس روح فرسا حادثہ سے
میری جان نکلی جا رہی تھی، جہاز کی بجلی فیل ہو گئی تھی۔ ہاتھ
کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اتنے میں میرے دوستوں نے کئی
فٹ بلندی سے رسہ چھوڑا جس کی مدد سے میں صحیح وسالم عرشہ
پر آ گیا۔ صبح چار بجے موٹر لانچ مدد کے لئے آ گئے۔ اور ہم
لوگ سلامتی کے ساتھ بندرگاہ پہنچ گئے۔ اس وقت ہر ایک
کی عجیب حالت تھی۔ ایک طرف موت اپنی ناکامی پہ رو رہی تھی
تو دوسری طرف زندگی نے بڑھ کر ہمارا خیر مقدم کیا۔ میری
زندگی کا یہ حادثہ تلخ بھی تھا اور شیریں بھی۔

والدہ محترمہ کی ناسازی مزاج کی وجہ دو ہفتہ کی
چھٹی پہ گھر آنا پڑا۔ چونکہ وہ بہت علیل تھیں مجھے روک
لیا گیا۔ ایک ماہ کی تاخیر ہو گئی۔ دوبارہ ٹریننگ کا حکم
دیا گیا۔ اس لئے میں استعفیٰ دے کر واپس چلا آیا۔ اور
گورنمنٹ مسلم کالج مدراس میں انٹرمیڈیٹ میں داخل
ہو گیا۔ امتحان میں ناکامی کی وجہ دکن ایئرویس DECCAN
AIR WAYS میں داخل ہو کر جونیر کمیشن آفیسر کی حیثیت سے
فوج میں بھرتی ہو گیا بسنہ ۱۹۴۹ء میں مکمل ٹریننگ کے بعد آسام بارڈر
بھیج دیا گیا۔ مجھے یہ جگہ ناپسند تھی لہٰذا استعفیٰ دے کر وہاں سے واپس
ویلور چلا آیا۔ اور محکمہ سی آئی ڈی میں فنگر پرنٹ سرچر کی حیثیت
سے کام کرنے لگا۔

جسوقت میں فوج میں کام کر رہا تھا غیر منقسم ہندوستان
کے مختلف حصوں کو دیکھنے کا موقع ملا۔ لاہور میں قیام کے دوران
وہاں کے مغل شاہوں کی تعمیر شدہ بادشاہی مسجد جو بہت خوبصورت ہے،
شالیمار باغ اور دیگر بہت سے عجائبات دیکھنے میں آئے۔ پشاور
بلوچستان، کراچی، کشمیر وغیرہ جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں بھی
بہت سی عجیب و غریب چیزیں دیکھنے میں آئیں۔ ان کے علاوہ میرا
اکثر قیام دارالخلافہ دہلی میں بھی ہوا کرتا تھا۔ وہاں کی حسین
یادیں آج بھی میرے ذہن میں تازہ ہیں۔

محکمہ سی۔آئی۔ڈی میں دو سال تک کام ٹھیک ٹھاک
چل رہا تھا لیکن زمانہ کی ترقی یافتہ روشنی کو دیکھ کر اس ملازمت
کو چھوڑنا پڑا۔ تعلیمی صیغہ میں ریاضت جسمانی کی ٹریننگ
حاصل کرنے کے لئے Y.M.C.A کالج مدراس میں داخل ہو کر
ایک سال کی ٹریننگ کے بعد مدراس ہی میں ملازم ہو گیا۔ انٹرمیڈیٹ
کورس کی تکمیل کے بعد میرے حوصلے بلند ہو گئے۔ گورنمنٹ مسلم
ہائی سکول ویلور میں فزیکل ایجوکیشن ٹیچر کی حیثیت سے کام
کرتے ہوئے B.A پرائیویٹ لکھنے کی تیاری شروع کی بسنہ ۱۹۶۳ء
میں مدراس یونیورسٹی سے کامیاب ہو گیا۔ ویلور سے مدراس
اور کوتیگری کو تبادلہ کے بعد B.T ٹریننگ کی خواہش ہوئی،
میں نے اس کی بھی تکمیل کر لی۔

الحمدللہ تعالیٰ آج ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس اردو رینج سیلم میں اپنی خدمات انجام دے رہا ہوں۔ یہ میری سلسلۂ ملازمت کی نویں کڑی ہے۔ چونکہ میری طبیعت ہمیشہ جدت پسند واقع ہوی ہے۔ دل ہر وقت نئے شعبوں اور شہروں میں کام کرنے کا خواہشمند رہا ہے معلوم نہیں میری طبیعت کی یہ جدت پسندی مجھے کہاں کہاں لے جائیگی۔ اسی دوران میں نے M.A کی تیاری کی۔ اس کے ایک پارٹ کا امتحان بھی دے چکا ہوں۔

میری خوش نصیبی ہے کہ سیلم رینج میں بہت سے لوگوں کو جو اسلامی فرائض، اصول و قواعد سے نابلد تھے روشناس کرانے کا شرف حاصل ہوا۔ میرے چارج لینے سے پیشتر کئی اسکول بند ہو چکے تھے۔ حکومت سے اجازت لیکر ان کو کھلوایا اور جدید سکولوں کے لئے نیا سلکشن حاصل کیا۔

جہاں میری تعلیمی زندگی اور دیگر خدمات کا تعلق ہے یہ رخ بہت ہی کامیاب رہا اور شاندار رہا۔ لیکن زندگی کا دوسرا رخ جس میں مجھے تلخ گھونٹ پینے پڑے انتہائی مایوس کن ہے۔ میری پہلی بیوی کا انتقال شادی کے چند سال بعد ہو گیا۔ اس کے بعد جہاں دوسری شادی ہوی چند دن گذرنے نہ پائے تھے تعلقات میں تلخی آگئی۔ جس کا اختتام رشتہ کے انقطاع پہ ہوا۔ آخر میں بھی تو ایک انسان ہوں۔ میری زندگی کی گاڑی ایک پہیہ پہ کیسے چل سکتی ہے' ارادہ تھا کہ ایک مقام پر ازدواجی رشتہ میں منسلک ہو جاؤں' اللہ تعالےٰ کا فضل میرے شامل حال رہا۔ اور میں بچ گیا۔ ان حادثات سے جہاں میری ذات کو انتہائی نقصان پہنچا ہے' وہاں میری مجرد زندگی دوسروں کے لئے فائدہ سے خالی نہ رہی۔ زندگی کے جھمیلوں سے آزاد زیادہ سے زیادہ لوگوں کی خدمت اور ان کو راحت پہنچانے کا موقع ملتا ہے لیکن جب میں اپنی زندگی پہ غور کرتا ہوں تو اس پھول کی طرح نظر آتی ہے جس میں کچھ خوشبو نہیں۔ خدا کرے بے کیفی ختم ہو اور زندگی میں بہاریں آئیں۔ آمین۔

میں اپنے دوستوں کے انتخاب میں بیحد احتیاط سے کام لیتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میرے دوست بیحد کم ہیں' لیکن جو بھی ہیں تمام کے تمام قابل اور لائق ہیں۔ مجھے اس انتخاب میں طبیعت کی موزونی اور یکسانیت کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے اور میں حتی الامکان اس بات کی کوشش کرتا ہوں کہ بعض ناگزیر حالات کے تحت پیدا ہونے والی ناچاقیاں اور رنجشیں پھلنے پھولنے کی بجائے جلد ختم ہو جائیں۔

میرے ایک قابل اور معزز دوست مولانا محمد طیب الدین صاحب اشرفی مونگیری مدرس دارالعلوم لطیفیہ۔ ویلور' جن سے میری اچھی خاصی دوستی تھی ان سے ہمیشہ پُر لطف اور پراز معلومات گفتگو ہوا کرتی تھی اور دن ان کے ساتھ بڑے مزے سے گزرتے تھے۔

ایک روز کا واقعہ ہے' آپ کمرے میں نماز مغرب ادا کر رہے تھے۔ میں اندر گیا' سلام پھیر کر وہ چلا اٹھے اور گیٹ آوٹ کہہ دیا۔ پھر سنت نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ میں خاموش باہر چلا آیا۔ مولوی صاحب کی حرکت میرے لئے انتہائی کوفت کا باعث ہوی۔ ایک گھنٹہ گزرنے نہ پایا تھا کہ آپ نے مجھے بلا بھیجا' وہی خوش مزاجی سے پیش آنے لگے اور میں بھی ایسا گھل مل گیا کہ کوئی یہ نہ سمجھ سکتا تھا کہ کچھ دیر پہلے ایسا واقعہ پیش آیا ہے۔

میں نے دنیا کے مکر و فریب' اس کی بے ثباتی اور دیگر واقعات سے متاثر ہو کر اعلیحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کے دست حق پرست پر بیعت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طبیعت میں میں گوناگوں سکون اور راحت محسوس کرتا ہوں۔ اسی کی برکت ہے کہ ہر پیچ پیچ مرحلہ سے بآسانی گذر جاتا ہوں بے شک مجھے ان بزرگوں کی خدمت میں رہکر بہت سی فتوحات حاصل ہوی ہیں۔ جن کے بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال رحمہ نے

کیا ہی خوب فرمایا ہے ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو ارادت ہے تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

اور میرا وطیرہ تو ان بزرگوں کے ساتھ یہی ہے :-

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوھر بادشاہوں کے خزینوں میں

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں مجھے اور تمام مسلمانوں کو دین اور دنیا میں سرخروئی عطا فرمائے ۔

آمین

ایک دلچسپ مکالمہ

عاقل - و - اسمٰعیل

از
حافظ محمد اسمٰعیل ایمبارؔوی
متعلم دارالعلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ

عاقل: آداب عرض ہے میرے دوست، آداب عرض ہے۔

اسمٰعیل: ارے آپ عاقل صاحب! آئیے تشریف لائیے واقعی آپ بڑی لمبی عمر والے ہیں، دیکھئے نا۔ میں آپ ہی کا خیال کر رہا تھا کہ آپ آ پہونچے ۔

عاقل: مجھے کل ہی معلوم ہوا کہ آپ مشرق وسطیٰ اور یورپ کے دَورے سے لوٹ آئے ہیں۔ لہٰذا آج میں یہ حقیر گلدستہ لئے ہوئے آپ کو مبارکباد دینے چلا آیا۔

اسماعیل: بھائی صاحب! یہ پھول تو کیا آپ خود جو تکلیف گوارہ کر کے چلے آئے ہیں "آپ آئے بہار آئی" کے مصداق ہے ۔

عاقل: خیر جناب چھوڑئے ان باتوں کو، پہلے آپ کچھ دورے کی حالت اور کچھ اپنی داستان سنائیے ۔

اسمٰعیل: کیا بتاؤں میرے دوست! میں دَورے پر جانے کو تو چلا گیا مگر نہ جانے کیوں "وطن سے دور" رہ کر بھی مجھے ہمیشہ میرا گاؤں میرا دیش" مجھے یاد آتا رہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ ترقی کے اعتبار سے آگے ہے، مگر ہمارا ہندوستان بھی کچھ ایسی خصوصیات رکھتا ہے کہ علامہ اقبالؒ کے کہے کا اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے۔

ع "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا"

عاقل: میرے محترم! ہمارے ملک کو درحقیقت آپ جیسے حضرات کی سخت ضرورت ہے جو وطنیت و قومیت کے نام پر مر مٹنے کے لئے ہمیشہ تیار رہیں ۔
اچھا اسمٰعیل صاحب آپ کو یاد ہوگا جب بھی اتفاق سے تھوڑی

دیر کے لئے ہماری ملاقات ہوجاتی تو میں اس چھوٹی سی ملاقات میں آپ سے چند سوالات کیا کرتا اور آپ بخوبی جوابات دیا کرتے۔

اسماعیل: جی ہاں جناب مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ عام معلومات کے بارے میں سوالات کرتے اور میں حتی الامکان ٹھیک ٹھیک جواب دینے کی کوشش کرتا کاش کہ معلومات کی ذخیرہ اندوزی کا جو جذبہ آپ میں ہے وہ ہر انسان میں ہوتا!

عاقل: اب تو آپ دنیا کے عظیم مقامات گھوم آئے ہیں، اچھا تو پھر سب سے پہلے یہ بتائیے کہ ہمارے ہندوستان میں سوتی کپڑے کن کن شہروں میں بنائے جاتے ہیں؟

اسمٰعیل: ہمارے ہندوستان کے خوبصورت شہر بنگلور، مدراس بمبئی، کانپور وغیرہ میں جہاں عمدہ سے عمدہ نفیس سوتی کپڑا تیار ہوتا ہے۔

عاقل: میرے مہربان دوست! دنیا میں سب سے زیادہ باغات کس ملک میں پائے جاتے ہیں۔

اسمٰعیل: دیکھئے سوئٹزرلینڈ ایک ایسا ملک ہے جہاں سب سے زیادہ باغات موجود ہیں۔

عاقل: دنیا میں چاندی کہاں زیادہ ہوتی ہے؟

اسمٰعیل: میرے محترم! میکسیکو میں چاندی سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔

عاقل: ذرا یہ بھی تو بتلائیے کہ سونا کہاں زیادہ ہوتا ہے؟

اسمٰعیل: کہا تو یہی جاتا ہے کہ آسٹریلیا میں سونا زیادہ پایا جاتا ہے۔

عاقل: ہمارے ہندوستان میں کانچ کا سامان تیار کرنے والے کارخانے کہاں کہاں ہیں؟

اسمٰعیل: ہمارے دیش کے مشہور شہر کلکتہ، بمبئی، انبالہ جبل پور، فیروزآباد وغیرہ میں ایسے کارخانے ہیں جہاں دن میں لاکھوں روپوں کا مال تیار ہوتا ہے

عاقل: جانِ من! دکن میں کونسا ایسا شہر ہے جہاں صندل کی لکڑی کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔

اسمٰعیل: دکن میں شہر میسور ایک ایسا دلکش و پُرلطف مقام ہے، جہاں کے جنگلات میں صندل کی لکڑی کثرت سے ہوتی ہے اور دیگر ممالک کو بھی بھیجی جاتی ہے۔

عاقل: میرے محترم دنیا میں تیل کہاں زیادہ ہوتا ہے؟

اسمٰعیل، میرے مکرم! دنیا میں سب سے زیادہ تیل، کویت اور بحرین میں ہوتا ہے۔ ویسے تو کویت میں پٹرول بھی کثرت سے نکلتا ہے، کیا آپ نہیں جانتے شیخ کویت کو شہنشاہِ تیل کہا جاتا ہے۔

عاقل: اچھا بھائی صاحب! سورج اور زمین کے درمیان جو فاصلہ ہے اسکی مقدار بتانے کی زحمت گوارا فرمائیے۔

اسمٰعیل ہاں ہاں سورج اور زمین کے درمیانی فاصلہ کا اندازہ تقریباً $9\frac{1}{3}$ کروڑ میل ہے۔

عاقل: اچھا سورج کا قطر کتنا ہے؟

اسمٰعیل: میرے بھیا۔ سورج کا قطر تو 865000 میل ہے۔

عاقل: حضور والا! میں تو یہ پوچھنا ہی بھول گیا کہ پٹرول کہاں کثرت سے ہوتا ہے؟

اسمٰعیل: جانِ من! علاقہ عرب پٹرول کے معاملہ میں اول نمبر پر ہے، دوسرے نمبر پہ غالباً روس و امریکہ و لیبیا آتے ہیں۔

عاقل : بھائی اسمٰعیل صاحب آپ تو حافظ بھی ہیں، کیا آپ بتلائیں گے کہ قرآن پاک میں حروف تہجّی کتنے کتنے ہیں ؟

اسمٰعیل میرے عزیز ! یہ تو حافظ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ حروف تہجی کی تعداد یاد رکھے لیکن مجھے اخباری اطلاع ملی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن میں :-

الف ۴۸۸۷۶ ب ۱۱۴۲۳
ت ۱۰۱۹۹ ث ۱۲۱۷۶ ج ۳۲۷۳
ح ۳۹۷۳ - خ ۲۴۱۶ د ۵۶۴۳
ذ ۴۶۹۷ - ر ۱۱۷۹۳ ز ۱۵۹۰
س ۸۵۹۱ ش ۲۲۵۳ ص ۲۰۱۳
ض ۱۶۵۷ ط ۱۲۴۷ ظ ۸۴۲
ع ۹۲۴۰ غ ۲۲۰۸ ف ۸۴۹۹
ق ۶۸۱۳ ک ۹۵۲۰ ل ۳۳۴۳۲
م ۲۶۵۳۵ ن ۲۶۵۶۰ و ۲۵۵۳۶
ھ ۱۹۰۷۰ لا ۴۷۲۰ اور یٰ کی تعداد
۲۵۹۱۹ ہے۔

اچھا بھائی ! آپ بڑی معلومات افزا رہیں، پہلے چائے اور نمکین بسکٹ نوش فرمائیے۔

عاقل : (چائے پیتے ہوئے) معاف کیجئے حافظ صاحب میں آپ کو بہت تکلیف دے چکا، تھوڑی سی تکلیف اور گوارہ کرتے ہوئے یہ بتا دیجئے کہ آپ ہمارے ہندوستان اور ولایت یعنی کہ یورب اور پچھم میں کیا فرق پاتے ہیں ؟ -

اسمٰعیل ارے ارے، آپ تو صرف چائے ہی نوش فرما رہے ہیں کچھ بسکٹ بھی تو لیجئے اور لیجئے "یورب" اور "پچھم" میں جہاں تک میرا خیال ہے، مختصر یہ کہ "پھول اور پتھر" یا "آدمی اور انسان" میں جو فرق ہے بس وہی ہے۔

عاقل، واہ بھئی واہ، آپنے تو میرے دل کی بات چھین لی (گھڑی دیکھتے ہوئے) یہ لیجئے باتوں میں وقت ایسے گذرا کہ مغرب کی اذاں کے لئے صرف چند لمحے باقی رہ گئے ہیں، اب میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔

اسمٰعیل : اچھا میرے معظم ! میری جانب سے چچا جان کو، یعنی کہ اپنے والدِ محترم کو سلام سنا دیجئے۔

عاقل : سرکار کا حکم سر آنکھوں پر، ضرور سناؤں گا۔

خدا حافظ !!

معذرت
منجانب
پریس

ویلور سے بنگلور اور بنگلور سے ویلور اللطیف کی اصلاح طلب کاپیوں کی روانگی و واپسی اور شترِ بے مہار کی طرح مضامین کا تسلسل، پریس کے لئے گو کہ ایک دشوار گذار امر تھا وقت کی قلت نے عملیحدہ راہ مسدود کر دی اسی بنا پر اکثر و بیشتر کاپیوں کی اصلاح تک کی مہلت نہ ملی۔ بہر حال ڈیڑھ دو ماہ کے اس مختصر سے وقفہ میں مطبوعہ اللطیف کا آپکے ہاتھوں میں پہنچ جانا، یہ حضرت مکان والے بزرگوں کے ہی دست تصرف کی کارفرمائی پر محمول ہے۔

براہ کرم التماس ہے کہ اگر کہیں غلطی نظر آئے تو پریس کی مجبوریوں کے مدِ نظر نظر انداز فرما دیں - فقط

آپکا مخلص محمد عبد المتین مالک قومی پریس بنگلور